بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مُرتّب

بیانُ القُرآن کے حصّہ چہارم کی اشاعت پر ہم اللہ ربّ العزّت کے حضور سجدۂ شکر بجالاتے ہیں۔ اس کام کی رفتار کے سلسلے میں مرتّبین و مؤلفین دوطرفہ دباؤ میں ہیں۔ ایک طرف "جلالِ اِسراری" کے فلک بوس گنبد سے گونجتی ہوئی "حُدی را تیز تر می خواں" کی صدائے پیہم ہے تو دوسری طرف ہزار ہا شائقین کے انتظار کا ہنگامہ آفریں مدوجزر! چنانچہ تمام متعلقین کے درمیان ایک خاموش سمجھوتہ آپ سے آپ طے پا گیا کہ ہرچہ بادا باد' ہر سال رمضان المبارک میں بیان القرآن کی نئی جلد کی رُونمائی کا التزام کرنا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مرتّبین کی ٹیم کو توفیق' ہمّت اور مہلت عطا فرمائے کہ وہ اس کام کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ آمین!

ڈاکٹر صاحبؒ کے اپنے فرمان کے مطابق' قرآن کی تفسیر لکھنے کا کوئی منصوبہ کبھی بھی آپؒ کے حاشیۂ خیال میں نہیں تھا۔ لیکن جب مشیّتِ ایزدی سے بیان القرآن کی پہلی جلد شائع ہوئی تو اُس کی غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی نے ڈاکٹر صاحبؒ کو اس کے بقیہ کام کے بارے میں ایک خوشگوار اضطراب کی کیفیت سے دوچار کر دیا۔ دراصل ڈاکٹر صاحبؒ کے مشن اور اُس کی ترویج میں جو مرکزیت قرآن کریم کو حاصل ہے بعینہٖ وہی مرکزی اور امتیازی حیثیت انجمن اور تنظیم کی دیگر مطبوعات میں بیان القرآن رکھتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؒ اِنذار و تبشیر اور تشویق و ترغیب کے اس قرآنی منبع کو جلد از جلد اُس کے شائقین کی پہنچ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ بہرحال ڈاکٹر صاحبؒ کی یہ خواہش آپؒ کی دُنیوی زندگی میں مطلوبہ درجے میں اپنی تسکین حاصل نہ کر سکی!

ڈاکٹر صاحبؒ کے بقول جو "پہاڑ ایسا بھاری کام" باقی تھا' اب اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہم اپنی سی کوشش میں لگے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اس میں کامیابی کے خواہاں بھی ہیں اور اُس کی رحمت سے "اجر" کے امیدوار بھی! اس بارے میں ہم اپنے اللہ سے مثبت گمان رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ تو ان شاء اللہ ہمارے گمان کے مطابق ہو ہی جائے گا! —— مگر ایک "خلا" ہے کہ جس کا تصور مسلسل غمناک کیے جاتا ہے! اس "ہوم ورک" کے مکمل کرنے پر آخر ہمیں ایک خصوصی "شاباش" کا لالچ بھی تو تھا! —— اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے کیا بعید ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات کا ارمان بھی پُورا ہو اور ہمارا یہ لالچ بھی!!!

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

جُمعۃ المُبارک

۲۲ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

ترتیب

عرضِ مرتّب ____ 4

سورۃ یونس ____ 5

سورۃ ھود ____ 49

سورۃ یوسف ____ 101

سورۃ الرّعد ____ 147

سورۃ ابراھیم ____ 169

سورۃ الحجر ____ 195

سورۃ النّحل ____ 223

سورۃ بنی اسراءیل ____ 279

سورۃ الکھف ____ 339

سُورۃ یُونُس

تمہیدی کلمات

سورۂ یونس کے آغاز کے ساتھ ہی قرآن حکیم کی تیسری منزل بھی شروع ہو رہی ہے اور یہیں سے مکّی مدنی سورتوں کے تیسرے گروپ کا آغاز بھی ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کا یہ مقام گویا ''قِرانُ السَّعدین'' ہے۔ مکّی سورتوں کا یہ سلسلہ جو سورۂ یونس سے شروع ہو کر سورۃ المؤمنون (اٹھارہویں پارہ) تک پھیلا ہوا ہے، حجم کے اعتبار سے طویل ترین ہے۔ (البتہ تیسویں پارے کی سورتیں چونکہ چھوٹی چھوٹی ہیں اس لیے تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ مکی سورتیں آخری گروپ میں ہیں۔) اس گروپ میں شامل سورۃ الحجر اور سورۃ الحج کے بارے میں بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ دونوں مدنیات ہیں، مگر اس سلسلے میں مجھے اُن مفسّرین سے اتفاق ہے جو ان دونوں کو مکیات مانتے ہیں۔

ان پہلے تین گروپس میں شامل سورتوں کی مکی اور مدنی تقسیم کے حوالے سے بات کی جائے تو جس طرح پہلے گروپ میں سورۃ البقرۃ سے لے کر سورۃ المائدۃ تک سوا چھ پاروں پر مشتمل چھ سورتیں مدنی تھیں، اسی طرح اب اس گروپ میں آئندہ سات پاروں پر مشتمل مسلسل چودہ سورتیں مکی ہیں، جب کہ درمیانی گروپ دو مکی (الانعام اور الاعراف) اور دو مدنی (الانفال اور التوبہ) سورتوں پر مشتمل تھا۔

اس گروپ کی ان چودہ سورتوں میں اکثر و بیشتر تین تین سورتوں کے ذیلی گروپ بھی بنتے ہیں، جن میں سے ہر گروپ کی پہلی دو سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت پائی جاتی ہے، جبکہ تیسری سورت منفرد ہے۔ پہلے ذیلی گروپ میں شامل تین سورتیں نسبتاً طویل ہیں، ان کے بعد تین نسبتاً چھوٹی سورتوں کا ایک ذیلی گروپ ہے اور اس کے بعد پھر تین سورتوں کا ایک ذیلی گروپ ہے جو قدرے طویل ہیں۔ پہلا ذیلی گروپ سورۂ یونس، سورۂ ہود اور سورۂ یوسف پر مشتمل ہے۔ ان میں سورۂ یونس اور سورۂ ہود کا آپس میں زوجیت کا بالکل ویسا ہی تعلق ہے جیسا کہ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس کے گیارہ رکوعوں میں سے صرف دو رکوع انباء الرُّسل سے متعلق ہیں اور باقی نو رکوع التذکیر بِآلاء اللّٰہ پر مشتمل ہیں، جبکہ دوسری طرف سورۂ ہود کے دس رکوعوں میں سے ساڑھے چھ رکوع انباء الرسل (التذکیر بایّام اللّٰہ) سے متعلق ہیں اور صرف ساڑھے تین رکوعوں میں دوسرے مضامین ہیں، جن میں کفار کے ساتھ ردّ و قدح بھی ہے اور التذکیر بِآلاء اللّٰہ کا مضمون بھی ہے۔ اس ذیلی گروپ میں سورۂ یوسف کی حیثیت گویا ایک ضمیمے کی ہے، جو ان سے الگ اور بالکل منفرد ہے۔

سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں زوجیت کے تعلق میں ایک عجیب متلازم (reciprocal) نسبت بھی ہے کہ

سورۂ یونس میں انباء الرسل کے دو رکوعوں میں سے صرف آدھے رکوع (چند آیات) میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے اور باقی ڈیڑھ رکوع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے‘ جبکہ درمیان کے کسی رسول کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے بالکل برعکس سورۂ ہود میں پورے دو رکوع حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ یہ مقام حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے اعتبار سے پورے قرآن میں جامع ترین بھی ہے اور افضل بھی۔ (اگرچہ انتیسویں پارے میں سورۂ نوحؑ مکمل آپؑ ہی کے ذکر پر مشتمل ہے‘ مگر وہاں وہ تفاصیل نہیں ہیں جو یہاں پر ہیں۔) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس سورت میں چند آیات میں صرف حوالے کے لیے ہی آیا ہے‘ جبکہ درمیان میں انباء الرسل کے سلسلے میں ایک ایک رکوع میں ایک ایک رسولؑ کا ذکر ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۰

الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ
اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ
هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ
مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ
نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ
يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ ع

آیت ۱ ﴿الٓرٰ قف﴾ ''ا،ل،ر۔''

یہ حروفِ مقطّعات ہیں۔ یہاں پر ایک قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ' سورۂ آلِ عمران اور سورۃ الاعراف تین سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات (الٓمّٓ' الٓمّٓصٓ) سے ہوتا ہے اور ان تینوں مقامات پر حروفِ مقطّعات پر آیت مکمل ہو جاتی ہے' مگر یہاں ان حروف پر آیت مکمل نہیں ہو رہی ہے' بلکہ یہ پہلی آیت کا حصہ ہیں۔ بہر حال یہ توقیفی امور (حضورﷺ کے بتانے پر موقوف) ہیں۔ گرامر' منطق' نحو' بیان وغیرہ کے کسی اصول یا قاعدے کو یہاں دخل نہیں ہے۔

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ①﴾ ''یہ بڑی حکمت بھری کتاب کی آیات ہیں۔''

آیت ۲ ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ ''کیا لوگوں کو بہت تعجب ہوا ہے کہ ہم نے وحی بھیج دی ایک شخص پر انہی میں سے''

﴿اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ﴾ ''کہ آپؐ لوگوں کو خبردار کر دیجیے اور اہل ایمان کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہت اونچا مرتبہ ہے۔''

﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ②﴾ ''(اس پر) کافروں نے کہا کہ یہ تو ایک کھلا جادوگر ہے۔''

یعنی یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ وہ اس منصب کے لیے انسانوں میں سے جس کو چاہے پسند فرما کر منتخب کر لے۔ اگر اس نے محمدﷺ کا انتخاب کر کے آپﷺ کو بذریعہ وحی انذار اور تبشیر کی خدمت پر مامور کیا ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے!

آیت ۳ ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ ''یقیناً تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی چھ دنوں میں''

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ﴾ ''پھر وہ عرش پر متمکّن ہو گیا' (اور) وہ تدبیر کرتا ہے ہر معاملہ کی۔''

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور منصوبہ بندی کے مطابق پوری کائنات کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے بابِ اول میں اللہ تعالیٰ کے تین افعال کے بارے میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے: (۱) ابداع (creation ex nehilo) یعنی کسی چیز کو عدم محض سے وجود بخشنا' (۲) خلق' یعنی کسی چیز سے کوئی دوسری چیز بنانا' اور (۳) تدبیر' یعنی اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق کائناتی نظام کی منصوبہ بندی (planning) فرمانا۔

﴿مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ﴾ ''نہیں ہے کوئی بھی شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت

کے بعد۔‘‘

کوئی اُس کا اذن حاصل کیے بغیر اُس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے آیت الکرسی (سورۃ البقرۃ) میں بھی شفاعت کے بارے میں اسی نوعیت کا استثناء آ چکا ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③﴾ ’’وہ ہے اللہ تمہارا رب‘ پس تم اسی کی بندگی کرو۔ تو کیا تم نصیحت اخذ نہیں کرتے!‘‘

آیت ۴ ﴿اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ﴾ ’’تم سب کا لوٹنا اُسی کی جانب ہے۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔‘‘

﴿اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ ’’وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے‘ پھر وہی اس کا اعادہ کر دے گا‘‘

پہلے پہل کسی کام کا کرنا یا ابتدائی طور پر کسی چیز کو تخلیق کرنا مشکل ہوتا ہے جبکہ اس کا اعادہ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ یہ ایک معقول اور منطقی بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی نے یہ سب کچھ پیدا فرمایا ہے اور پہلی بار اسے اس تخلیق میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہو جائے گا! بہر حال وہ تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا:

﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ﴾ ’’تا کہ وہ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے انصاف کے ساتھ۔‘‘

وہ اہلِ ایمان جنہوں نے اللہ اور اُس کے دین کے لیے ایثار کیا ہے‘ ان کی قربانیوں اور مشقتوں کے بدلے میں انہیں انعامات سے نوازا جائے گا اور ان کے ان اعمال کی پوری پوری قدر کی جائے گی۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④﴾ ’’اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے پینے کے لیے ہوگا کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب‘ اس کفر کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے۔‘‘

آیت ۵ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ ’’وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمکدار اور چاند کو نور‘‘

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ سورج کے اندر جاری احتراق یعنی جلنے (combustion) کے عمل کی وجہ سے جو روشنی پیدا (generate) ہو رہی ہے اس کے لیے ’’ضیاء‘‘ جبکہ منعکس (reflect) ہو کر آنے والی روشنی کے لیے ’’نور‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورج اور چاند کی روشنی کے لیے قرآن حکیم نے دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں‘ اس لیے کہ سورج کی اپنی چمک ہے اور چاند کی روشنی ایک انعکاس ہے۔

﴿وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ﴾ ’’اور اُس نے اس (چاند) کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تمہیں معلوم ہو گنتی برسوں کی اور تم (معاملاتِ زندگی میں) حساب کر سکو۔‘‘

﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤﴾ ’’اللہ نے یہ سب کچھ پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ‘ اور وہ تفصیل بیان کرتا ہے اپنی آیات کی ان لوگوں کے لیے جو علم حاصل کرنا چاہیں۔‘‘

یعنی یہ کائنات ایک بے مقصد تخلیق نہیں بلکہ ایک سنجیدہ‘ با مقصد اور نتیجہ خیز تخلیق ہے۔

آیت ۶ ﴿اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥﴾ ’’یقیناً رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ نے بنایا ہے آسمانوں میں اور زمین میں‘ یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جن کے اندر تقویٰ ہے۔‘‘

ان نشانیوں سے وہی لوگ سبق حاصل کر کے مستفیض ہو سکتے ہیں جن کے اندر خوفِ خدا ہے اور ان کی اخلاقی حس بیدار ہوتی ہے۔

آیت ۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ ’’بے شک وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں‘‘

یہاں پر یہ نکتہ نوٹ کریں کہ یہ الفاظ اس سورت میں بار بار دہرائے جائیں گے۔ اصل میں یہ ایسی انسانی سوچ اور نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق انسانی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ انسان کو غور کرنا چاہیے کہ یہ انسانی زندگی جو ہم اس دنیا میں گزار رہے ہیں اس کی اصل حقیقت کیا ہے! اسے محاورۃً ’’چار دن کی زندگی‘‘ قرار دیا جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے بھی کہا ہے ؎

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے‘ دو انتظار میں!

اگر انسان اس دُنیا میں طویل طبعی عمر بھی پائے تو اس کا ایک حصہ بچپن کی نا سمجھی اور کھیل کود میں ضائع ہو جاتا ہے۔ شعور اور جوانی کی عمر کا تھوڑا سا وقفہ اس کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ اس کے بعد جلد ہی بڑھاپا اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ﴾ (النحل:۷۰) کی جیتی جاگتی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ تو کیا انسانی زندگی کی حقیقت بس یہی ہے؟ اور کیا اتنی سی زندگی کے لیے ہی انسان کو اشرف المخلوقات کا لقب دیا جاتا ہے؟ انسان غور کرے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ انسانی زندگی محض ہمارے سامنے کے چند ماہ و سال کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے کا نام ہے۔ علامہ اقبال کے بقول: ؎

تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں‘ پیہم دواں‘ ہر دم جواں ہے زندگی

اور اقبال ہی نے اس سلسلے میں انسانی نا سمجھی اور کم ظرفی کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے: ؎

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے!

اس لامتناہی سلسلۂ زندگی میں سے ایک انتہائی مختصر اور عارضی وقفہ یہ دُنیوی زندگی ہے جو اللہ نے انسان کو آزمانے اور جانچنے کے لیے عطا کی ہے: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک:۲)۔ جبکہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور وہ بہت طویل ہے۔ جیسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾﴾ ’’اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے‘ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!‘‘ مگر وہ لوگ جن کا ذہنی اُفق تنگ اور سوچ محدود ہے‘ وہ اسی عارضی اور مختصر وقفۂ زندگی کو

اصل زندگی سمجھ کر اس کی رعنائیوں پر فریفتہ اور اس کی رنگینیوں میں گم رہتے ہیں۔ بقولِ علامہ اقبال:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے   مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

اصل اور دائمی زندگی کی عظمت اور حقیقت ایسے لوگوں کی نظروں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہے۔

﴿وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦﴾ ''اور وہ دنیا کی زندگی پر ہی راضی اور اسی پر مطمئن ہیں' اور جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔''

انسانوں کے اندر اور باہر اللہ کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں اور ان کی فطرت انہیں بار بار دعوتِ فکر بھی دیتی ہے: ۔

کھول آنکھ' زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ!   مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

مگر وہ لوگ شہواتِ نفسانی کے چکروں میں اس حد تک غلطاں و پیچاں ہیں کہ انہیں آنکھ کھول کر انفس و آفاق میں بکھری ہوئی ان لاتعداد آیاتِ الٰہی کو ایک نظر دیکھنے کی فرصت ہے نہ توفیق۔

آیت ۸ ﴿اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑧﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ آگ ہے' اپنی اس کمائی کے سبب جو وہ کر رہے ہیں۔''

جس شخص نے اپنی پوری دُنیوی زندگی میں نہ اللہ کی طرف رجوع کیا اور نہ آخرت ہی کی کچھ فکر کی' ساری عمر 'بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست' جیسے نعرے کو اپنا ماٹو بنائے رکھا' حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی قیود سے بے نیاز ہو کر جھوٹی مسرتیں اور عارضی خوشیاں جہاں سے ملیں' جس قیمت پر ملیں حاصل کر لیں' تو ایسے شخص کا آخری ٹھکانہ آگ کے سوا بھلا اور کہاں ہو سکتا ہے!

آیت ۹ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑨﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' ان کا رب ان کے ایمان کے باعث ان کو پہنچا دے گا نعمتوں والے باغات میں' جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔''

آیت ۱۰ ﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ ''اس میں ان کا ترانہ ہوگا: اے اللہ تو پاک ہے''

وہ لوگ جنت کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و مناجات کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار' تو ہر ضعف سے پاک ہے' ہر عیب اور ہر نقص سے مبرا ہے اور احتیاج کے ہر تصور سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

﴿وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ﴾ ''اور اس میں ان کی (آپس کی) دعا 'سلام' ہو گی۔''

اہلِ جنت آپس میں ایک دوسرے کو ملتے ہوئے السلام علیکم کے الفاظ کہیں گے' اس طرح وہاں ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آ رہی ہوں گی۔ جیسے سورۃ الواقعہ میں فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ㉕ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ㉖﴾ ''وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ وہاں ان کا کلام سلام سلام ہو گا۔''

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑩﴾ ''اور ان کی دعا اور مناجات کا اختتام (ہمیشہ ان کلمات پر) ہو گا کہ کُل حمد اور کُل تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

آیات ۱۱ تا ۲۰

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا
يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝١١ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا
اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ
لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٢ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝١٣ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ
خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝١٤ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ
قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ
اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٥ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا
مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٦ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝١٧ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ
هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝١٨ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝١٩ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ
رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝٢٠ ع ۲

آیت ۱۱ ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾ ”اور اگر اللہ جلدی کر دیتا لوگوں کے لیے شر جیسے کہ وہ جلدی چاہتے ہیں خیر“

انسان جلد باز ہے‘ وہ چاہتا ہے کہ اس کی کوششوں کے نتائج جلد از جلد اس کے سامنے آ جائیں۔ مگر اللہ تو بڑا حکیم ہے‘ اس نے ہر کام اور ہر واقعہ کے لیے اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق وقت مقرر کر رکھا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس کام میں خیر ہے اور کس میں خیر نہیں ہے۔ اگر اللہ انسان کی غلطیوں اور برائیوں کے بدلے اور نتائج بھی فوراً ہی ان کے سامنے رکھ دیا کرتا اور ان کے جرائم کی سزائیں بھی فوراً ہی ان کو دے دیا کرتا تو:

﴿لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ﴾ ”ان کی اجل پوری ہو چکی ہوتی“

یعنی ان کی مہلتِ عمر کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔

﴿فَنَذَرُ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''پھر ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیں گے جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں' کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر بڑھتے چلے جائیں۔''

پھر وہی بات دہرائی گئی ہے۔ اس انداز میں ایک شانِ استغناء ہے کہ اگر وہ ہمیں ملنے کے امیدوار نہیں تو ہماری نظرِ التفات کو بھی اُن سے کوئی دلچسپی نہیں۔

آیت ۱۲ ﴿وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ﴾ ''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے پہلو کے بل (لیٹے ہوئے) یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے۔''

﴿فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ کَاَنۡ لَّمۡ یَدۡعُنَاۤ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ﴾ ''پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسے چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا کوئی تکلیف پہنچنے پر۔''

﴿کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلۡمُسۡرِفِیۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ ''ایسے ہی مزین کر دیا گیا ہے ان حد سے بڑھنے والوں کے لیے ان کے اعمال کو۔''

ان کے اندر اتنی ڈھٹائی پیدا ہوگئی ہے کہ ذرا تکلیف آ جائے تو گڑگڑا کر دعائیں مانگیں گے' ہر حال میں ہمیں پکاریں گے اور گریہ وزاری میں راتیں گزار دیں گے۔ لیکن جب وہ تکلیف رفع ہو جائے گی تو ایسے بھول جائیں گے گویا ہمیں جانتے ہی نہیں۔

آیت ۱۳ ﴿وَلَقَدۡ اَهۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا ۙ﴾ ''اور ہم تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سی نسلوں اور قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی''

﴿وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَمَا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا ؕ﴾ ''اور ان کے پاس (بھی) آئے تھے ان کے رسول واضح تعلیمات لے کر' لیکن وہ نہیں تھے ایمان لانے والے۔''

﴿کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو۔''

آیت ۱۴ ﴿ثُمَّ جَعَلۡنٰکُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں جانشین بنا دیا' تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیا کرتے ہو!''

یہاں ہر شخص انفرادی طور پر بھی اپنی محدود عمر میں امتحان دے رہا ہے اور قومیں اور اُمتیں بھی اپنے اپنے وقفۂ مہلت میں اس امتحان گاہ سے گزر رہی ہیں۔ علامہ اقبال کے بقول: ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب　　اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

آیت ۱۵ ﴿وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ﴾ ''اور جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں ہماری روشن آیات تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں کہ (اے محمد ﷺ) اس کے علاوہ آپؐ کوئی اور قرآن پیش کریں یا اس میں کوئی ترمیم کریں۔''

یہاں وہی الفاظ پھر دہرائے جا رہے ہیں' یعنی جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ ہمارے کلام کو سنجیدگی سے سنتے ہی نہیں اور کبھی سن بھی لیتے ہیں تو استہزائیہ انداز میں جواب دیتے ہیں کہ یہ قرآن بہت سخت (rigid) ہے' اس کے احکام ہمارے لیے قابل قبول نہیں۔ اس میں کچھ مداہنت (compromise) کا انداز ہونا چاہیے' کچھ دو اور کچھ لو (give and take) کے اصول پر بات ہونی چاہیے۔ چنانچہ آپ (ﷺ) اس کتاب میں کچھ کمی بیشی کریں تو پھر اس کی کچھ باتیں ہم بھی مان لیں گے۔

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ میرے لیے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کر لوں' میں تو پیروی کرتا ہوں اُسی کی جو میری طرف وحی کیا جا رہا ہے۔''

میں تو خود وحی الٰہی کا پابند ہوں۔ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی' کوئی ترمیم و تنسیخ کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔

﴿اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵﴾ ''میں ڈرتا ہوں بڑے دن کے عذاب سے' اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔''

آیت ۱۶ ﴿قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ﴾ ''آپؐ (ان سے) کہیے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر سناتا اور نہ وہ تمہیں اس سے واقف کرتا''

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶﴾ ''میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اس سے پہلے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے!''

میں پچھلے چالیس برس سے تمہارے درمیان زندگی بسر کر رہا ہوں۔ تم مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ میں شاعر نہیں ہوں' تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کاہن یا جادوگر بھی نہیں ہوں' تمہیں یہ بھی علم ہے کہ مجھے ان چیزوں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی اور میں نے ان چیزوں کو سیکھنے کے لیے کبھی مشق یا ریاضت بھی نہیں کی۔ تم اس حقیقت کو بھی خوب سمجھتے ہو کہ کوئی شخص ایک دن میں کبھی شاعر یا کاہن نہیں بن جاتا۔ ان تمام حقائق کا علم رکھنے کے باوجود بھی تم مجھے ایسے الزامات دیتے ہو' تو کیا تم لوگ تعصب کی بنا پر عقل سے بالکل ہی عاری ہو گئے ہو؟

آیت ۱۷ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ﴾ ''تو اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کی یا جھٹلایا اُس کی آیات کو!''

یعنی یہ قرآن جو میں تم لوگوں کو سنا رہا ہوں' اگر یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور میں اسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کر رہا ہوں تو مجھ سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں' اور اگر یہ واقعتاً اللہ کی آیات ہیں تو تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اللہ کی آیات کو جھٹلا دے' اُس سے بڑھ کر ظالم اور گنہگار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اب اس معیارِ حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی سوچ اور اپنے عمل کا جائزہ لے اور دیکھے کہ وہ کون سی

روش اختیار کر رہا ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''یقیناً مجرم لوگ فلاح نہیں پایا کرتے۔''

آیت ۱۸ ﴿وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور یہ لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انہیں کوئی نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں' اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے ہاں۔''

اس سے مشرکینِ مکہ کا بنیادی عقیدہ ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ لوگ مانتے تھے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے۔ وہ اپنے بُتوں کو کائنات کا خالق و مالک نہیں بلکہ اللہ کے قرب کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ جن ہستیوں کے نام پر یہ بُت بنائے گئے ہیں وہ ہستیاں اللہ کے ہاں بہت مقرب اور محبوب ہونے کے باعث اس کے ہاں ہماری سفارش کریں گی۔

﴿قُلۡ اَتُنَبِّـــُٔوۡنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''آپؐ کہیے کہ کیا تم اللہ کو بتانا چاہتے ہو وہ شے جو وہ نہیں جانتا' نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں؟''

کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دینا چاہتے ہو جس کا اُس کو خود پتا نہیں؟ یہ وہی بات ہے جو آیۃ الکرسی کی تشریح کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے کہ ایسی کسی شفاعت کا آخر جواز کیا ہوگا؟ اللہ تو غائب اور حاضر سب کچھ جاننے والا ہے: ﴿يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ۚ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِشَىۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ﴾۔ تو پھر آخر کوئی سفارشی اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر کیا کہے گا؟ کس بنیاد پر وہ کسی کی سفارش کرے گا؟ کیا وہ یہ کہے گا کہ اے اللہ! تو اس آدمی کو ٹھیک سے نہیں جانتا' میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں' یہ بہت اچھا اور نیک آدمی ہے! تو کیا وہ اللہ کو وہ کچھ بتانا چاہے گا (معاذ اللہ) جس کو وہ خود نہیں جانتا؟

﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''وہ بہت پاک اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔''

آیت ۱۹ ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخۡتَلَفُوۡا ؕ﴾ ''اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی اُمت' پھر (بعد میں) انہوں نے اختلاف کیا۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے انسانوں کی نسل چلی ہے' چنانچہ جس طرح تمام انسان نسلاً ایک تھے اسی طرح نظریاتی طور پر بھی وہ سب ایک ہی اُمت تھے۔ بنی نوعِ انسان کے مابین تمام نظریاتی اختلافات بعد کی پیداوار ہیں۔

﴿وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ﴾ ''اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے سے طے نہ پا چکی ہوتی''

اللہ تعالیٰ نے ہر فرد اور ہر قوم کے لیے ایک اجل مقرر فرما دی ہے۔ اسی طرح پوری کائنات کی اجل بھی طے شدہ ہے۔ اگر یہ سب کچھ طے نہ ہو چکا ہوتا:

﴿لَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ فِیۡمَا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے مابین ان تمام چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔''

آیت ۲۰ ﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡهِ اٰیَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتاری گئی کوئی نشانی (معجزہ) اس (رسولؐ) پر اس کے رب کی طرف سے؟''

﴿فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَیۡبُ لِلّٰهِ فَانۡتَظِرُوۡا ۚ اِنِّیۡ مَعَکُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے' پس انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔''

اپنی اس ضد اور ہٹ دھرمی کے بعد انتظار کرو کہ مشیتِ ایزدی سے کب' کیا شے ظہور میں آتی ہے۔

آیات ۲۱ تا ۲۴

وَاِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً مِّنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُمۡ اِذَا لَهُمۡ مَّکۡرٌ فِیۡۤ اٰیَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَکۡرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا یَکۡتُبُوۡنَ مَا تَمۡکُرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِیۡ یُسَیِّرُکُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا کُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡکِ ۚ وَجَرَیۡنَ بِهِمۡ بِرِیۡحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِیۡطَ بِهِمۡ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۚ لَئِنۡ اَنۡجَیۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰىهُمۡ اِذَا هُمۡ یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡیُکُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۫ ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُکُمۡ فَنُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا یَاۡکُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّیَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

آیت ۲۱ ﴿وَاِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً مِّنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُمۡ اِذَا لَهُمۡ مَّکۡرٌ فِیۡۤ اٰیَاتِنَا ؕ﴾ ''اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں اُس تکلیف کے بعد جو ان پر آ گئی تھی تو فوراً ہی وہ ہماری آیات کے بارے میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔''

پہلی اُمتوں میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اہلِ مکّہ پر بھی چھوٹی چھوٹی تکالیف آتی رہی ہیں جیسے روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں شدید نوعیت کا قحط پڑ گیا تھا۔ ایسے حالات میں مشرکینِ مکّہ کچھ نرم پڑ جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے پاس آ کر بیٹھتے بھی تھے اور آپ ﷺ کی باتیں بھی سنتے

تھے۔ مگر جونہی تکلیف رفع ہو جاتی تو وہ پھر سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف سازشیں شروع کر دیتے۔

﴿قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ؀﴾ ''آپ کہیے کہ اللہ اپنی تدبیروں میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ یقیناً ہمارے فرشتے لکھ رہے ہیں جو کچھ بھی سازشیں تم لوگ کر رہے ہو۔''

آیت ۲۲ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ﴾ ''وہی ہے جو تمہیں سیر کراتا ہے خشکی اور سمندر میں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے مختلف قوانین طبعی کے تحت مختلف چیزوں کو سواریوں کے طور پر انسانوں کے لیے مسخّر کر دیا ہے۔

﴿حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا﴾ ''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو' اور وہ چل رہی ہوتی ہیں انہیں (سواروں کو) لے کر خوشگوار (موافق) ہوا کے ساتھ اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں''

﴿جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ﴾ ''کہ اچانک تیز ہوا کا جھکڑ چل پڑتا ہے اور ہر طرف سے موجیں اُن کی طرف بڑھنے لگتی ہیں اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ ان (لہروں) میں گھیر لیے گئے ہیں''

ہر طرف سے پہاڑ جیسی لہروں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ بس اب وہ لہروں میں گھر گئے ہیں اور اُن کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ؀﴾ ''(اُس وقت) وہ پکارتے ہیں اللہ کو' اس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے کہ (اے اللہ!) اگر تُو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم لازماً ہو جائیں گے بہت شکر کرنے والوں میں سے۔''

ایسے مشکل وقت میں انہیں صرف اللہ ہی یاد آتا ہے' کسی دیوی یا دیوتا کا خیال نہیں آتا۔ اس سلسلے میں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے بارے میں بہت اہم واقعہ تاریخ میں ملتا ہے کہ فتح مکّہ کے بعد وہ حجاز سے فرار ہو کر حبشہ جانے کے لیے بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار تھے کہ کشتی اچانک طوفان میں گھر گئی۔ کشتی میں تمام لوگ مشرکین تھے' لیکن اس مصیبت کی گھڑی میں کسی کو بھی لات' مَنات' عُزّیٰ اور ہُبل یاد نہ آئے اور انہوں نے مدد کے لیے پکارا تو اللہ کو پکارا۔ اسی لمحے عکرمہ کو اس حقیقت کے انکشاف نے چونکا دیا کہ یہی تو وہ پیغام ہے جو محمد (ﷺ) ہمیں دے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد یہی عکرمہ رضی اللہ عنہ اسلام کے زبردست مجاہد ثابت ہوئے' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں منکرینِ زکوٰۃ اور مرتدین کے خلاف جہاد میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

دراصل اللہ کی معرفت انسان کی فطرت کے اندر سمودی گئی ہے۔بعض اوقات باطل خیالات ونظریات کا ملمع اس معرفت کی قبولیت میں آڑے آجاتا ہے‘ لیکن جب یہ ملمع اترنے کا کوئی سبب پیدا ہوتا ہے تو اندر سے انسانی فطرت اپنی اصلی حالت میں نمایاں ہوجاتی ہے جو حق کو پہچاننے میں لمحہ بھر کو دیر نہیں کرتی۔

آیت ۲۳ ﴿فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ﴾ ’’پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو فوراً ہی بغاوت کرنے لگتے ہیں زمین میں ناحق۔‘‘

جونہی خطرے کی گھڑی ٹل جاتی ہے تو پھر انہیں دیویاں‘ دیوتا یاد آجاتے ہیں اور پھر سے اللہ سے سرکشی شروع ہوجاتی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۳﴾ ’’اے لوگو! تمہاری اس بغاوت کا وبال تمہاری اپنی ہی جانوں پر آئے گا‘ یہ دنیا کی زندگی کا سازوسامان ہے (اسے برت لو)‘ پھر ہماری ہی طرف تم سب کو لوٹنا ہے‘ پھر ہم تم کو بتلادیں گے جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔‘‘

آیت ۲۴ ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ﴾ ’’اس دنیا کی زندگی کی مثال تو ایسے ہے جیسے پانی‘ جو ہم برساتے ہیں آسمان سے‘ پھر اس کے ساتھ نکل آتا ہے زمین کا سبزہ‘ جس میں سے کھاتے ہیں انسان بھی اور چوپائے بھی۔‘‘

پانی کے بغیر زمین بنجر اور مُردہ ہوتی ہے‘ اس میں گھاس‘ ہریالی وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جونہی بارش ہوتی ہے اس میں سے طرح طرح کا سبزہ نکل آتا ہے‘ فصلیں لہلہانے لگتی ہیں‘ باغات ہرے بھرے ہوجاتے ہیں۔

﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ﴾ ’’یہاں تک کہ جب زمین اچھی طرح اپنا سنگھار کر لیتی ہے اور خوب مزیّن ہوجاتی ہے‘‘

یہاں پر بہت خوبصورت الفاظ میں زمین کی شادابی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ چھوٹے بڑے نباتات کی نمائش‘ سبز پوش خوبصورتی کی بہار اور رنگارنگ پھولوں کی زیبائش کے ساتھ جب زمین پوری طرح اپنا بناؤ سنگھار کر لیتی ہے‘ فصلیں اپنے جوبن پر آجاتی ہیں اور باغات پھلوں سے لد جاتے ہیں:

﴿وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ﴾ ’’اور اس کے مالک سمجھتے ہیں کہ اب ہم اس پر قادر ہیں‘‘

زمین والے لہلہاتی فصلوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس اب چند دن کی بات ہے‘ ہم اپنی فصلوں کی کٹائی کریں گے‘ پھلوں کو پیڑوں سے اتاریں گے اور ہماری زمین کی یہ پیداوار ہماری خوشحالی کا ذریعہ بنے گی۔ مگر ہوتا کیا ہے:

﴿اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ﴾ ’’تو اچانک ہمارا ایک حکم آتا ہے اس (کھیت یا باغ) پر رات کے وقت یا دن کے وقت اور ہم اسے کر دیتے ہیں کٹا ہوا جیسے کہ

کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔"

اللہ کے حکم سے ایسی آفت آئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ساری فصل تباہ ہوگئی' باغ اُجڑ گیا' ساری محنت اَکارت گئی' تمام سرمایہ ڈوب گیا۔ دنیا کی بے ثباتی کی اس مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ یہی معاملہ انسان کا ہے۔ انسان اس دنیا میں دن رات محنت ومشقت اور بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ اگر انسان کی یہ ساری محنت اور تگ ودَو اللہ کی مرضی کے دائرے میں نہیں ہے' اس سے شریعت کے تقاضے پورے نہیں ہو رہے ہیں تو یہ سب کچھ اسی دنیا کی حد تک ہی ہے' آخرت میں ان میں سے کچھ بھی اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ موت کے بعد جب اس کی آنکھ کھلے گی تو وہ دیکھے گا کہ اس کی زندگی بھر کی ساری محنت اکارت چلی گئی: ع "جب آنکھ کھلی گُل کی تو موسم تھا خزاں کا!"

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾﴾ "اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔"

آیات ۲۵ تا ۳۰

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا
الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ
وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ
اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع ۸

آیت ۲۵ ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٥﴾﴾ "اور اللہ بلا رہا ہے تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف' اور وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔"

آیت ۲۶ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ﴾ "جو لوگ احسان کی روش اختیار کریں گے' ان کے لیے حسنیٰ (بھلائی) ہے اور مزید بھی۔"

انہیں نیکی کا بدلہ بھی بہت اچھا ملے گا اور مزید برآں انہیں انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔

﴿وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ﴾ "اور نہیں مسلّط ہوگی ان کے چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت۔"

﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶ ﴾ ''یہی ہوں گے جنت والے' اور رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۲۷ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ ﴾ ''اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو (ان کے لیے) بدلہ ہوگا برائی کا ویسا ہی''

یعنی جیسی ان کی برائی ہوگی ویسا ہی اس کا بدلہ ہوگا' اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

﴿ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ ﴾ ''اور ان پر ذلت چھا جائے گی۔ نہیں ہوگا انہیں اللہ (کی پکڑ) سے کوئی بھی بچانے والا۔''

﴿ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ ﴾ ''گویا ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے اُڑھا دیے گئے ہوں۔''

﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷ ﴾ ''یہی لوگ ہوں گے جہنمی' یہ رہیں گے اسی میں ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۲۸ ﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ ﴾ ''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے' پھر ہم کہیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا تھا کہ کھڑے رہو اپنی جگہ پر تم بھی اور تمہارے شریک بھی۔''

یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لات' منات' عزّیٰ وغیرہ کی بات نہیں ہو رہی جن کے بارے میں کسی کو پتا نہیں کہ ان کی اصل کیا تھی' بلکہ یہ اولیاء اللہ' نیک اور برگزیدہ بندوں کی بات ہو رہی ہے جن کے ناموں پر مُورتیاں اور بُت بنا کر ان کی پوجا کی گئی ہوگی۔ جیسے قومِ نوحؑ نے ودّ' سواع اور یغوث وغیرہ اولیاء اللہ کی پُوجا کے لیے ان کے بُت بنا رکھے تھے (اس بارے میں تفصیل سورۃ نوح میں آئے گی)۔ ہمارے ہاں صرف یہ فرق ہے کہ بُت نہیں بنائے جاتے' قبریں پوجی جاتی ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے خطاب کی ایک جھلک ہم سورۃ المائدۃ کے آخری رکوع میں دیکھ آئے ہیں۔ اس لیے یہاں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ایسے بلند مرتبہ لوگوں کو اس طرح کا حکم کیونکر دیا جائے گا کہ ٹھہرے رہو اپنی جگہ پر تم بھی اور تمہارے شریک بھی! بہر حال اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے' جبکہ ایک بندہ تو بندہ ہی ہے' چاہے جتنی بھی ترقی کر لے: اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ ۔ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی!

﴿ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲۸ ﴾ ''تو ہم ان کے درمیان رشتے منقطع کر دیں گے اور کہیں گے ان کے شریک (ان سے) کہ تم ہم کو تو نہیں پوجا کرتے تھے۔''

وہ نیک لوگ جنہیں اللہ کا شریک بنایا گیا وہ اس شرک سے بری ہیں' کیونکہ انہوں نے تو اپنی زندگیاں اللہ کی اطاعت میں گزاری تھیں۔ جیسے البقرۃ: ۱۳۴ میں بہت واضح انداز میں فرمایا گیا ہے: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ﴾ ’’وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی‘ ان کے لیے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے ہے جو تم نے کمایا‘‘۔ اگر کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کو پکارتا ہے یا کسی مزار پر جا کر مشرکانہ حرکتیں کرتا ہے تو اس کا وبال صاحبِ مزار پر قطعاً نہیں ہوگا۔ ان پر تو اُلٹا ظلم ہو رہا ہے کہ انہیں اللہ کے ساتھ شرک میں ملوث کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اللہ کے وہ نیک بندے اللہ کے ہاں ان شرک کرنے والوں کے خلاف استغاثہ کریں گے‘ کہ وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر انہیں پکارتے تھے اور ان کے ناموں کی دہائیاں دیتے تھے۔ وہ ان شرک کرنے والوں سے کہیں گے:

آیت ۲۹ ﴿فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ’’پس اللہ کافی ہے (بطور) گواہ ہمارے اور تمہارے مابین‘ ہم تو تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے‘‘۔

یعنی اگر تم ہماری پوجا کرتے بھی رہے ہو تو ہمیں بالکل اس کی خبر نہیں‘ ہم پر اس کا کچھ الزام نہیں۔ ہم تمہارے اس گھناؤنے فعل سے بالکل بری ہیں۔

آیت ۳۰ ﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ’’اُس وقت ہر جان کو پتا چل جائے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا تھا‘ اور وہ لوٹا دیے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا برحق مولیٰ ہے‘ اور گم ہو جائے گا ان سے وہ سب کچھ جو وہ افترا کرتے تھے‘‘۔

یعنی اس دن جب شفاعت کی امیدوں کے سارے سہارے ہوا ہو جائیں گے تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں گے۔ تب انہیں معلوم ہوگا کہ ؏ ’’خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا‘ جو سنا افسانہ تھا!‘‘

آیات ۳۱ تا ۳۹

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾
كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ
مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ
مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ
اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ
اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا
كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا
مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا
يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

آیت ۳۱ ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) پوچھئے کہ کون ہے جو تمہیں رزق پہنچاتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں؟''

﴿وَمَنْ يُّخْرِجُ الْـحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْـحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ﴾ ''اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے' اور کون ہے تدبیرِ اَمر کرنے والا؟''

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ﴾ ''تو وہ کہیں گے اللہ!''

مشرکین مکہ اللہ کو ان تمام صفات کے ساتھ مانتے تھے اور اس بارے میں ان کے ذہنوں میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نہ صرف اس کائنات کا خالق ہے بلکہ اس کا نظام بھی وہی چلا رہا ہے۔

﴿فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝﴾ ''تو آپؐ فرمایئے کہ کیا پھر تم (اُس اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟''

جب تم لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق' مالک اور رازق مانتے ہو' جب تم مانتے ہو کہ کائنات کا یہ سارا نظام اللہ ہی اپنے حسن تدبیر سے چلا رہا ہے تو پھر اس کے بعد تمہارے ان مشرکانہ نظریات اور دیوی دیوتاؤں کی اس پُوجا پاٹ کا کیا جواز ہے؟ کیا تمہیں کچھ بھی خوفِ خدا نہیں ہے؟

آیت ۳۲ ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝﴾ ''تو وہی ہے اللہ تمہارا ربّ برحق۔ تو حق کے بعد کیا رہ جاتا ہے سوائے گمراہی کے؟ تو کہاں سے تم پھیرے جارہے ہو؟''

یہی حق ہے جس کو تم اپنی فطرت کی نظر سے پہچان چکے ہو۔ اب اسی کو مضبوطی سے تھام لو اور پھر سے گمراہی میں مبتلا ہونے سے بچ جاؤ۔ یعنی تمہاری فطرت کے اندر حق کی پہچان موجود ہے۔ اس کی گواہی خود تمہاری اپنی زبانیں دے رہی ہیں۔ تم اللہ کو اپنا اور اس کائنات کا خالق و مالک مانتے ہو' زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو۔ تو یہاں تک پہنچ کر پھر کیوں گمراہی میں اوندھے منہ گر جاتے ہو۔ تمہاری عقل کہاں الٹ جاتی ہے؟

آیت ۳۳ ﴿كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَي الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ''اسی طرح تیرے رب کی بات سچ ثابت ہوئی نافرمان لوگوں پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

آیت ۳۴ ﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ﴾ ''ان سے پوچھئے کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو تخلیق کرتا ہو پہلی مرتبہ اور پھر اسے دوبارہ بھی بنائے؟''

﴿قُلِ اللّٰہُ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''آپؐ کہیے صرف اللہ ہی ہے جو پہلی مرتبہ بھی پیدا کرتا ہے' پھر وہ اسے دوبارہ بھی بنائے گا' تو تم کہاں سے پلٹائے جا رہے ہو؟''

پھر تم یہ کس اُلٹی راہ پر چلائے جا رہے ہو؟ تم کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو؟

آیت ۳۵ ﴿قُلۡ ہَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ ؕ﴾ ''ان سے پوچھئے کہ ہے کوئی تمہارے شریکوں میں سے جو حق کی طرف راہنمائی کر سکے؟''

﴿قُلِ اللّٰہُ یَہۡدِیۡ لِلۡحَقِّ ؕ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اللہ ہی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔''

﴿اَفَمَنۡ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الۡحَقِّ اَحَقُّ اَنۡ یُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا یَہِدِّیۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ یُّہۡدٰی ۚ﴾ ''تو کیا جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہدایت نہیں پا سکتا' اِلّا یہ کہ اس کی راہنمائی کی جائے؟''

تمام مخلوق کو ہدایت دینے والا اللہ ہے۔ چنانچہ ہدایت و راہنمائی کے لیے سب اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔ خود نبی مکرم ﷺ بھی اللہ ہی سے یہ دعا مانگتے تھے: ﴿اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴾ تو بھلا وہ جو ہدایت دیتا ہے اس کی بات مانی جانی چاہیے یا اُن کی جو خود ہدایت کے محتاج ہوں؟

﴿فَمَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''تو تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم کیسے فیصلے کرتے ہو!''

آیت ۳۶ ﴿وَمَا یَتَّبِعُ اَکۡثَرُہُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور نہیں پیروی کر رہے ان میں سے اکثر مگر گمان کی' اور یہ گمان کسی بھی درجے میں (انسان کو) حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۳۷ ﴿وَمَا کَانَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ اَنۡ یُّفۡتَرٰی مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ ''اور یہ قرآن ایسی شے نہیں ہے جس کو اللہ کے سوا (کہیں اور) گھڑ لیا گیا ہو'

یہ قرآن کسی انسان کے ہاتھوں تصنیف کی جانے والی کتاب نہیں ہے۔

﴿وَلٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَتَفۡصِیۡلَ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۷﴾﴾

''بلکہ یہ تو تصدیق (کرتے ہوئے آیا) ہے اُس کی جو اس کے سامنے ہے اور (اس میں تمام) شریعت کی تفصیل ہے' اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔''

آیت ۳۸ ﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ﴾ ''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو پیغمبرؐ نے خود گھڑ لیا ہے؟''

یہ لوگ اس قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ محمد (ﷺ) کی اپنی تصنیف ہے۔ انہوں نے خود یہ کلام موزوں کر لیا ہے۔

﴿قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّثۡلِہٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''آپؐ

(ان سے) کہیے کہ لے آؤ تم بھی ایک سورت اس جیسی اور (اس کے لیے) بلا لو جس کو بلا سکتے ہو اللہ کے سوا' اگر تم سچے ہو۔''

یہ چیلنج سورۃ البقرۃ میں بھی ہے جو کہ مدنی ہے' جبکہ مکی سورتوں میں تو اسے متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ سورۂ ہُود میں اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آنے کا چیلنج دیا گیا ہے اور یہاں اس سورت میں یہ چیلنج گویا بر سبیلِ تنزّل آخری درجہ میں پیش کیا گیا ہے کہ چلو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو۔

آیت ۳۹ ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ﴾ ''(نہیں) بلکہ انہوں نے تکذیب کی ہے اس چیز کی جس کے علم کا یہ احاطہ نہیں کر سکے اور ابھی نہیں آئی ان کے پاس اس کی تاویل۔''

یعنی یہ لوگ قرآن کے علوم کا ادراک اور اس کے پیغام کا شعور حاصل نہیں کر سکے۔ اس کے علاوہ عذاب کے بارے میں ان کو دی گئی دھمکیوں کا مصداقِ خارجی بھی ابھی ان پر ظاہر نہیں ہوا' اس لیے وہ اس سب کچھ کو محض ڈراوا اور جھوٹ سمجھ رہے ہیں۔ قرآن میں ان لوگوں کو بار بار دھمکیاں دی گئی تھیں کہ اللہ کا انکار کرو گے تو اُس کی پکڑ میں آ جاؤ گے' اُس کی طرف سے بہت سخت عذاب تم پر آئے گا۔ یہ عذابِ موعود چونکہ ابھی ظاہری طور پر اُن پر نہیں آیا' اسی لیے وہ قرآن کو بھی جھٹلا رہے ہیں۔

﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹﴾ ''اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے' تو دیکھو کیسا انجام ہوا ظالموں کا!''

آیات ۴۰ تا ۵۲

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۴۰ وَاِنْ ع
كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا
تَعْمَلُوْنَ ۝۴۱ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً
مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵
وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا
يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ۝۴۷ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۸ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا
وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ
مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ
لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

آیت ۴۰ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''ان میں وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور وہ بھی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے' اور آپؐ کا رب ان مُفسدوں سے خُوب واقف ہے۔''

آیت ۴۱ ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلا دیں تو آپؐ کہیے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل۔''

﴿اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''تم بری ہو میرے عمل کی ذمہ داری سے اور میں بری ہوں تمہارے اعمال کی ذمہ داری سے۔''

نہ میرے عمل کی کوئی ذمہ داری تم لوگوں پر ہے اور نہ تمہارے کیے کا میں ذمہ دار ہوں۔

آیت ۴۲ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ﴾ ''اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بڑی توجہ سے سنتے ہیں آپؐ (کی باتوں) کو۔''

﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''تو کیا آپؐ بہروں کو سنا سکتے ہیں چاہے وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں!''

یہ لوگ تو پہلے سے ہی نہ سننے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں' اس لیے ان کے کان حق کی طرف سے بہرے ہو چکے ہیں۔ ان کا آپؐ کی باتوں کو سننا صرف دکھاوے کا سننا ہے تا کہ دوسرے لوگوں کو بتا سکیں کہ ہاں جی ہم تو محمد (ﷺ) کی محفل میں بھی جاتے ہیں' ساری باتیں بھی سنتے ہیں مگر ان میں ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں جسے مانا جائے۔

آیت ۴۳ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ﴾ ''اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپؐ کو دیکھتے ہیں۔''

﴿اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''تو کیا آپؐ اندھوں کو ہدایت دیں گے خواہ وہ دیکھتے نہ ہوں!''

چنانچہ جب ان لوگوں کی نیت ہی ہدایت حاصل کرنے کی نہیں ہے' جب ان کے دل ہی اندھے ہو چکے ہیں تو آپؐ کی مجلس میں آنا اور آپؐ کی صحبت میں بیٹھنا' اُن کے لیے ہرگز مفید نہیں ہو سکتا۔

آیت ۴۴ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ انسانوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا' بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔''

آیت ۴۵ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''اور جس دن وہ انہیں جمع کرے گا (تو وہ محسوس کریں گے) جیسے نہیں رہے وہ مگر دن کی ایک گھڑی' وہ ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔''

انہیں دنیا اور عالمِ برزخ میں گزرا ہوا وقت ایسے محسوس ہوگا جیسے کہ وہ ایک دن کا کچھ حصہ تھا۔

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵﴾ ''وہ لوگ بڑے خسارے کا شکار ہوئے جنہوں نے جھٹلا دیا اللہ کی ملاقات کو اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے۔''

آگے عذاب کی اُس دھمکی کا ذکر آ رہا ہے جس کے بارے میں آیت ۳۹ میں فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ﴾ کہ اس کی تاویل ابھی اُن کے پاس نہیں آئی۔

آیت ۴۶ ﴿وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ ''اور اگر ہم دکھا دیں آپؐ کو اس میں سے کچھ (عذاب) جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں یا (اس سے پہلے ہی) ہم آپؐ کو وفات دے دیں''

﴿فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶﴾ ''پس انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' پھر اللہ گواہ ہے اُس پر جو وہ کر رہے ہیں۔''

یعنی آخری محاسبہ تو ان کا قیامت کے دن ہونا ہی ہے' مگر ہو سکتا ہے کہ یہاں دنیا میں بھی سزا کا کچھ حصہ ان کے لیے مختص کر دیا جائے۔ جیسا کہ بعد میں مشرکینِ مکہ پر عذاب آیا۔ ان پر آنے والے اس عذاب کا انداز پہلی قوموں کے عذاب سے مختلف تھا۔ اس عذاب کی پہلی قسط جنگِ بدر میں ان کے ستر سرداروں کے قتل اور ذلت آمیز شکست کی صورت میں سامنے آئی' جبکہ دوسری اور آخری قسط ۹ ہجری میں وارد ہوئی جب انہیں الٹی میٹم دے دیا گیا: ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ......﴾ (التوبۃ: ۲) کہ اب تمہارے لیے صرف چند ماہ کی مہلت ہے' اس میں ایمان لے آؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اہلِ مکہ کے ساتھ عذاب کا معاملہ پہلی قوموں کے مقابلے میں شاید اس لیے بھی مختلف رہا کہ پہلی قوموں کی نسبت ان کے ہاں ایمان لانے والوں کی تعداد کافی بہتر رہی۔ مثلاً اگر حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ سے ۸۰ لوگ ایمان لائے (میری رائے میں وہ لوگ ۸۰ بھی نہیں تھے) تو یہاں مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ سال کی محنت کے نتیجے میں اہل ایمان کی تعداد اس سے دوگنا تھی اور ان میں حضرت ابوبکر' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عثمان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم جیسے بڑے بڑے لوگ بھی شامل تھے۔

آیت ۴۷ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ﴾ ''اور ہر اُمت کے لیے ایک رسولؑ (بھیجا گیا) ہے۔''

﴿فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۴۷﴾ ''پھر جب آیا ان کا رسولؑ تو ان کے مابین عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا۔''

اس کی وضاحت کے لیے حضرت نُوح' حضرت ہُود' حضرت صالح' حضرت شعیب' حضرت لُوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی قوموں کے معاملات کو ذہن میں رکھیے۔

آیت ۴۸ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۴۸﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ کب یہ (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟''

آیت ۴۹ ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو خود اپنی جان کے لیے بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا' نہ کسی ضرر کا نہ نفع کا' سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔''

﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ﴾ ''ہر اُمّت کے لیے ایک وقت معیّن ہے۔''

جیسے ہر اُمّت کے لیے ایک رسولؑ ہے' اسی طرح ہر اُمّت کے لیے اس کی اجل (مہلت کی مدت) بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ اللہ کی مشیّت اور حکمت کے مطابق ان کے لیے مقرر کردہ وقت بہر حال پورا ہو کر رہتا ہے۔

﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۝۴۹﴾ ''جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ تو وہ اس کو ایک گھڑی مؤخر کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پہلے لا سکتے ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ۝۵۰﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے کیا تم نے غور کیا کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب (ناگہاں) آ دھمکے رات کو یا دن کے وقت' تو وہ کیا شے ہے جس کے بل پر یہ مجرم جلدی مچا رہے ہیں؟''

یعنی یہ جو تم سینہ تان کر کہتے ہو کہ لے آؤ عذاب! اور پھر کہتے ہو کہ آ کیوں نہیں جاتا ہم پر عذاب! اور پھر استہزائیہ انداز میں استفسار کرتے ہو کہ یہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہونے جا رہا ہے؟ تو کبھی تم لوگوں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے کہ اگر وہ عذاب کسی وقت اچانک تم پر آ ہی گیا' رات کی کسی گھڑی میں یا دن کے کسی لمحے میں' تو اس سے حفاظت کے لیے تم نے کیا بندوبست کر رکھا ہے؟ آخر تم لوگ کس بل بوتے پر عذاب کو للکار رہے ہو؟ کس چیز کے بھروسے پر تم اس طرح جسارتیں کر رہے ہو؟

آیت ۵۱ ﴿اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝۵۱﴾ ''پھر کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو جائے گا تب تم لوگ اس پر ایمان لاؤ گے؟ (اُس وقت کہا جائے گا) کیا اب (ایمان لا رہے ہو)؟ اور اسی کی تو تم جلدی مچا رہے تھے۔''

عذاب جب واقعتاً ظاہر ہو جائے گا تو اس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

آیت ۵۲ ﴿ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۝۵۲﴾ ''پھر کہا جائے گا ان ظالموں سے کہ اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں بدلہ نہیں دیا جا رہا ہے مگر تمہارے اپنے ہی کرتوتوں کا۔''

آیات ۵۳ تا ۶۰

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ ع ۵ ۱۳ ۱۰
نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ
بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ
جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۵ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ
بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾
وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶ ۷ ۱۱

آیت ۵۳ ﴿وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ﴾ ''اور (اے نبیﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ واقعی حق ہے؟''

جیسے قرآن بار بار اپنے مخالفین سے متجسسانہ انداز میں سوال (searching questions) کرتا ہے، اسی طرح مشرکین بھی حضورﷺ سے searching انداز میں سوال کرتے تھے۔ یہاں ان کا یہ سوال نقل کیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں کیا واقعی یہ سچ ہے؟ کیا آپ کو خود بھی اس کا پورا پورا یقین ہے؟

﴿قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً وہ حق ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔''

ان الفاظ میں بہت زیادہ تاکید اور شدت ہے۔

آیت ۵۴ ﴿وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ﴾ ''اور اگر کسی گنہگار جان کے پاس زمین کی ساری دولت بھی ہو تو وہ اسے اس (عذاب) کے بدلے میں دے ڈالے۔''

﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ﴾ ''اور وہ اپنی ندامت کو چھپائیں گے جب وہ دیکھیں گے عذاب کو۔''

﴿وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔''

آیت ۵۵ ﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمین

میں وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔"

﴿اَلَآ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۵۵﴾ "آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔"

آیت ۵۶ ﴿هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝۵۶﴾ "وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔"

اگلی دو آیات عظمتِ قرآن کے ضمن میں ایک بیش بہا خزانہ اور افادیت کے اعتبار سے نہایت جامع آیات ہیں۔

آیت ۵۷ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ ۙ﴾ "اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے اَمراض) کی شفا"

﴿وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۵۷﴾ "اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور (بہت بڑی) رحمت۔"

اس آیت کے الفاظ کی ترتیب (موعظہ' شفا' ہدایت اور رحمت) بہت پُرحکمت ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۴ میں انسان کے دل کی سختی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ......﴾۔ دراصل دل کی سختی ہی وہ بنیادی مرض ہے جس کے باعث اعلیٰ سے اعلیٰ کلام بھی کسی انسان پر بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ ع "مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر"۔ چنانچہ قبولِ ہدایت کے لیے سب سے پہلے دلوں کی سختی کو دور کرنا ضروری ہے۔ جیسے بارش سے فائدہ اٹھانے کے لیے زمین کو نرم کرنا پڑتا ہے' سخت زمین بارش سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتی' بارش کا پانی اوپر ہی اوپر سے بہہ جاتا ہے' اس کے اندر جذب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر انسان کا معدہ ہی خراب ہو تو کوئی دوسری دوائی اپنا اثر نہیں دکھاتی۔ لہٰذا انسان کی کسی بھی بیماری کے علاج کے لیے پہلے اُس کے معدے کو درست کرنا ضروری ہے۔

دلوں کی سختی کو دور کرنے کے لیے مؤثر ترین نسخہ وعظ و نصیحت (موعظہ) ہے۔ جب وعظ اور نصیحت سے دلوں میں گداز پیدا ہو گا تو پھر قرآن ان پر دوائی کی مانند اثر کر کے تکبر' حسد' بغض' حُبِّ دُنیا وغیرہ تمام امراض کو دور کر دے گا۔ حُبِّ دنیا میں دولت' اولاد' بیوی' شہرت وغیرہ کی تمام محبتیں شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۴: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَـنِيۡنَ وَالۡقَنَاطِيۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَيۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَـرۡثِ ؕ﴾۔ آیت زیر مطالعہ میں الفاظ کی ترتیب پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک انسان کے حق میں قرآن سب سے پہلے وعظ اور نصیحت ہے' پھر تمام امراض قلب کے لیے شفا اور پھر ہدایت۔ کیونکہ جب دل سے بیماری نکل جائے گی' دل شفایاب ہو گا تب ہی انسان قرآن کی ہدایت اور راہنمائی کو عملاً اختیار کرے گا' اور جب انسان یہ سارے مراحل طے کر کے قرآن کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے گا تو پھر اس کو انعامِ خاص سے نوازا جائے گا اور وہ ہے اللہ کی خصوصی رحمت۔ کیونکہ یہ قرآن ربِّ رحمان کی رحمانیت کا مظہرِ اَتم ہے: ﴿اَلرَّحۡمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۝۲﴾۔

آیت ۵۸ ﴿قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ﴾ "(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے"

یہ قرآن اللہ کے فضل اور رحمت کا مظہر اور بنی نوع انسان پر اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ یہ سب سے بڑی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو عطا کی ہے۔

﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ﴾ ''تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں!''

''فرح'' کے معنی ہیں خوشی سے پھولے نہ سمانا' یعنی خوشی کے جذبے میں حد سے بڑھ جانا' اس لحاظ سے یہ جذبہ شریعتِ اسلامی میں قابلِ مذمت ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ قرآن میں زیادہ تر منفی مفہوم میں آیا ہے — جیسے سورۃ القصص میں قارون کے ذکر میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝﴾ — لیکن یہاں پر تو اعلانِ عام ہو رہا ہے کہ اگر ''فرح'' کرنا ہی ہے تو دولتِ قرآن پر کرو! اگر تمہیں اِترانا ہی ہے تو نعمتِ قرآن پر اتراؤ! اور اگر جشن ہی منانا ہے تو جشنِ قرآن مناؤ! ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾

﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸﴾ ''وہ کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

یہ مال و دولتِ دنیا' یہ سامانِ آرائش و زیبائش' یہ اشیائے آسائش' یہ رنگا رنگ نعمتیں' غرض اس دنیا میں انسان اپنے لیے جو کچھ بھی اکٹھا کرتا ہے' اس سب کچھ سے کہیں بہتر قرآن کی دولت ہے۔

ان دو آیات میں قرآن کی اہمیت وعظمت کے بیان میں جو تاکید اور جلال ہے اس کی قدردانی کا تقاضا ہے کہ تمام مسلمان اس تصور کو حرزِ جان بنالیں' ان آیات کو زبانی یاد کریں' الفاظ کی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سے استفادہ کی کوشش کریں اور قرآن کی تعلیم وتفہیم کے ذریعے سے دل کو نرم اور گداز کرنے کا سامان کریں' تاکہ اس کے اثرات دل کے اندر جذب ہو کر اپنا رنگ جمائیں (ع چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود)۔ اور اس طرح قرآن کے ذریعے اپنی دنیائے دل و جان میں انقلاب برپا کریں' تاکہ یہ ان کے لیے شفا' ہدایت اور رحمت بن جائے۔ آمین!

آیت ۵۹ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ﴾ ''ان سے کہیے کہ تم نے کبھی غور کیا کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا ہے تم نے اس میں سے (از خود) کسی کو حرام قرار دے دیا اور کسی کو حلال!''

﴿قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹﴾ ''ان سے پوچھئے کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو؟''

سورۃ الانعام میں ان چیزوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے جنہیں وہ لوگ از خود حرام یا حلال قرار دے لیتے تھے۔ سورۃ المائدۃ میں بھی ان کی خود ساختہ شریعت کا ذکر ہے۔

آیت ۶۰ ﴿وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اور جو لوگ اللہ سے جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں' قیامت کے دن کے بارے میں ان کا کیا گمان ہے؟''

وہ کیا خیال رکھتے ہیں کہ اُس دن اِس جرم کے بدلے میں ان کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰﴾ ''یقیناً اللہ تو انسانوں کے حق میں بہت فضل والا ہے' لیکن ان کی اکثریت شکرگزار نہیں ہے۔''

آیات ۶۱ تا ۷۰

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ
شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي
السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ
الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ
وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ
نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع

آیت ۶۱ ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) نہیں ہوتے آپ کسی بھی کیفیت میں اور نہیں پڑھ رہے ہوتے آپ قرآن میں سے کچھ اور (اے مسلمانو!) تم نہیں کر رہے ہوتے کوئی بھی (اچھا) عمل''

﴿اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ﴾ ''مگر یہ کہ ہم تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔''

اس اندازِ تخاطب میں ایک خاص کیف ہے۔ پہلے واحد کے صیغے میں حضور اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور آپ ﷺ کو خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ آپ جس کیفیت میں بھی ہوں' قرآن پڑھ رہے ہوں یا پڑھ کر سنا رہے ہوں' ہم بذاتِ خود آپؐ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں' آپؐ کی آواز سن رہے ہوتے ہیں۔ پھر اسی خوشخبری کو جمع کے صیغے میں تمام مسلمانوں کے لیے عام کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ جو بھی بھلائی کماتے ہو' قربانیاں دیتے ہو' ایثار کرتے ہو' ہم خود اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ہم تمہارے ایک ایک عمل کے گواہ اور قدردان ہیں۔ ہمارے ہاں اپنے بندوں کے بارے میں تغافل یا ناقدری نہیں ہے۔

﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴿۶۱﴾﴾ ''اور نہیں غائب ہوتی آپؐ کے رب سے زمین میں ایک ذرّہ کے برابر بھی کوئی شے اور نہ آسمانوں میں' اور نہ ہی اس سے کم تر کوئی شے اور نہ بڑی' مگر یہ کہ وہ ایک روشن کتاب میں درج ہے۔''

کوئی ذرہ برابر چیز یا اس سے چھوٹی یا بڑی آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں ہے جو کبھی ربّ ذوالجلال کی نظر سے پوشیدہ ہوگئی ہو اور وہ ایک روشن کتاب میں درج نہ ہو۔ یہ روشن کتاب اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے۔

آیت ۶۲ ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۶۲﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟ یہ کوئی علیحدہ نوع (Species) نہیں ہے' اور نہ ہی اس کے لیے کوئی خاص لباس زیب تن کرنے یا کوئی مخصوص حلیہ بنانے کی ضرورت ہے' بلکہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمانِ حقیقی سے بہرہ مند ہوں' ان کے دلوں میں یقین پیدا ہو چکا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے درجہ ''احسان'' پر فائز ہو چکے ہوں' جس کا ذکر ''حدیث جبریل'' میں ہوا ہے: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ))(۱) اللہ تعالیٰ اپنے ان خاص بندوں کی جس طرح پذیرائی فرماتا ہے اس کا ایک انداز سورۃ البقرۃ' آیت ۲۵۷ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ ''اللہ ولی ہے اہلِ ایمان کا' انہیں نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی کی جانب''۔ آیت زیر نظر میں بھی انہیں خوشخبری سنائی گئی ہے کہ ایسے لوگ خوف اور حُزن سے بالکل بے نیاز ہوں گے۔ بہر حال اس سلسلے میں ایک بہت اہم نکتہ لائق توجہ ہے کہ جو اللہ کا دوست ہوگا اس کے اندر اللہ کی غیرت و حمیت بھی ہوگی۔ وہ اللہ کے دین کو پامال ہوتے دیکھ کر تڑپ اٹھے گا۔ وہ اللہ کے شعائر کی بے حرمتی کو کبھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر دے گا۔ گویا دُنیوی زندگی میں یہ معیار اور طرزِ عمل اولیاء اللہ کی پہچان ہے۔ اگلی آیت میں مزید وضاحت فرما دی گئی کہ یہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں:

آیت ۶۳ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴿۶۳﴾﴾ ''وہ لوگ جو صاحبِ ایمان ہوں اور تقویٰ کی روش اختیار کریں۔''

اور یہ تقویٰ کس طرح اہل ایمان کو درجہ بدرجہ بلند سے بلند کرتا چلا جاتا ہے اس کی تفصیل ہم سورۃ المائدۃ کی اس آیت کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۹۳﴾﴾

آیت ۶۴ ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ﴾ ''اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارتیں ہیں اور آخرت میں بھی۔''

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الایمان والاسلام والاحسان۔

ان بشارتوں کے بارے میں ہم سورۃ التوبہ کی آیت ۵۲ میں پڑھ چکے ہیں: ﴿هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ﴾ یعنی ہمارے لیے تو دو اچھائیوں کے سوا کسی تیسری چیز کا تصور ہی نہیں ہے‘ ہمارے لیے تو بشارت ہی بشارت ہے۔ اور اگر بالفرض دنیا میں کوئی تکلیف آ بھی جائے تو بھی کوئی غم نہیں‘ کیونکہ ہمارے اوپر جو بھی تکلیف آتی ہے وہ ہمارے رب ہی کی طرف سے آتی ہے۔ جیسے سورۃ التوبہ آیت ۵۱ میں فرمایا گیا: ﴿قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَـنَا‌ ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا‌ ۚ﴾ چنانچہ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ وہ ہمارا دوست ہے‘ اور دوست کی طرف سے اگر کوئی تکلیف بھی آ جائے تو سر آنکھوں پر۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس تکلیف میں بھی ہمارے لیے خیر اور بھلائی ہی ہوگی۔

﴿لَا تَبۡدِيۡلَ لِـكَلِمٰتِ اللّٰهِ‌ ؕ ذٰ لِكَ هُوَ الۡـفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ؕ‏ ﴿۶۴﴾﴾ ”اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی تو ہے بہت بڑی کامیابی۔“

آیت ۶۵ ﴿وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ‌ ۘ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔“

﴿اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا‌ ؕ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ‏ ﴿۶۵﴾﴾ ”عزت کُل کی کُل اللہ کے اختیار میں ہے‘ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

آیت ۶۶ ﴿اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! اللہ ہی کے (مملوک) ہیں جو کوئی بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں۔“

﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ‌ ؕ﴾ ”اور یہ لوگ جو اللہ کے علاوہ (اُس کے) شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ کسی چیز کا اتباع نہیں کر رہے۔“

﴿اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ‏ ﴿۶۶﴾﴾ ”وہ تو ظنّ وتخمین ہی کے پیچھے پڑے ہیں اور صرف اٹکل سے کام لیتے ہیں۔“

آیت ۶۷ ﴿هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا‌ ؕ﴾ ”وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو بنا دیا روشن۔“

رات کو پُرسکون بنایا تاکہ رات کے وقت آرام کرو‘ اور دن کو روشن بنایا تاکہ اس میں اپنی معاشی ذمہ داریاں نبھاؤ اور دوسرے کام کاج نپٹاؤ۔

﴿اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ‏ ﴿۶۷﴾﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں۔“

آیت ۶۸ ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا‌ سُبۡحٰنَهٗ‌ ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ‌ ؕ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اللہ نے اولاد اختیار کی ہے‘ وہ (ایسی باتوں سے) پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔“

اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اسے اولاد کی حاجت ہو۔ یہاں ”غنی“ کا لفظ اس لحاظ سے بہت اہم

ہے۔ اولاد کی تمنّا آدمی اس لیے کرتا ہے کہ اس کا سہارا بنے اور مرنے کے بعد اس کے ذریعے دنیا میں اس کا نام باقی رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ایسی حاجتوں سے پاک ہے۔ وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے' وہ ہر حاجت سے غنی اور بے نیاز ہے' اسے اولاد سمیت کسی چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں ہے۔

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ''اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔''

﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا﴾ ''نہیں ہے تمہارے پاس کوئی سند (دلیل) اس کے لیے۔''

﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸﴾ ''کیا تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ چیز جس کے متعلق تمہیں علم ہی نہیں!''

تمہارے پاس کوئی علمی سند یا عقلی دلیل اس بات کے حق میں نہیں ہے جو تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو۔

آیت ۶۹ ﴿قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝۶۹﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ باتیں منسوب کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔''

آیت ۷۰ ﴿مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ ''دنیا میں (ان کے لیے) برتنے کی کچھ چیزیں ہیں' پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے''

دنیا کی چند روزہ زندگی کا فائدہ اٹھانے کے لیے انہیں کچھ ساز و سامان دے دیا گیا ہے' پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہو گی۔

﴿ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝۷۰﴾ ''پھر ہم انہیں مزہ چکھائیں گے بہت سخت عذاب کا' اس کفر کی وجہ سے جو وہ کرتے رہے ہیں۔''

آیات ۷۱ تا ۷۴

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۷۱ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۷۲ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝۷۳ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝۷۴

اب انباء الرسل کے سلسلے میں دو رکوع آ رہے ہیں' جن کا آغازِ سورت میں ذکر ہوا تھا کہ ان میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ (آدھے رکوع میں) ہے اور بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قدرے تفصیل سے (ڈیڑھ رکوع میں) آیا ہے۔ درمیان میں صرف حوالہ دیا گیا ہے کہ ہم نے مختلف قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا' اس سلسلے میں کسی رسولؑ کا نام نہیں لیا گیا۔

آیت ۷۱ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ﴾ ''اور ان کو سنایئے نوحؑ کی خبر۔''

﴿اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''جب اُسؑ نے کہا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم پر بڑا بھاری گزر رہا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا''

میرا دعوتِ حق کے ساتھ کھڑا ہونا اور تبلیغ و تذکیر کا میرا یہ عمل اگر تم پر بہت شاق گزر رہا ہے کہ تم میرا مذاق اڑاتے ہو اور مجھ پر آوازے کستے ہو تو مجھے تمہاری مخالفت کی کوئی پروا نہیں۔

﴿فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ﴾ ''تو میں نے بس اللہ پر توکّل کر لیا ہے' پس تم جمع کر لو اپنے سارے ذرائع اور اپنے شریکوں کو (بھی بلا لو)''

﴿ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝﴾ ''پھر تم پر تمہارا معاملہ کسی اشتباہ میں نہ رہ جائے' پھر جو فیصلہ میرے بارے میں کرنا ہے کر گزرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔''

اس طرزِ تخاطب سے اندازہ ہو رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا دل اپنی قوم کے رویّے کی وجہ سے کس قدر دُکھا ہوا تھا' اور ایسا ہونا بالکل فطری عمل تھا۔ اللہ کے اس بندے نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو سمجھانے اور نصیحت کرنے میں دن رات ایک کر دیا تھا' اپنا آرام و سکون تک قربان کر دیا تھا' مگر وہ قوم تھی کہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال ان الفاظ میں اللہ کے رسولؑ کی طرف سے ایک آخری بات چیلنج کے انداز میں کہی جا رہی ہے کہ تم لوگ اپنی ساری قوتیں مجتمع کر لو' تمام وسائل اکٹھے کر لو اور پھر میرے ساتھ جو کر سکتے ہو کر گزرو!

آیت ۷۲ ﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ ''پھر اگر تم (اس سے) اعراض کرو'

﴿فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ﴾ ''تو میں نے تم لوگوں سے (کبھی) کوئی اجر تو نہیں مانگا۔''

یعنی پھر اگر تم اس چیلنج کا سامنا نہ کر سکو اور میرے خلاف آخری اقدام کرنے کا حوصلہ بھی نہ کر پاؤ تو پھر ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو سہی کہ میں پچھلے ساڑھے نو سو سال سے تمہیں راہِ راست پر لانے کی جو جدّوجُہد کر رہا ہوں اس کے عوض میں نے تم لوگوں سے کوئی معاوضہ' کوئی اُجرت' کوئی تعریف و توصیف' کوئی شاباش' الغرض کچھ بھی طلب نہیں کیا۔ تو کیا میرے اس طرزِ عمل سے تم لوگوں کو اتنی سی بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کا چیلنج قبول کر کے ان کے خلاف اقدام کرنے سے گریزاں تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر ہم نے انہیں قتل کر دیا تو ہم پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہو جائے گی۔

﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ ''میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ

ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس کے فرمانبردار بندوں میں سے رہوں۔‘‘

آیت ۷۳ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ﴾ ’’تو انہوں نے (پھر بھی) جھٹلا دیا اُس کو‘ تو ہم نے نجات دے دی اُس کو اور جو بھی اُس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو بنا دیا جانشین‘‘

انہی لوگوں کو ہم نے زمین میں خلافت عطا کی۔

﴿وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ ’’اور غرق کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی‘ تو دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جنہیں خبردار کر دیا گیا تھا!‘‘

آیت ۷۴ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ’’پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد بہت سے رسولوں کو اُن کی (اپنی اپنی) قوموں کی طرف‘ تو وہ (سب کے سب) آئے اُن کے پاس روشن دلیلیں لے کر‘‘

﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ ’’لیکن وہ (ساری روشن دلیلیں دیکھنے کے باوجود بھی) اُس چیز پر ایمان لانے والے نہ بنے جس کا پہلے انکار کر چکے تھے۔ اسی طرح ہم مہر کر دیا کرتے ہیں حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر۔‘‘

آیات ۷۵ تا ۸۲

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا
قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ
مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا
لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا
بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى
اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ع ۸ / ۱۳

عام طور پر قرآن حکیم میں انباء الرسل کے ضمن میں چھ رسولوں کا تذکرہ بار بار آیا ہے‘ لیکن یہاں اختصار کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا صرف تین آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اس ایک آیت (۷۴) میں باقی تمام رسولوں کا نام لیے بغیر صرف حوالہ دے دیا گیا ہے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قدرے تفصیل سے ہوا ہے۔

آیت ۷۵ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا﴾ ’’پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کی جانب اپنی نشانیوں کے ساتھ‘‘

﴿فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَ كَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ﴿۷۵﴾﴾ ''تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے مجرم لوگ۔''

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا قَالُوۡۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ﴿۷۶﴾﴾ ''تو جب ان کے پاس حق آیا ہماری طرف سے تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔''

آیت ۷۷ ﴿قَالَ مُوۡسٰۤى اَتَقُوۡلُوۡنَ لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمۡ‌ؕ﴾ ''موسیٰ نے کہا کہ کیا تم لوگ حق کے بارے میں یہ کہہ رہے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آ پہنچا ہے۔''

﴿اَسِحۡرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُوۡنَ﴿۷۷﴾﴾ ''کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر تو کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔''

آیت ۷۸ ﴿قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَلۡفِتَنَا عَمَّا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا﴾ ''انہوں نے کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں پھیر دو اُن طریقوں سے جن پر پایا ہم نے اپنے آباء واَجداد کو''

﴿وَتَكُوۡنَ لَكُمَا الۡكِبۡرِيَآءُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا نَحۡنُ لَكُمَا بِمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۷۸﴾﴾ ''اور تم دونوں کی بڑائی قائم ہو جائے زمین میں؟ اور ہم ہرگز تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

یعنی تم دونوں (حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) یہاں اپنی بادشاہی قائم کرنا چاہتے ہو۔ اس اندیشے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اہل مصر کو بندگی ٔرب کی جو دعوت دے رہے تھے اس سے وہ مشرکانہ نظام خطرے میں تھا جس پر فرعون کی بادشاہی' اس کے سرداروں کی سرداری اور مذہبی پیشواؤں کی پیشوائی قائم تھی۔

آیت ۷۹ ﴿وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِىۡ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ﴿۷۹﴾﴾ ''اور فرعون نے کہا کہ لے آؤ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو۔''

آیت ۸۰ ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰۤى اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ﴿۸۰﴾﴾ ''اور جب وہ جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔''

آیت ۸۱ ﴿فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا قَالَ مُوۡسٰى مَا جِئۡتُمۡ بِهِ ۙ السِّحۡرُ ؕ﴾ ''اور جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے۔''

یعنی جادو وہ نہ تھا جو میں نے دکھایا تھا' بلکہ جادو یہ ہے جو تم دکھا رہے ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَيُبۡطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ﴿۸۱﴾﴾ ''یقیناً اللہ اسے ابھی باطل کر دے گا۔ بے شک اللہ مفسدوں کے عمل کو کامیاب نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ ابھی تمہاری شعبدہ بازی کا باطل ہونا ثابت کر دے گا' اسے نیست و نابود کر دے گا' هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کے عمل کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دیتا۔

آیت ۸۲ ﴿وَيُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴿۸۲﴾﴾ ''اور اللہ تو حق کو حق ثابت کرتا ہے اپنے کلمات سے' خواہ یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

آیات ۸۳ تا ۹۳

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ
وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا
فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى
وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا
يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ
سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ
بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا
اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ اٰۗلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾
فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا
ع ۹ ۱۴ لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا
حَتّٰى جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

آیت ۸۳ ﴿فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ ''تو کوئی ایمان نہیں لایا موسیٰ پر مگر چند نوجوان اُس کی قوم میں سے''

﴿عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ﴾ ''ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے سرداروں سے کہ وہ اُن کو مصیبت میں مبتلا نہ کر دیں۔''

اُس وقت مصر پر قبطی قوم حکمران تھی' جسے قرآن نے ''آلِ فرعون'' کہا ہے اور اسرائیلی ان کے محکوم تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کی آزادی کے علمبردار تھے' لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل میں سے بھی صرف چند نوجوان لڑکوں نے ہی آپؑ کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ دراصل غلام ہونے کی وجہ سے وہ لوگ فرعون اور اس کے سرداروں کے مظالم سے خوف زدہ تھے۔ عام طور پر ہر محکوم قوم کے ساتھ اسی طرح ہوتا ہے کہ اس کے کچھ لوگ اپنی قوم سے غداری کر کے حکمرانوں سے مل جاتے ہیں اور حکمران انہیں مراعات اور خطابات سے نواز کر

ان کی وفاداریاں خرید لیتے ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگ فرعون کے ایجنٹ بن چکے تھے۔ اس کی سب سے بڑی مثال قارون کی ہے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا' مگر فرعون کا درباری اور اس کا ایجنٹ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا (اس کا تفصیلی ذکر سورۃ القصص میں ہے)۔ بہرحال بنی اسرائیل کے عام لوگ ایسے مخبروں کے ڈر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہونے سے گریز کرتے تھے۔ نوجوان چونکہ باہمت اور پُرجوش ہوتے ہیں' اس لیے وہ اس طرح کی انقلابی آواز پر لبیک کہنے کا خطرہ مول لے لیتے ہیں' جبکہ اسی قوم کے ادھیڑ عمر لوگ کم ہمتی اور مصلحتوں کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ پورا فلسفہ اس آیت میں موجود ہے۔ ان آیات کے نزول کے وقت اہل مکہ میں سے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کے لیے جو لوگ آگے بڑھ رہے تھے وہ چند باہمت نوجوان ہی تھے نہ کہ مصلحت کوش بوڑھے۔

﴿وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ﴿۸۳﴾﴾ ''اور یقیناً فرعون زمین میں بہت سرکشی کر رہا تھا' اور وہ یقیناً حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔''

آیت ۸۴ ﴿وَقَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ﴿۸۴﴾﴾

''اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اب اُسی پر توکّل بھی کرو اگر تم واقعتاً فرمانبردار بن گئے ہو۔''

آیت ۸۵ ﴿فَقَالُوْا عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴿۸۵﴾﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ پر توکّل کیا۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں ان ظالموں کے لیے تختۂ مشق نہ بنا دے۔''

اللہ پر توکل کرتے ہوئے ہم اپنا معاملہ اسی کے حوالے کرتے ہیں۔ پروردگار! اب ایسا نہ ہو کہ ہمارے ذریعے سے تو ان کو آزمائے۔ جیسے ابوجہل اگر آلِ یاسر پر ظلم ڈھاتا تھا تو اللہ کے ہاں یہ اس کی بھی آزمائش ہو رہی تھی' لیکن اس آزمائش میں تختۂ مشق حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما بن رہے تھے۔

آیت ۸۶ ﴿وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ﴿۸۶﴾﴾ ''اور ہمیں اپنی رحمت سے اس کافر قوم سے نجات عطا فرما۔''

آیت ۸۷ ﴿وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا﴾ ''اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ اور اس کے بھائی (ہارونؑ) کو کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر معیّن کرلو''

ان گھروں میں جمع ہو کر تم لوگ اللہ کی عبادت کیا کرو۔ اسی طرح کا انتظام حضور ﷺ نے بھی اپنی دعوت کے ابتدائی زمانہ میں کیا تھا جب آپ ﷺ نے دارِ ارقم کو دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں کے لیے مختص فرمایا تھا۔

﴿وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً﴾ ''اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رُخ''

فرعون کے ڈر سے وہ لوگ مسجد تو بنا نہیں سکتے تھے' اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو تعمیر ہی قبلہ رُخ

کرو‘ تا کہ وہاں تم نمازیں پڑھا کرو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی قبلہ معیّن تھا جبکہ بیت المقدس تو ابھی بنا ہی نہیں تھا۔ بیت المقدس تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ایک ہزار سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کا قبلہ یہی بیت اللہ تھا۔ تورات میں ان کی قربان گاہوں کے خیموں کے بارے میں تفصیل ملتی ہے کہ یہ خیمے اس طرح نصب کیے جاتے تھے کہ جب کوئی شخص قربانی پیش کرتا تھا تو اس کا رخ سیدھا قبلہ کی طرف ہوتا تھا۔

﴿وَّاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۷﴾﴾ ”اور نماز قائم رکھو اور اہلِ ایمان کو بشارت دے دو۔“

آیت ۸۸ ﴿وَقَالَ مُوۡسٰی رَبَّنَاۤ اِنَّکَ اٰتَیۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَہٗ زِیۡنَۃً وَّاَمۡوَالًا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۙ﴾ ”اور موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! تُو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ زیب و زینت اور اموال عطا کر دیے ہیں دنیا کی زندگی میں“

﴿رَبَّنَا لِیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِکَ ۚ﴾ ”پروردگار! اس لیے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں تیرے راستے سے!“

ان کے پاس طاقت ہے‘ اقتدار ہے‘ اختیار ہے‘ دولت ہے‘ جاہ و حشم ہے۔ لوگ ان کے رعب و دبدبے کے خوف اور مال و دولت کے لالچ سے گمراہ ہو رہے ہیں۔ پروردگار! کیا تو نے انہیں یہ سب کچھ اس لیے دے رکھا ہے کہ وہ تیرے بندوں کو تیرے سیدھے راستے سے گمراہ کریں؟

﴿رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ﴾ ”اے ہمارے رب! اب ان کے اموال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں میں سختی پیدا کر دے“

﴿فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿۸۸﴾﴾ ”کہ یہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ یہ کھلم کھلا دیکھ نہ لیں عذابِ الیم کو۔“

اور جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر ان کا ایمان انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا‘ کیونکہ اُس وقت کا ایمان اللہ کے ہاں معتبر نہیں ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آلِ فرعون سے بیزاری کی آخری حد ہے۔ اگرچہ نبی ایک ایک فرد کے لیے ایمان کا خواہش مند ہوتا ہے‘ مگر فرعون اور اس کے سردار اہل ایمان کو ستانے اور اذیتیں دینے میں اس حد تک آگے جا چکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! اب ان لوگوں کے دلوں کو سخت کر دے‘ ان کے دلوں پر مہریں لگا دے‘ تاکہ تیرا عذاب آنے تک انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ اس لیے کہ جو کچھ انہوں نے اللہ اور اہل ایمان کی دشمنی میں کیا ہے اس کی سزا انہیں مل جائے۔

آیت ۸۹ ﴿قَالَ قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا فَاسۡتَقِیۡمَا﴾ ”اللہ نے فرمایا کہ (ٹھیک ہے) تم دونوں کی دُعا قبول کر لی گئی‘ اب تم دونوں بھی قائم رہو“

ایسا نہ ہو کہ وقت آنے پر تمہارا دل پسیج جائے اور پھر دعا کرنے لگو کہ اے اللہ اب ان کو معاف فرما دے!

﴿وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیۡلَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾﴾ ”اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی مت کرنا جو علم

نہیں رکھتے''

آیت ۹۰ ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ﴾ ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو پار اتار دیا سمندر (یا دریا) کے''

﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ﴾ ''پھر ان کا پیچھا کیا فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کی غرض سے۔''

﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ﴾ ''یہاں تک کہ جب پالیا اُسے غرق نے''

یعنی جب فرعون غرق ہونے لگا تو:

﴿قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾﴾ ''کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اُس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں' اور میں (اُس کے) فرماں برداروں میں سے ہوں۔''

آیت ۹۱ ﴿آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾﴾ ''کیا اب (تُو ایمان لا رہا ہے)؟ حالانکہ اس سے پہلے تُو نافرمانی کرتا رہا ہے اور تُو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔''

آیت ۹۲ ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ﴾ ''تو آج ہم تمہارے بدن کو بچائیں گے تاکہ تُو اپنے بعد والوں کے لیے ایک نشانی بنا رہے۔''

یعنی تمہارے جسم کو محفوظ رکھا جائے گا' اس کو گلنے سڑنے نہیں دیا جائے گا تاکہ بعد میں آنے والے اسے دیکھ کر عبرت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ غرق ہونے کے کچھ عرصہ بعد فرعون کی لاش کنارے پر پائی گئی تھی' صرف اس کے ناک کو کسی مچھلی وغیرہ نے کاٹا تھا' باقی لاش صحیح سلامت تھی اور آج تک قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

﴿وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾﴾ ''اور یقیناً بہت سے لوگ ہماری آیات سے غفلت ہی برتتے رہتے ہیں۔''

آیت ۹۳ ﴿وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ﴾ ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت ہی عمدہ جگہ فراہم کر دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ روزی دی۔''

﴿فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ﴾ ''پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا۔''

یعنی انہوں نے اُس وقت اختلاف کیا اور تفرقے برپا کیے جبکہ ان کے پاس علم آ چکا تھا۔ انہوں نے ایسا ناواقفیت کی بنیاد پر مجبوراً نہیں کیا تھا' بلکہ یہ سب کچھ ان کے اپنے نفس کی شرارتوں کا نتیجہ تھا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''یقیناً آپ کا رب فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن' جن چیزوں میں وہ اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیات ۹۴ تا ۱۰۳

فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ فَسۡـئَلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ۚ لَقَدۡ
جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۙ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۹۶﴾ وَلَوۡ
جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ
اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى
حِيۡنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى
يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ وَيَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَى
الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوۡا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ وَمَا تُغۡنِى الۡاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ
عَنۡ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلۡ يَنۡتَظِرُوۡنَ اِلَّا مِثۡلَ اَيَّامِ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ ؕ قُلۡ
فَانْتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُـنَجِّىۡ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ‌ۚ حَقًّا
عَلَيۡنَا نُـنۡجِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۱ ۱۵

آیت ۹۴ ﴿فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ﴾ ”پھر اگر آپؐ کو کوئی شک ہے اُس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپؐ پر نازل کی ہے“

یہاں خطاب بظاہر محمدٌ رسول اللہ ﷺ سے ہے‘ لیکن اس بات کا تو قطعاً کوئی امکان نہیں کہ آپ ﷺ کو اس میں کوئی شک ہوتا‘ لہٰذا اصل میں روئے سخن اہلِ مکّہ کی طرف ہے۔ بعض اوقات جس سے بات کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے رویے کی وجہ سے اس سے اس قدر نفرت ہو جاتی ہے کہ اسے براہِ راست مخاطب کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص سے بات کی جاتی ہے تاکہ اصل مخاطب بالواسطہ طور پر اسے سن لے۔ چنانچہ اس کا مطلب یہی ہے کہ اے مشرکینِ مکہ! اگر تم لوگوں کو اس کتاب کے بارے میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہے:

﴿فَسۡـئَلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ۚ﴾ ”تو پوچھ لیجیے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تھی آپؐ سے پہلے۔“

﴿لَقَدۡ جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۹۴﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کے پاس حق آیا ہے آپ کے رب کی طرف سے‘ تو ہرگز نہ ہو جائیں آپ شک کرنے والوں میں سے۔“

یہ اُسی اندازِ تخاطب کا تسلسل ہے کہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے مشرکینِ مکہ کو سنایا جا رہا ہے۔

آیت ۹۵ ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ’’اور مت ہو جانا ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا‘ ورنہ تم ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے۔‘‘

آیت ۹۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ’’یقیناً جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔‘‘

جو لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قانونِ خداوندی کی زد میں آ چکے ہیں اور ان کے دلوں پر آخری مہر لگ چکی ہے‘ اب ایسے لوگوں کو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

آیت ۹۷ ﴿وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ ’’اور چاہے ان کے پاس ساری ہی نشانیاں آ جائیں (اب وہ ایمان نہیں لائیں گے) جب تک کہ عذابِ الیم کو دیکھ نہ لیں۔‘‘

جیسا کہ فرعون کا معاملہ ہوا کہ جب غرق ہونے لگا تب ایمان لایا۔

آیت ۹۸ ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ﴾ ’’تو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی جو ایمان لاتی اور اُسے اُس کا ایمان نفع پہنچاتا سوائے قومِ یونسؑ کے؟‘‘

حضرت یونس علیہ السلام نینوا کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپؑ کی دعوت کے مقابلے میں آپؑ کی قوم انکار پر اڑی رہی۔ جب آخری حجت کے بعد ان لوگوں پر عذاب کا فیصلہ ہو گیا تو حضرت یونس علیہ السلام حمیّتِ دینی کے جوش میں انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور جاتے جاتے انہیں یہ خبر دے گئے کہ اب تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آ جائے گا‘ جبکہ اللہ کی طرف سے آپؑ کو اپنی قوم کو چھوڑ کر جانے کی ابھی باضابطہ طور پر اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ ایسے مواقع پر رسولؑ اپنی مرضی سے اپنی بستی کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ ہجرت کا حکم نہ آ جائے (نبی کا معاملہ اس طرح سے نہیں ہوتا)۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دے دیا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس وقت تک ہجرت نہیں فرمائی جب تک آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے باضابطہ طور پر اس کی اجازت نہیں مل گئی تھی۔ سیرت کی کتابوں میں یہاں تک تفصیل ملتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں اس مقصد کے لیے تیار کر رکھی تھیں اور روزانہ آپؐ سے استفسار کرتے تھے کہ حضور! اجازت ملی یا نہیں؟

بہر حال حضرت یونس علیہ السلام کے جانے کے بعد جب عذاب کے آثار پیدا ہوئے تو پوری بستی کے لوگ اپنے بچوں‘ عورتوں اور مال مویشی کو لے کر باہر نکل آئے اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر توبہ کی۔ اللہ کے قانون کے مطابق تو عذاب کے آثار ظاہر ہو جانے کے بعد نہ ایمان فائدہ مند ہوتا ہے اور نہ توبہ قبول کی جاتی ہے‘ مگر حضرت یونس علیہ السلام کے وقت سے پہلے ہجرت کر جانے کی وجہ سے اس قوم کے معاملے میں نرمی اختیار کی گئی اور ان کی توبہ قبول کرتے ہوئے ان پر سے عذاب کو ٹال دیا گیا۔ یوں انسانی تاریخ میں ایک استثناء (exception) قائم ہوا کہ اس قوم کے لیے قانونِ خداوندی میں رعایت دی گئی۔

﴿لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾

’’جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ہٹا دیا اُن سے دنیا کی زندگی میں وہ رسوا کن عذاب اور ایک وقتِ معیّن کے لیے ہم نے انہیں (فوائدِ دنیوی سے) بہرہ مند ہونے کا موقع دے دیا۔‘‘

آیت ۹۹ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ بھی ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔‘‘

یہ مضمون سورۃ الانعام میں بڑے شدّ ومدّ کے ساتھ آچکا ہے۔ حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ یہ سب لوگ ایمان لے آئیں، مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں ہمارا اپنا قانون ہے اور وہ یہ کہ جو حق کا طالب ہوگا اسے حق مل جائے گا اور جو تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے گا، اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ اگر لوگوں کو مسلمان بنانا ہی مقصود ہوتا تو اللہ کے لیے یہ کون سا مشکل کام تھا۔ وہ سب کو پیدا ہی ایسے کرتا کہ سب مؤمن، متقی اور پرہیزگار ہوتے۔ آخر اس نے فرشتے بھی تو پیدا کیے ہیں جو کبھی غلطی کرتے ہیں نہ اس کی معصیت۔ جیسا کہ سورۃ التحریم میں فرمایا: ﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝۶﴾ ’’وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے‘‘۔ لیکن انسانوں کو اُس نے پیدا ہی امتحان کے لیے کیا ہے۔ سورۃ الملک کے آغاز میں زندگی اور موت کی تخلیق کا یہی مقصد بتایا گیا ہے: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (آیت ۲) ’’اُس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون حسنِ عمل کا رویہ اختیار کرتا ہے‘‘۔ لہٰذا اے نبی (ﷺ) آپ اس معاملے میں اپنا فرض ادا کرتے جائیں، کوئی ایمان لائے یا نہ لائے اس کی پروا نہ کریں، کسی کو ہدایت دینے یا نہ دینے کا معاملہ ہم سے متعلق ہے۔

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۝۹۹﴾ ’’تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کر دیں گے کہ وہ ضرور ایمان لے آئیں!‘‘

اصل میں یہ ساری باتیں حضور ﷺ کے دل مبارک کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کی جا رہی ہیں کہ آپؐ ہر وقت دعوت وتبلیغ کی جدّوجہد میں مصروف ہیں، پھر آپؐ کو یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ کہیں اس ضمن میں میری طرف سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ جیسے سورۃ الاعراف (آیت ۲ میں) فرمایا: ﴿فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ کہ آپ ﷺ کے دل میں فرائض رسالت کے سلسلے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔ اور ان لوگوں کے پیچھے آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ’’کسی جان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ کے اِذن سے۔‘‘

﴿وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ۝۱۰۰﴾ ’’اور وہ گندگی مسلط کر دیتا ہے اُن لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے۔‘‘

آیت ۱۰۱ ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ’’ان سے کہیے کہ دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔‘‘

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں ہیں' ان کو بنظرِ غائر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

﴿وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ''لیکن یہ نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آتے جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔''

آیت ۱۰۲ ﴿فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''تو کیا یہ منتظر ہیں اسی طرح کے دنوں کے جیسے ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں؟''

رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں پر آنے والے عذابِ استیصال والے دنوں کو قرآن حکیم میں ''ایّام اللہ'' قرار دیا گیا ہے۔ تو کیا یہ لوگ ایسے دنوں کے منتظر ہیں جو قومِ نوحؑ یا قومِ ہودؑ یا قومِ صالحؑ یا قومِ لوطؑ کو دیکھنے پڑے تھے؟

﴿قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ ''کہہ دیجیے کہ پس انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔''

آیت ۱۰۳ ﴿ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ''پھر ہم نجات دیتے رہے ہیں اپنے رسولوںؑ کو اور اہلِ ایمان کو۔ اسی طرح ہمارے اوپر حق ہے کہ ہم اہلِ ایمان کو نجات دیں۔''

جیسے حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قوموں میں سے جو لوگ ایمان لے آئے انہیں بچا لیا گیا۔ عامورہ اور سدوم کی بستیوں میں سے کوئی ایک خوش قسمت بھی نہ نکلا کہ اسے بچایا جاتا۔ حضرت لوط علیہ السلام صرف اپنی دو بیٹیوں کو لے کر وہاں سے نکلے تھے' جبکہ ان کی اپنی بیوی بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہ گئی اور عذاب کا نشانہ بنی۔

آیات ۱۰۴ تا ۱۰۹

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۙ۝ وَاَنْ اَقِمْ
وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا
كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ
وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۭ۝ وَاتَّبِعْ مَا
یُوْحٰٓى اِلَیْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ ع

آیت ۱۰۴ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے“

اب سورۃ کے آخر میں فیصلہ کن انداز میں خطاب کیا جا رہا ہے کہ اے لوگو! یہ جو تم مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہو کہ میں اپنے موقف میں کچھ نرمی پیدا کرلوں یا تمہارے ساتھ کسی حد تک مداہنت (compromise) کا رویّہ اختیار کروں‘ تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہیں میرے دین کے بارے میں ابھی تک شک ہے۔ اگر ایسا ہے تو تم لوگ اپنا یہ شک دُور کرلو:

﴿فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ﴾ ”تو (جان لو کہ) میں ہرگز نہیں پُوجنے والا اُن کو جن کو تم پُوجتے ہو اللہ کے سوا‘ بلکہ میں تو پُوجوں گا اُسی اللہ کو جو تمہیں قبض کرے گا۔“

﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۴﴾ ”اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں سے ہو جاؤں۔“

آیت ۱۰۵ ﴿وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ﴾ ”اور یہ کہ آپؐ اپنا رخ سیدھا رکھیے دین کی طرف یکسو ہو کر۔“

پورے حنیف یعنی یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ ہوں۔

﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵﴾ ”اور ہرگز نہ ہوں ان مشرکوں میں سے۔“

آیت ۱۰۶ ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶﴾ ”اور مت پکاریئے اللہ کے سوا اس کو جو نہ تمہیں نفع دے سکے نہ نقصان‘ اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا کیا تو پھر آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔“

آیت ۱۰۷ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ﴾ ”اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے‘ تو کوئی نہیں ہے اس کو دُور کرنے والا سوائے اللہ کے۔“

﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ﴾ ”اور اگر وہ ارادہ کرلے آپؐ کے ساتھ بھلائی کا تو اُس کے فضل کو لوٹانے والا کوئی نہیں۔“

﴿يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷﴾ ”وہ پہنچاتا ہے اس (فضل) کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے‘ اور وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

آیت ۱۰۸ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ ”کہہ دیجیے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق آچکا ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ تو اب جو کوئی بھی

ہدایت پائے گا وہ اپنے بھلے کو ہی ہدایت پائے گا۔''

اس ہدایت کا فائدہ اسی کو ہوگا' عاقبت اسی کی سنورے گی اور اللہ کی رحمت اس کے شاملِ حال ہوگی۔

﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾﴾ ''اور جو کوئی بھٹک جائے گا تو وہ بھی اپنی جان پر ہی وبال لے گا۔ اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

مجھے تمہارے اوپر کوئی داروغہ مقرر نہیں کیا گیا۔ میں تمہارے بارے میں مسئول نہیں ہوں۔ اللہ کے ہاں تمہارے بارے میں مجھ سے باز پرس نہیں ہوگی کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے تھے؟ ﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾﴾ (البقرة) ''اور آپؐ سے نہیں پوچھا جائے گا جہنمیوں کے بارے میں!''

آیت ۱۰۹ ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپؐ پیروی کرتے جایئے اُس کی جو آپ کی طرف وحی کیا جا رہا ہے اور صبر کیجیے''

اپنے موقف پر جمے رہیے اور ڈٹے رہیے' مشکلات کے دباؤ کو برداشت کیجیے۔

﴿حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾﴾ ''یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے' اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذِّكر الحكيم○○

سُورۃ ھُود

تمہیدی کلمات

سورۂ ہود کے دس رکوع ہیں‘ جن میں سے چھ رکوع انباء الرسل پر مشتمل ہیں۔ یہ سورت چونکہ سورۂ یونس کے ساتھ مل کر جوڑا بناتی ہے اس لیے سورۂ یونس کے برعکس اس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بہت تفصیل کے ساتھ ہوا ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بالکل سرسری انداز میں ہے۔ (سورۂ یونس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر سرسری انداز میں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔) ان دونوں پیغمبروں کے ذکر کے درمیان میں باقی رسولوں کا ذکر اس سورت میں بالکل سورۃ الاعراف والے انداز میں ہے‘ یعنی ایک ایک رکوع میں ایک ایک رسول کا تذکرہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ”یارسول اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوگئے ہیں“۔ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((شَيَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَاَخَوَاتُھَا))(۱) ”مجھے سورۂ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے“۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب ان سورتوں میں پے در پے تنبیہات نازل ہو رہی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت یہ اندیشہ گھلائے دیتا ہوگا کہ کہیں اللہ کی دی ہوئی مہلت ختم نہ ہو جائے اور وہ آخری ساعت نہ آجائے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب میں پکڑ لینے کا فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۸

الۤرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ
مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ
مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا
حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

---

(۱) رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ المصابیح‘ کتاب الرقاق‘ باب البکاء والخوف‘ الفصل الثانی۔

الجزء الثاني عشر (۱۲)

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ
مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ
لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا
يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨﴾ ع ۸

آیت ۱ ﴿الۗرٰ ۣ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝﴾ ''ا ل ر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات (پہلے) پختہ کی گئی ہیں' پھر ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اُس ہستی کی طرف سے جو حکیم اور خبیر ہے۔''

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید میں شروع شروع میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ حجم کے اعتبار سے تو چھوٹی' لیکن بہت جامع اور گہرے مفہوم کی حامل ہیں' جیسے کوزے میں سمندر کو بند کر دیا گیا ہو۔ مثلاً سورۃ العصر' جس کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں: لَوْلَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْاٰنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاسَ یعنی ''اگر اس سورت کے علاوہ قرآن میں کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو بھی یہ سورت لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی تھی''۔ امام شافعیؒ سورۃ العصر کے بارے میں مزید فرماتے ہیں: لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ ''اگر لوگ اس سورت پر ہی تدبر کریں تو یہ ان کی ہدایت کے لیے کافی ہو جائے گی''۔ چنانچہ قرآن مجید کی ابتدائی سورتیں اور آیات بہت محکم اور جامع ہیں اور بعد میں انہی کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اور اس کتاب کا بنیادی پیغام یہ ہے:

آیت ۲ ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝﴾ ''کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے۔ یقیناً میں ہوں تمہارے لیے اُسی کی جانب سے خبردار کرنے والا اور بشارت دینے والا۔''

انبیاء و رسل کے لیے قرآن میں بشیر اور نذیر کے الفاظ بار بار آتے ہیں۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾﴾ اور سورۃ الانعام میں فرمایا: ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ﴾ (آیت ۴۸)

آیت ۳ ﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ﴾ ''اور یہ کہ اپنے رب سے استغفار کرو' پھر اُس کی جناب میں توبہ کرو' وہ تمہیں (دُنیوی زندگی میں) مال و متاع دے گا بہت اچھا ایک وقتِ معیّن تک اور ہر صاحب فضل کو اُس کے حصے کا فضل عطا کرے گا۔''

یہاں ذِيْ فَضْلٍ سے مراد ہے 'مستحقِ فضل'۔ یعنی جو بھی فضل کا مستحق ہوگا' اللہ تعالیٰ اُسے اپنا فضل ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ③﴾ ’’اور اگر تم پھر جاؤ گے تو مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا۔‘‘

آیت ۴ ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ④﴾ ’’اللہ ہی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے‘ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

آیت ۵ ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ یہ لوگ اپنے سینوں کو دُہرا کرتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپ جائیں۔‘‘

یہ مقام مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ ثَنٰی یَثْنِیْ کے معنی پھیرنے‘ موڑنے اور لپیٹنے کے ہیں۔ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مخالفین میں سے کچھ لوگوں کا رویہ ایسا تھا کہ آپ ﷺ کو آتے دیکھتے تو رخ بدل لیتے یا کپڑے کی اوٹ میں منہ چھپا لیتے‘ تاکہ کہیں آمنا سامنا نہ ہو جائے اور آپ ﷺ انہیں مخاطب کر کے کچھ اپنی باتیں نہ کہنے لگیں۔ یہاں ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ حق کا سامنا اور حقیقت کا مواجہہ کرنے سے گھبراتے ہیں‘ حالانکہ کسی کے گریز کرنے سے حقیقت غائب نہیں ہو جاتی۔ شتر مرغ طوفان کے دوران اگر ریت میں سر چھپا لے تو اس سے طوفان کا رخ تبدیل نہیں ہو جاتا۔

اس کے علاوہ ایک رائے وہ ہے جو بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل ہوئی ہے کہ کچھ اہل ایمان پر حیا کا بہت زیادہ غلبہ تھا (مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اِن اصحاب میں بہت نمایاں تھے) ایسے لوگ کبھی غسل کے وقت بھی عریاں ہونا پسند نہیں کرتے تھے اور ایسے مواقع پر اس انداز سے جھک جاتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو ستر چھپا رہے۔ اسی طرح قضائے حاجت کے وقت بھی پورے ستر کا اہتمام کرتے تھے۔ اس حوالے سے اس حکم کا منشا یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں جو کچھ بھی کر لو‘ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے تو نہیں چھپ سکتے ہو۔ لٰہذا ستر چھپانے کے بارے میں جو بھی احکامات ہیں اُن کی معروف طریقے سے پیروی کرو۔ اس طرح کے کسی بھی معاملہ میں غُلو کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ کہ جب وہ اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں تب بھی اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہوتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ تو اس کو بھی جانتا ہے جو کچھ سینوں کے اندر ہے۔‘‘

آیت ٦ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ ’’اور نہیں ہے کوئی بھی چلنے پھرنے والا (جاندار) زمین پر‘ مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے‘‘

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے اندر تقسیم رزق کا جو نظام وضع کیا ہے اس میں اس نے ہر جاندار کے لیے اس کی ضروریاتِ زندگی فراہم کر دی ہیں۔ بچے کی پیدائش بعد میں ہوتی ہے مگر اس کے لیے ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں کوئی انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ اللہ کے اس نظام اور اس کے قوانین کو

پسِ پشت ڈال کر کوئی ایسا نظام یا ایسے قوانین وضع کرے جن کے تحت ایک فرد کے حصے کا رزق کسی دوسرے کی جھولی میں چلا جائے' تو رزق یا دولت کی تقسیم کا خدائی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لوٹ کھسوٹ کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ کہیں دولت کے بے جا انبار لگیں گے اور کہیں بے شمار انسان فاقوں پر مجبور ہو جائیں گے۔ لہٰذا جہاں کہیں بھی رزق کی تقسیم میں کوئی کمی بیشی نظر آئے تو سمجھ لو کہ اس کا ذمہ دار خود انسان ہے۔

﴿وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ﴾ ''اور وہ جانتا ہے اس کے مستقل ٹھکانے کو بھی اور اس کے عارضی طور پر سونپے جانے کی جگہ کو بھی۔''

مُستقَر اور مُستودَع دونوں الفاظ کی تشریح سورۃ الانعام کی آیت ۹۸ میں تفصیل کے ساتھ ہو چکی ہے۔ وہاں ان الفاظ کے بارے میں تین مختلف اقوال بھی زیر بحث آ چکے ہیں۔

﴿كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ ''یہ سب کچھ ایک روشن کتاب میں (درج) ہے۔''

وہی روشن اور واضح کتاب جو علمِ الٰہی کی کتاب ہے۔

آیت ۷ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَي الْمَاۗءِ﴾ ''اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں اور اُس کا تخت تھا پانی پر''

میرے نزدیک یہ آیت آج بھی متشابہات میں سے ہے' لیکن شاید یہ اُس دَور کی طرف اشارہ ہے جب یہ دُنیا معرضِ وجود میں آئی۔ زمین کی تخلیق کے بارے میں سائنسی اور تاریخی ذرائع سے اب تک ملنے والی معلومات کو مجتمع کر کے جو آراء سامنے آئی ہیں اُن کے مطابق زمین جب ٹھنڈی ہونی شروع ہوئی تو اس سے بخارات اور مختلف اقسام کی گیسیں خارج ہوئیں۔ انہی گیسوں میں سے ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ملنے سے پانی پیدا ہوا جو لاکھوں سال تک بارشوں کی صورت میں زمین پر برستا رہا۔ پھر جب زمین ٹھنڈی ہو کر سکڑی تو اس کی سطح پر نشیب و فراز پیدا ہونے سے پہاڑ اور سمندر وجود میں آئے۔ اُس وقت تک کسی قسم کی کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس زمین کی حد تک اللہ تعالیٰ کا تختِ حکومت (اس کا تصور انسانی ذہن سے ماوراء ہے) پانی پر تھا۔ پھر وہ دور آیا جب زمین کی آب و ہوا زندگی کے لیے موافق ہوئی تو مٹی اور پانی سے وجود میں آنے والے دلدلی علاقوں میں نباتاتی یا حیوانی مخلوق کی ابتدائی شکلیں پیدا ہوئیں۔ (واللہ اعلم!)

﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ﴾ ''تا کہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سے اچھے عمل کرنے والا۔''

یعنی انسانی زندگی کا وہ حصہ جو اس دنیا میں گزرتا ہے اس کا اصل مقصد امتحان ہے۔ علامہ اقبال نے اس شعر میں اس آیت کی بہت خوبصورت ترجمانی کی ہے:

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب   اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

﴿وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ ''اور اگر آپ کہیں کہ تمہیں اٹھایا جائے گا مرنے کے بعد تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

آیت ۸ ﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ﴾ ''اور اگر مؤخّر کیے رکھیں ہم اُن سے عذاب کو ایک خاص مدت تک تو وہ کہتے ہیں کہ کس چیز نے روک رکھا ہے اسے؟''

کہ اتنے عرصے سے آپ (ﷺ) ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں کہ تم پر عذاب آنے والا ہے' مگر اب تک وہ عذاب آیا کیوں نہیں؟ آخر کس چیز نے اسے روک رکھا ہے؟

﴿اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! جس دن یہ اُن پر آ جائے گا تو ان کی طرف سے پھیرا نہیں جائے گا' اور اُن کو گھیرے میں لے لے گی وہی چیز جس کا یہ لوگ استہزا کیا کرتے تھے۔''

آیات ۹ تا ۲۴

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ
بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ
وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ
وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ
لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ
اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ
اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ

يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۱ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ
الْاَخْسَرُوْنَ ۝۲۲ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ
هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۴ ع ۲

آیت ۹ ﴿وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً﴾ ''اور اگر ہم مزہ چکھاتے ہیں انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا''

﴿ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـــُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹﴾ ''پھر (جب) ہم اس سے وہ چھین لیتے ہیں تو وہ ہو جاتا ہے بالکل مایوس' نہایت ناشکرا۔''

انسان بنیادی طور پر کوتاہ نظر اور ناشکرا ہے۔ کسی نعمت' کامیابی یا خوشی کے بعد اگر اسے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اُس وقت وہ بھول جاتا ہے کہ اس پر کبھی اللہ کی نظرِ کرم بھی تھی۔ چاہیے تو یہ کہ اچھے حالات میں انسان اللہ کا شکر ادا کرے اور جب کوئی سختی آ جائے تو اس پر صبر کرے اور ساتھ ہی ساتھ دل میں اطمینان رکھے کہ ہر طرح کے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں' اگر آج سختی ہے تو کل آسائش بھی تو تھی۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاۗءَ بَعْدَ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ﴾ ''اور اگر ہم مزہ چکھائیں اسے نعمتوں کا کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہوئی تھی تو ضرور کہے گا کہ میرے تو سارے دلدّر دُور ہو گئے۔''

﴿اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰﴾ ''بے شک وہ اترانے والا اور فخر جتانے والا ہے۔''

جب کسی سختی کے بعد انسان کو آسائش یا کوئی نعمت مل جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی رحمت اور اس کا انعام سمجھتے ہوئے سجدۂ شکر بجالائے' وہ اس پر اترانا اور ڈینگیں مارنا شروع کر دیتا ہے اور اسے اپنی تدبیر کا نتیجہ اور اپنی محنت کا صلہ قرار دیتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ﴾ ''سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے صبر کی روش اختیار کی اور نیک اعمال کیے۔''

یعنی سب انسان ایک جیسے نہیں' کچھ ایسے بھی ہیں جن کو اللہ نے حقیقی ایمان کی نعمت سے نواز رکھا ہے اور ایمان کے نتیجے میں ان کے دل صبر کی دولت سے مالا مال ہیں اور ان کے کردار سے اعمالِ صالحہ کے نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱﴾ ''انہی کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ﴾ ''تو (اے نبیﷺ!) شاید آپ کچھ چیزیں چھوڑ دیں اُس میں سے جو آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے''

﴿وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ﴾ ''اور آپؐ کا سینہ اُس سے تنگ ہو رہا ہے جو وہ کہہ رہے ہیں' کہ کیوں نہیں ان کے اوپر اتار دیا گیا کوئی خزانہ یا کیوں نہیں آیا ان کے پاس کوئی فرشتہ۔''

یہ مضمون اس سے پہلے بڑی وضاحت کے ساتھ سورۃ الانعام میں آ چکا ہے' لیکن زیر مطالعہ گروپ کی مکی سورتوں میں بھی جا بجا مشرکین کی ایسی باتوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں گروپس میں شامل یہ تمام مکی سورتیں ایک ہی دور میں نازل ہوئی ہیں۔

یہاں مکی سورتوں کی ترتیب مصحف کے بارے میں ایک اہم نکتہ سمجھ لیں۔ رسول اللہﷺ کے قیامِ مکہ کے بارہ سال کے عرصے کو اگر چار چار سال کے تین حصوں میں تقسیم کریں تو پہلے حصے یعنی پہلے چار سال میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ قرآن مجید کے آخری دو گروپوں میں شامل ہیں' یعنی سورۂ قٓ سے لے کر آخر تک۔ درمیانی چار سال کے دوران نازل ہونے والی سورتیں درمیانی گروپوں میں شامل ہیں اور آخری چار سال میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ شروع کے دو گروپوں میں شامل ہیں۔ ایک گروپ میں سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف جبکہ اس دوسرے گروپ میں سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون (اس میں صرف ایک استثناء ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا)۔

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ⑫﴾ ''(اے نبیﷺ!) آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں' اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ ہے۔''

اس دور کی سورتوں میں مختلف انداز میں بار بار حضورﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپؐ کا فرضِ منصبی یہی ہے کہ آپؐ ان لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اس کے بعد تمام معاملات اللہ کے حوالے ہیں۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ ایمان یا ہدایت کی توفیق کسے دینی ہے اور کسے نہیں دینی۔ کوئی معجزہ دکھانا ہے یا نہیں' نافرمانوں کو کب تک مہلت دینی ہے اور کب ان پر عذاب بھیجنا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

آیت ۱۳ ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ﴾ ''کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اُسؐ نے خود گھڑ لیا ہے۔''

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اچھا تم لوگ بھی لے آؤ اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی''

مشرکین کو یہ چیلنج مختلف درجوں میں بار بار دیا گیا تھا۔ اس سے پہلے انہیں کہا گیا تھا کہ اس جیسا قرآن تم بھی بنا کر دکھاؤ (بنی اسرائیل: ۸۸)۔ یہاں دوسرے درجے میں ۱۰ سورتوں کا چیلنج دیا گیا۔ پھر اس کے بعد برسبیل تنزّل صرف ایک سورت بنا کر لانے کو کہا گیا' جس کا تذکرہ سورۂ یونس (آیت ۳۸) میں بھی ہے اور سورۃ البقرۃ (آیت ۲۳) میں بھی۔

﴿وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑬﴾ ''اور (اس کے لیے) بلا لو تم

جس کو بھی بلا سکتے ہو اللہ کے سوا‘ اگر تم سچے ہو۔‘‘

آیت ۱۴ ﴿فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ﴾ ’’پھر اگر وہ (تمہارے مددگار) تمہاری اس دعا کو قبول نہ کریں‘‘

یعنی اگر وہ اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور تمہاری مدد کو نہ پہنچ سکیں:

﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭﴾ ’’تو جان لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اُس کے۔ تو کیا اب تم سرِ تسلیم خم کرتے ہو؟‘‘

یہ کفار ہی سے خطاب ہے کہ تم لوگ اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے اپنے معبودوں کو پکار دیکھو‘ کچھ خود محنت کرو اور کچھ اُن سے کہو کہ وہ القاء اور الہام کریں اور اس طرح مل جل کر دس سورتیں بنا لاؤ۔ اور اگر تمہارے یہ معبود تمہاری اس درخواست کو قبول نہ کر سکیں تو جان لو کہ نہ صرف یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے بلکہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی نہیں۔ تو اس سب کچھ کے بعد بھی کیا تم ماننے والے نہیں ہو؟ زورِ استدلال ملاحظہ ہو کہ ایک ہی دلیل سے قرآن حکیم کے کلامِ الٰہی ہونے کا ثبوت بھی دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا بھی۔

آیت ۱۵ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا﴾ ’’جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں‘‘

جن لوگوں کا مقصدِ حیات ہی دنیوی مال و متاع کو حاصل کرنا ہو اور اسی کے لیے وہ رات دن دوڑ دھوپ میں لگے ہوں تو:

﴿نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ⑮﴾ ’’ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ انہیں اسی (دنیا کی زندگی) میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔‘‘

ان لوگوں کے دل و دماغ پر دنیا پرستی چھائی ہوئی ہے‘ اور انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں دُنیوی زندگی کو حسین و دلکش بنانے کے لیے ہی صَرف کر دی ہیں۔ ان کی ساری منصوبہ بندی اسی دنیا کے مال و متاع کے حصول کے لیے ہے۔ چنانچہ اُن کی اونچی اونچی عمارات بھی بن گئی ہیں‘ کاروبار بھی خوب وسیع ہو گئے ہیں‘ ہر قسم کا سامانِ آسائش بھی ان کی دسترس میں ہے‘ عیش و عشرت کے مواقع بھی حسبِ خواہش انہیں میسر ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ:

آیت ۱۶ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں ہے سوائے آگ کے۔‘‘

ان کی ساری محنت اور بھاگ دوڑ اسی دنیا کے لیے تھی‘ لہٰذا ہم نے ان کی محنت کا صلہ اسی دنیا میں دے کر ان کا حساب چکا دیا ہے۔

﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑯﴾ ’’اور اس (دُنیا) میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ سب حبط ہو جائے گا اور جو اعمال انہوں نے کیے وہ بھی ضائع ہو جائیں گے۔‘‘

روزِ محشر انہیں معلوم ہوگا کہ جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا اور جس کے لیے اپنی تمام تر استعدادات اور صلاحیتیں صرف کیں وہ سب ملیامیٹ ہو چکا ہے' اور اگر انہوں نے اپنے دل کو بہلانے کے لیے کوئی جھوٹی سچی نیکی کی ہوگی تو وہ بھی بے بنیاد ثابت ہوگی۔

آیت ۱۷ ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ''تو بھلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو''

بَيِّنَة (واضح دلیل) سے مراد انسان کی فطرتِ سلیمہ ہے۔ انسان کے اندر جو روحِ ربانی پھونکی گئی ہے اس کی وجہ سے اللہ کی معرفت اس کے اندر موجود ہے۔ مگر یہ معرفتِ الٰہی انسان کے اندر خوابیدہ (dormant) ہوتی ہے۔ پھر جب وحی کے ذریعے واضح ہدایت اُس تک پہنچتی ہے تو وہ خوابیدہ معرفت فوراً جاگ جاتی ہے۔

﴿وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ ''اور اس کے پیچھے آئے اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی''

یعنی ایک سلیم الفطرت شخص جس کو خود اپنے وجود میں اور زمین و آسمان کی ساخت اور کائنات کے نظم و نسق میں توحید باری تعالیٰ کی واضح شہادت مل رہی تھی' جب اُس کے پاس قرآن کی صورت میں اللہ کی طرف سے ایک گواہی بھی آ گئی' تو یہ ''نورٌ علٰی نورٍ'' والا معاملہ ہو گیا۔ اور پھر اس پر مستزاد تورات کی تصدیق۔

﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ﴾ ''اور اس سے پہلے کتابِ موسیٰ بھی موجود تھی جو امام (راہنما) بھی تھی اور رحمت بھی۔''

ایسا سلیم الفطرت شخص کیونکر ایمان نہیں لائے گا؟ یہ تمثیل زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۃ النُّور میں بیان ہوئی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لائیں گے۔''

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ﴾ ''اور جو اس کا انکار کرے گا ان گروہوں میں سے تو آگ ہی اُس کے وعدہ کی جگہ ہے۔''

تو اب جو بھی اس کتاب کے منکر ہوں چاہے وہ مشرکین مکہ میں سے ہوں' دوسرے کفار میں سے' یا اہلِ کتاب میں سے' ان کا موعود ٹھکانا بس دوزخ ہے۔

﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ﴾ ''تو آپؐ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑیں''

﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''یقیناً یہ حق ہے آپؐ کے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''

آیت ۱۸ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔''

جس نے خود کوئی چیز گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دی۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جو پیش کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے‘‘

﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ ’’اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اپنے رب پر۔‘‘

﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۸﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ! ایسے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘

ان جھوٹ گھڑنے والوں میں غلام احمد قادیانی آنجہانی اور اس جیسے دوسرے مدعیانِ نبوت بھی شامل ہوں گے۔

آیت ۱۹ ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ ’’جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔‘‘

تعلیماتِ حق اور طریقِ ہدایت پر خواہ مخواہ کے اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ اس راستے کو اختیار نہ کریں۔

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۹﴾ ’’اور یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں۔‘‘

یہ وہی بات ہے جو ہم سورۂ یونس میں بار بار پڑھ آئے ہیں: ﴿لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ کہ انہیں ہم سے ملاقات کی امید ہی نہیں اور ان کی اصل بیماری بھی یہی ہے کہ وہ دل سے آخرت کے منکر ہیں اور اسی وجہ سے ان کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

آیت ۲۰ ﴿اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ ’’یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) ہرگز عاجز کرنے والے نہیں ہیں‘‘

یہ لوگ اللہ کے قابو سے باہر نہیں ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہرگز شکست نہیں دے سکتے۔

﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ ’’اور نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہے۔‘‘

﴿يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ﴾ ’’ان کے لیے عذاب دوگنا کیا جاتا رہے گا۔‘‘

﴿مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۰﴾ ’’(اس لیے کہ) نہ تو وہ سننے کی صلاحیت رکھتے تھے اور نہ ہی دیکھتے تھے۔‘‘

وہ بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے تھے۔ سورۃ البقرۃ میں ایسے لوگوں کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۱۸﴾۔ حق کے لیے ان لوگوں کے اسی رویّہ کی وجہ سے ان کا عذاب بڑھایا جاتا رہے گا۔

آیت ۲۱ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۱﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو برباد کر لیا اور اُن سے گم ہو گیا جو کچھ وہ افترا کیا کرتے تھے۔‘‘

تب انہیں اپنے جھوٹے معبود اور سفارشی‘ من گھڑت عقائد و نظریات اور اللہ تعالیٰ پر افترا پردازیوں میں سے کچھ بھی نہیں سوجھے گا۔ یہ سب کچھ پادر ہوا ہو جائے گا۔

آیت ۲۲ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴿۲۲﴾﴾ ’’کچھ شک نہیں کہ آخرت میں سب سے بڑھ کر خسارہ پانے والے یہی لوگ ہوں گے۔‘‘

واضح رہے کہ ’’اَخْسَرُ‘‘ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔

اہل جہنم کے تذکرے کے بعد فوری تقابل (simultaneous contrast) کے لیے اب اہل جنت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۲۳﴾﴾ ’’(اس کے برعکس) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی‘ وہ ہوں گے جنت والے‘ اور اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔‘‘

آیت ۲۴ ﴿مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ؕ﴾ ’’ان دونوں گروہوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرہ ہو اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا۔‘‘

﴿هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴿۲۴﴾﴾ ’’کیا یہ دونوں برابر ہیں مثال کے اعتبار سے؟ تو کیا تم نصیحت اخذ نہیں کرتے!‘‘

بھلا دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟ کیا تم اس مثال سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے؟

اب اگلے چھ رکوع انباء الرسل پر مشتمل ہیں۔ ان میں انہی چھ رسولوں اور اُن کی قوموں کے حالات بیان ہوئے ہیں جن کا ذکر ہم سورۃ الاعراف میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ یعنی حضرت نوح‘ حضرت ہود‘ حضرت صالح‘ حضرت شعیب‘ حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ یہ چھ رسول ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے اولین مخاطب (اہل عرب) ان سب رسولوں اور ان کی قوموں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ جس خطے میں یہ رسول اپنے اپنے زمانے میں مبعوث ہوئے اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ان میں سے چیدہ چیدہ معلومات ذہن میں پھر سے تازہ کر لیں۔

اگلے صفحے پر جو نقشہ دیا گیا ہے یہ گویا ’’ارض القرآن‘‘ کا نقشہ ہے۔ قرآن مجید میں جن رسولوں کے حالات کا تذکرہ ہے وہ سب کے سب اسی خطے کے اندر مبعوث کیے گئے۔ نقشے میں جزیرہ نمائے عرب کے دائیں طرف خلیج فارس اور بائیں طرف بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر) ہے‘ جو اوپر جا کر خلیج عَقَبہ اور خلیج سویز میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

نقشے پر اگر خلیج فارس سے اوپر سیدھی لکیر کھینچی جائے اور خلیج عَقَبہ کے شمالی کونے سے بھی ایک لکیر کھینچی جائے تو جہاں یہ دونوں لکیریں آپس میں ملیں گی‘ یہ وہ علاقہ ہے جہاں پر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہیں سے اوپر شمال کی جانب ارارات کا پہاڑی سلسلہ ہے‘ جس میں کوہِ جُودی پر آپؑ کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی۔ اس علاقے میں

نقشہ "ارض القرآن"

(ان قوموں کے علاقے جن کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے)

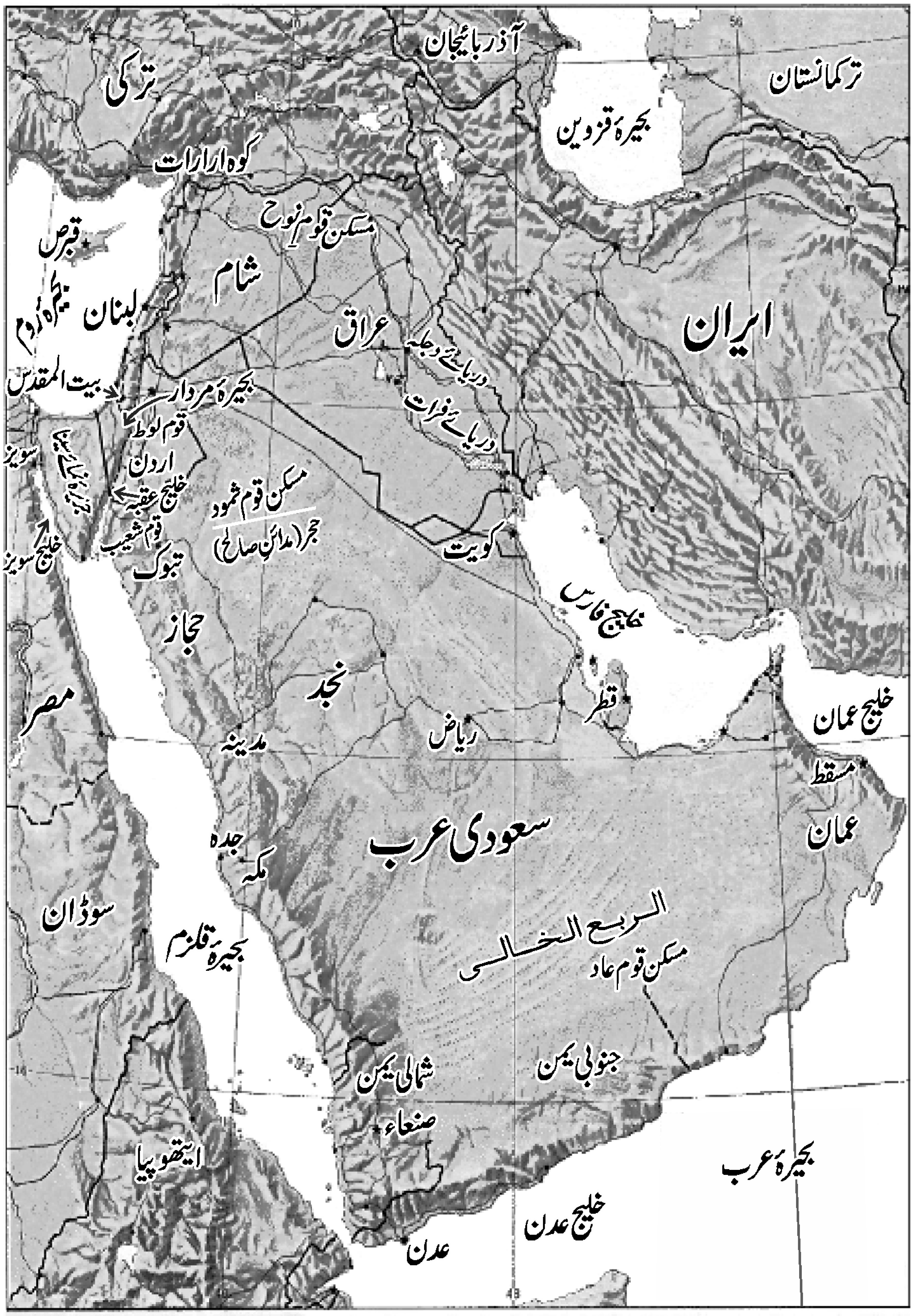

سیلاب کی صورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا‘ جس سے پوری قوم ہلاک ہوگئی۔ اُس وقت تک پوری نسلِ انسانی بس یہیں پر آباد تھی‘ چنانچہ سیلاب کے بعد نسلِ انسانی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے آگے چلی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام سام تھا‘ وہ اپنی اولاد کے ساتھ عراق کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ اس علاقے میں اُن کی نسل سے بہت سی قومیں پیدا ہوئیں۔ انہیں میں سے ایک قوم اپنے مشہور سردار ”عادؔ“ کے نام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ قومِ عاد جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں احقاف کے علاقے میں آباد تھی۔ اس قوم میں جب شرک عام ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے بہت سے نبی بھیجے۔ ان انبیاء کے آخر میں حضرت ہُود علیہ السلام ان کی طرف رسول مبعوث ہو کر آئے۔ آپؑ کی دعوت کو رد کر کے جب یہ قوم بھی عذابِ الٰہی کی مستحق ہو گئی تو حضرت ہُود علیہ السلام اپنے اہلِ ایمان ساتھیوں کو ساتھ لے کر عرب کے وسطی علاقے حِجر کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہاں پھر ان لوگوں کی نسل آگے بڑھی۔ ان میں سے قومِ ثمود نے خصوصی طور پر بہت ترقی کی۔ اس قوم کا نام بھی ثمود نامی کسی بڑی شخصیت کے نام پر مشہور ہوا۔ یہ لوگ فنِ تعمیر کے بہت ماہر تھے۔ چنانچہ انہوں نے میدانی علاقوں میں بھی عالی شان محلات تعمیر کیے اور Granite Rocks پر مشتمل انتہائی سخت پہاڑوں کو تراش کر خوبصورت مکانات بھی بنائے۔ اس قوم کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ یہ تینوں اقوام (قومِ نوحؑ‘ قومِ عاد اور قومِ ثمود) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کی ہیں۔

دوسری طرف عراق میں جو سامیُ النسل لوگ آباد تھے ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپؑ کا تذکرہ قرآن میں کہیں بھی ”انباء الرسل“ کے انداز میں نہیں کیا گیا۔ یہاں سورۂ ہود میں بھی آپؑ کا ذکر ”قصص النبیین“ کی طرز پر آیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کی اور بہت بڑا صحرائی علاقہ عبور کر کے شام چلے گئے۔ وہاں آپؑ نے فلسطین کے علاقے میں اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو آباد کیا جبکہ اس سے پہلے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آپؑ مکہ میں آباد کر چکے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام آپؑ کے بھتیجے تھے۔ شام کی طرف ہجرت کرتے ہوئے وہؑ بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نواز کر عامورہ اور سدوم کے شہروں کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ شہر بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے کنارے پر آباد تھے۔ لہٰذا قومِ ثمود کے بعد انباء الرسل کے انداز میں حضرت لوط علیہ السلام ہی کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد آپؑ کی تیسری بیوی قطورہ سے ہوئی وہ خلیج عقبہ کے مشرقی علاقے میں آباد ہوئی۔ اپنے کسی مشہور سردار کے نام پر اس قوم اور اس علاقے کا نام ”مدین“ مشہور ہوا۔ اس قوم کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ انباء الرسل کے اس سلسلے میں حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں مبعوث کیا گیا جو جزیرہ نمائے عرب سے باہر جزیرہ نمائے سینا (Senai Peninsula) کے دوسری طرف واقع ہے۔ آپؑ کی بعثت بنی اسرائیل میں ہوئی تھی‘ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے فلسطین سے ہجرت کر کے مصر میں آباد ہوئے تھے۔ (سورۂ یوسف میں اس ہجرت کی پوری تفصیل موجود ہے۔)

بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء ورسل دنیا کے مختلف علاقوں میں مبعوث فرمائے۔ اُن تمام پیغمبروں کی تاریخ بیان کرنا قرآن کا موضوع نہیں ہے۔ قرآن تو کتابِ ہدایت ہے اور انبیاء ورسل کے واقعات بھی ہدایت کے لیے ہی بیان کیے جاتے ہیں۔ اس ہدایت کے تمام پہلو کسی ایک رسولؑ کے قصے میں بھی موجود ہوتے ہیں مگر مذکورہ چھ رسولوں (علیہم السلام) کا ذکر بار بار اس لیے قرآن میں آیا ہے کہ اُن کے ناموں سے اہلِ عرب واقف تھے اور ان کی حکایات وروایات میں بھی ان کے تذکرے موجود تھے۔

آیات ۲۵ تا ۳۵

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا
وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ
بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً
مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ
مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ
اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ
اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ
اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ ۭ
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ۧ ع ۳

آیت ۲۵ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف (تو آپؑ نے کہا) کہ میں تمہارے لیے ایک کھلا خبردار کر دینے والا ہوں۔''

آیت ۲۶ ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾﴾ ''کہ مت پوجو کسی کو سوائے اللہ کے۔ مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے دردناک دن کے عذاب کا۔''

آیت ۲۷ ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ ''تو اُس کی قوم کے اُن

سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی کہ ہم نہیں دیکھتے (اے نوح) آپ کو مگر اپنے جیسا ایک انسان"

انہوں نے کہا کہ آپ تو بالکل ہمارے جیسے انسان ہیں۔ آپ میں ہمیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی کہ ہم آپ کو اللہ کا فرستادہ مان لیں۔

﴿وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ﴾ "اور ہم نہیں دیکھتے مگر یہ کہ آپ کی پیروی کرنے والے بظاہر ہم میں ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں۔"

ہمیں بلا تامل نظر آ رہا ہے کہ چند مفلس' نادار اور نچلے طبقے کے لوگ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے ہیں' جبکہ ہمارے معاشرے کا کوئی بھی معزز اور معقول آدمی آپ سے متاثر نہیں ہوا۔

﴿وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝۲۷﴾ "اور ہمیں نظر نہیں آتی اپنے مقابلے میں تم لوگوں میں کوئی بھی فضیلت' بلکہ ہمارا گمان تو یہی ہے کہ تم لوگ جھوٹے ہو۔"

آیت ۲۸ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ "نوحؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا غور کرو اگر میں (پہلے سے ہی) اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا"

یہ لفظ بَیِّنَۃ اس سورت میں بار بار آئے گا۔ یعنی میں نے اپنی زندگی تمہارے درمیان گزاری ہے' میرا کردار' میرا اخلاق اور میرا رویہ' سب کچھ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تم لوگ جانتے ہو کہ میں ایک شریف النفس اور سلیم الفطرت انسان ہوں۔ لہٰذا تم لوگ غور کرو کہ پہلے بھی اگر میں ایسی شخصیت کا حامل انسان تھا:

﴿وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ﴾ "اور (اب) اُس نے مجھے اپنے پاس سے خاص رحمت بھی عطا فرما دی ہے (اور یہ وہ چیز ہے) جس کو تمہاری نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔"

یعنی میرے اوپر اللہ کی رحمت سے وحی آتی ہے جس کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک تم لوگ نہیں کر سکتے۔ میں اس کے بارے میں تم لوگوں کو بتا ہی سکتا ہوں' دکھا تو نہیں سکتا۔

﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝۲۸﴾ "تو کیا ہم چپکا دیں تم پر اس کو (زبردستی) جبکہ تم لوگ اس کو ناپسند کرتے ہو؟"

اب اگر ایک بات آپ لوگوں کو پسند نہیں آ رہی تو ہم زبردستی اس کو تمہارے سر نہیں تھوپ سکتے۔ ہم آپ لوگوں کو مجبور تو نہیں کر سکتے کہ آپ ضرور ہی اللہ کو اپنا معبود اور مجھے اس کا رسول مانو۔

آیت ۲۹ ﴿وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ﴾ "اور اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے اس کے بدلے کوئی مال طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے' اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں۔"

جن لوگوں کے بارے میں تم کہتے ہو کہ وہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں' وہ سب اہل ایمان ہیں' اور اس لحاظ

سے میرے نزدیک وہ بہت اہم اور معزّز لوگ ہیں۔اب میں تمہارے کہنے پر ان کو خود سے دور نہیں ہٹا سکتا۔

﴿اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۝۲۹﴾ ”وہ یقیناً اپنے رب سے ملنے والے ہیں‘ لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت میں مبتلا ہو گئے ہو۔“

آیت ۳۰ ﴿وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ﴾ ”اور اے میری قوم کے لوگو! (ذرا سوچو کہ) اگر میں ان کو اپنے ہاں سے بھگا دوں گا تو کون میری مدد کرے گا اللہ کے مقابلے میں؟“

یہ سب سچے مؤمنین‘ اللہ کا ذکر کرنے والے اور اس سے دعائیں مانگنے والے لوگ ہیں۔ اگر میں تمہارے کہنے پر ان کو دھتکار دوں تو اللہ کی ناراضگی سے مجھے کون بچائے گا۔

﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝۳۰﴾ ”تو کیا تم لوگ نصیحت اخذ نہیں کرتے؟“

آیت ۳۱ ﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ﴾ ”اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں“

میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ اللہ کے خزانوں پر میرا اختیار ہے۔ یہ وہی بات ہے جو ہم سورۃ الانعام آیت ۵۰ میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ﴾ ”اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں‘ اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں“

﴿وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ﴾ ”اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر دیکھ رہی ہیں کہ اللہ انہیں کوئی خیر نہیں دے گا۔“

کیا معلوم اللہ کے ہاں وہ بہت محبوب ہوں‘ اللہ انہیں بہت بلند مراتب عطا کرے اور اُخروی زندگی میں ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ڏ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ۝۸۹﴾ (الواقعہ) کا مستحق ٹھہرائے۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝۳۱﴾ ”اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے‘ (اگر میں اُن کو دور کر دوں) تب تو یقیناً میں خود ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔“

یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اپنے ایمان کے دعوے میں کتنا مخلص ہے اور کس کے دل میں اللہ کے لیے کتنی محبت ہے۔ اگر میں تمہارے طعنوں سے تنگ آ کر ان اہل ایمان کو اپنے پاس سے اٹھا دوں تو میرا شمار ظالموں میں ہو گا۔

آیت ۳۲ ﴿قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ ”انہوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور خوب جھگڑا کیا“

جب حضرت نوح علیہ السلام کی ان تمام باتوں کا علمی‘ عقلی اور منطقی سطح پر کوئی جواب ان لوگوں سے نہ بن پڑا تو وہ خواہ مخواہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے کہ بس جی بہت ہو گیا بحث مباحثہ‘ اب چھوڑیں ان دلیلوں کو اور:

﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝۳۲﴾ ’’پس لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔‘‘

آیت ۳۳ ﴿قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۝۳۳﴾ ’’آپؑ نے فرمایا کہ وہ (عذاب) تو اللہ ہی لائے گا تمہارے اوپر اگر وہ چاہے گا اور پھر تم اس کو شکست نہیں دے سکو گے۔‘‘

اگر اس نے تمہیں عذاب دینے کا فیصلہ کر لیا تو پھر تم لوگ اس کا مقابلہ کر کے اس کے عذاب سے بچ کر بھاگ نہیں سکو گے۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ ’’اور تم لوگوں کو میری نصیحت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی اگر میں تمہیں نصیحت کرنا بھی چاہوں اگر اللہ ہی تمہاری گمراہی کا فیصلہ کر چکا ہے۔‘‘

اگر تمہاری اس خواہ مخواہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث اللہ نے تمہاری گمراہی کے فیصلے پر مہر ثبت کر دی ہو تو پھر میری نصیحت اور خیر خواہی تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی۔

﴿هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۳۴﴾ ’’وہی تمہارا رب ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ۝۳۵﴾ ’’کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے؟ آپؐ کہیے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو اس کا وبال مجھ ہی پر آئے گا، اور میں بری ہوں اس سے جو جرم تم کر رہے ہو۔‘‘

یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے درمیان آ گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! یہ تمام باتیں جو ہم آپؐ کو بذریعہ وحی بتاتے ہیں، جیسے حضرت نوحؑ اور آپؑ کی قوم کی گفت و شنید نقل ہوئی، تو مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں اور قصے آپؐ خود اپنی طرف سے بنا کر انہیں سناتے ہیں۔ آپؐ ان پر واضح کر دیں کہ میں اگر واقعی یہ جرم کر رہا ہوں تو اس کا وبال بھی مجھ ہی پر آئے گا۔ مگر آپ لوگ اس کے دوسرے پہلو پر بھی غور کریں کہ اگر یہ کلام واقعی اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو جھٹلا کر تم لوگ جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو، اس کے نتائج بھی پھر تم لوگوں کو ہی بھگتنا ہیں۔ بہر حال میں علی الاعلان کہے دیتا ہوں کہ میں تمہارے اس جرم سے بالکل بری ہوں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کا سلسلہ دوبارہ وہیں سے جوڑا جا رہا ہے۔

آیات ۳۶ تا ۴۹

وَاُوْحِيَ اِلٰي نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۝۳۶ۚۖ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ
تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ
وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ
زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا
قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ
تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا
تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ
مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ
ابْلَعِيْ مَاۗءَكِ وَيٰسَمَاۗءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاۗءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَي الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ
بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰي نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ
الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ڭ
فَلَا تَسْـــَٔـلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ
اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـــَٔـلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾
قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓي اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ
يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ
وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا ؕ فَاصْبِرْ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ ع

آیت ۳۶ ﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور وحی کر دی گئی نوحؑ کی طرف کہ اب کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا تمہاری قوم میں سے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں، تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں آپؑ اس کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔''

آیت ۳۷ ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ ''اور (اب) آپؑ کشتی بنایئے ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری ہدایات کے مطابق''

اس حکم سے یوں لگتا ہے کہ کشتی کی تیاری کے ہر مرحلے پر حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات مل رہی تھیں، مثلاً لمبائی اتنی ہو، چوڑائی اتنی ہو، لکڑیاں یوں تیار کرو، وغیرہ۔

﴿وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ﴾ ''اور جو ظالم ہیں ان کے بارے میں اب مجھ سے بات نہ

کیجیے گا۔‘‘

اب ان منکرین میں سے کسی کے بارے میں کوئی درخواست‘ دعا یا سفارش وغیرہ آپ کی طرف سے نہ آئے‘ اب اس کا وقت گزر چکا ہے۔

﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ ‘‘(اب) یہ سب کے سب غرق کیے جائیں گے۔‘‘

آیت ۳۸ ﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ﴾ ‘‘اور آپؑ کشتی بنا رہے تھے‘ اور جب بھی آپؑ کے پاس سے گزرتے آپؑ کی قوم کے سردار تو وہ آپؑ کا مذاق اڑاتے۔‘‘

حضرت نوح علیہ السلام اور آپؑ کے اہل ایمان ساتھی جس جگہ اور جس علاقے میں یہ کشتی بنا رہے تھے ظاہر ہے کہ وہاں ہر طرف خشکی ہی خشکی تھی‘ سمندر یا دریا کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ ان حالات میں تصور کریں کہ کیا کیا باتیں اور کیسے کیسے تمسخر آمیز فقرے کہے جاتے ہوں گے کہ اب تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بالکل ہی مت ماری گئی ہے کہ خشکی پر کشتی چلانے کا ارادہ ہے!

﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ ‘‘نوحؑ فرماتے کہ اگر (آج) تم ہم سے تمسخر کر رہے ہو تو (وہ وقت قریب آنے والا ہے کہ) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے کہ اب تم تمسخر کر رہے ہو۔‘‘

آیت ۳۹ ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ ‘‘تو عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو اسے رسوا کر دے گا‘ اور کس پر اترتا ہے وہ عذاب جو قائم رہنے والا (دائمی) ہوگا۔‘‘

آیت ۴۰ ﴿حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ﴾ ‘‘یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور جوش سے اُبل پڑا‘‘

مشرق وسطیٰ کے اس پورے علاقے میں ایک بہت بڑے سیلاب کے واضح آثار بھی ملتے ہیں‘ اس بارے میں تاریخی شہادتیں بھی موجود ہیں اور آج کا علم طبقات الارض (Geology) بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ H.G.Wells نے اس سیلاب کی تاویل یوں کی ہے کہ یہ علاقہ بحیرۂ روم (Mediterranean) کی سطح سے بہت نیچا تھا‘ مگر سمندر کے مشرقی ساحل یعنی شام اور فلسطین کے ساتھ ساتھ موجود پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے سمندر کا پانی خشکی کی طرف نہیں آ سکتا تھا۔ (جیسے کراچی کے بعض علاقوں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سطح سمندر سے بہت نیچے ہیں مگر ساحلی علاقہ کی سطح چونکہ بلند ہے اس لیے سمندر کا پانی اس طرف نہیں آ سکتا۔) H.G.Wells کا خیال ہے کہ اس علاقے میں سمندر سے کسی وجہ سے پانی کے لیے کوئی راستہ بن گیا ہوگا جس کی وجہ سے یہ پورا علاقہ سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔ قرآن مجید کے الفاظ کے مطابق اس سیلاب کا آغاز ایک خاص تنور سے ہوا تھا جس کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی آسمان سے غیر معمولی انداز میں

لگا تار بارشیں ہوئیں اور زمین نے بھی اپنے چشموں کے دہانے کھول دیے۔ پھر آسمان اور زمین کے یہ دونوں پانی مل کر عظیم سیلاب کی صورت اختیار کر گئے۔ سورۃ القمر میں اس کی تفصیل بایں الفاظ بیان کی گئی ہے:

﴿فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲﴾

''پس ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے جن سے لگا تار بارش برسنے لگی اور زمین کو پھاڑ دیا کہ ہر طرف چشمے پھوٹ پڑے اور یہ دونوں طرح کے پانی اُس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گئے جو مقدر کر دیا گیا تھا۔''

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ ''ہم نے کہا: (اے نوح علیہ السلام!) اپنی اس کشتی میں تمام جانداروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لو اور اپنے اہل و عیال کو بھی' سوائے ان کے جن کے بارے میں پہلے حکم گزر چکا ہے''

یہ استثنائی حکم حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیوی اور آپؑ کے بیٹے ''یام'' (کنعان) کے بارے میں تھا' جو اُسی بیوی سے تھا' جبکہ آپؑ کے تین بیٹے حام' سام اور یافث ایمان لا چکے تھے اور آپؑ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ حضرت سام اور ان کی اولاد بعد میں اسی علاقے میں آباد ہوئی تھی۔ چنانچہ قومِ عاد' قومِ ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سامی النسل تھے۔ حام اور یافث دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہوئے اور اپنے اپنے علاقوں میں ان کی نسل بھی آگے چلی۔

﴿وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۴۰﴾ ''اور ان لوگوں کو بھی (سوار کر لیں) جو ایمان لائے ہیں' اور نہیں ایمان لائے تھے آپؑ کے ساتھ مگر بہت ہی کم۔''

یہاں پر لفظ قلیل انگریزی محاورہ "the little" کے ہم معنی ہے' یعنی بہت ہی تھوڑے' نہ ہونے کے برابر۔

آیت ۴۱ ﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ﴾ ''اور نوحؑ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ اس میں' اللہ کے نام کے ساتھ ہی ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا لنگر انداز ہونا بھی۔''

جب تک اللہ چاہے گا اور جس سمت کو اسے چلائے گا یہ چلے گی اور جب اور جہاں اُس کی مشیت ہوگی یہ لنگر انداز ہو جائے گی۔

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۴۱﴾ ''یقیناً میرا رب بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۴۲ ﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ﴾ ''اور وہ چل رہی تھی ان سب کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں کے درمیان سے''

﴿وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۲﴾ ''اور نوحؑ نے پکارا اپنے بیٹے کو اور وہ ایک کنارے کی طرف تھا' کہ اے میرے بیٹے آؤ ہمارے ساتھ (کشتی

میں) سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت رہو۔''

آیت ۴۳ ﴿قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ﴾ ''اُس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔''

﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ﴾ ''نوحؑ نے کہا: آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں ہے اللہ کے امر سے' سوائے اُس کے جس پر اللہ ہی رحم فرما دے۔''

﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝﴾ ''اور حائل ہوگئی ان دونوں کے درمیان ایک موج اور وہ ہو گیا غرق ہونے والوں میں۔''

اسی گفتگو کے دوران ایک بڑی موج آئی اور اس کی زد میں آ کر آپؑ کی نظروں کے سامنے آپؑ کا وہ بیٹا غرق ہو گیا۔

آیت ۴۴ ﴿وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَاۗءَكِ﴾ ''اور حکم ہوا کہ اے زمین تُو اپنے پانی کو نگل جا''

زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تو اپنے اس پانی کو اپنے اندر جذب کر لے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس عمل میں کتنا وقت لگا ہوگا۔ بہرحال حکم الٰہی کے مطابق پانی زمین میں جذب ہو گیا۔

﴿وَيٰسَمَاۗءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاۗءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ﴾ ''اور اے آسمان تو بھی اب تھم جا' اور پانی سکھا دیا گیا' اور فیصلہ چکا دیا گیا''

﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ ''اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری''

کوہِ ارارات میں ''جودی'' ایک چوٹی کا نام ہے۔ یہ دشوار گزار پہاڑی سلسلہ آذربائیجان کے علاقے اور ترکی کی سرحد کے قریب ہے۔ کسی زمانے میں ایک ایسی خبر بھی مشہور ہوئی تھی کہ اس پہاڑی سلسلہ کی ایک چوٹی پر کسی جہاز کے پائلٹ نے کوئی کشتی نما چیز دیکھی تھی۔ بہرحال قرآن کا فرمان ہے کہ ہم اس کشتی کو محفوظ رکھیں گے اور ایک زمانے میں یہ نشانی بن کر دنیا کے سامنے آئے گی (العنکبوت: ۱۵)۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشتی اب بھی کوہِ جودی کی چوٹی پر موجود ہے اور ایک وقت آئے گا جب انسان اس تک رسائی حاصل کر لے گا۔

﴿وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ ''اور کہہ دیا گیا دُوری (ہلاکت) ہے اُس قوم کے لیے جو ظالم تھی۔''

یعنی اس قوم کا نام ونشان مٹا کر ہمیشہ کے لیے اسے نسیاً منسیاً کر دیا گیا۔

آیت ۴۵ ﴿وَنَادٰي نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ﴾ ''اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو اور کہا کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا''

﴿وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝﴾ ''اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو تمام حاکموں میں سب سے بڑا اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا حاکم ہے۔''

پروردگار! تُو نے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے اہل کو بچا لے گا' جبکہ میرا بیٹا تو میری آنکھوں کے سامنے ڈوب گیا۔

آیت ۴۶ ﴿قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ﴾ ''اللہ نے فرمایا کہ اے نوحؑ! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے' اس کے اعمال غیر صالح ہیں۔''

اُس کے نظریات' اُس کے عقائد' اُس کا کردار سب کافرانہ تھے۔ وہ آپ کے اہل میں کیسے شمار ہو سکتا ہے؟ نبی کا گھرانا صرف نسب سے نہیں بنتا بلکہ ایمان و عمل صالح سے بنتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے نسبی خاندان کا ایک رکن ہونے کے علی الرغم آپ کے ایمانی و اخلاقی خاندان کا فرد نہیں تھا۔

﴿فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ﴾ ''تو آپؑ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کریں جس کے بارے میں آپؑ کو علم نہیں۔''

﴿اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۴۶﴾﴾ ''میں آپؑ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپؑ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنیں۔''

یہ بہت سخت انداز ہے۔ یاد کیجیے کہ سورۃ الانعام کی آیت ۳۵ میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ سے بھی اس طرح کے الفاظ فرمائے گئے ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ﴾ ''نوحؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کے بارے میں میرے پاس کوئی علم نہیں ہے۔''

﴿وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ ''اور اگر تُو نے مجھے معاف نہ فرما دیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں ہو جاؤں گا خسارہ پانے والوں میں۔''

آیت ۴۸ ﴿قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَکَ ؕ﴾ ''حکم ہوا اے نوحؑ اُتر جاؤ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ' جو آپؑ پر بھی ہوں گی اور اُن اُمتوں پر بھی جو آپؑ کے ساتھیوں کی نسلوں سے وجود میں آئیں گی۔''

عام خیال یہی ہے کہ اس طوفان کے بعد نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے ان تینوں بیٹوں سے چلی تھی۔ اس سلسلے میں ماہرین علم الانساب کی مختلف آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؑ کے بیٹے حضرت سام اس علاقے میں آباد ہو گئے' جبکہ حضرت یافث کی اولاد وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے روس کے میدانی علاقوں میں جا بسی۔ پھر وہاں سے ان میں سے کچھ لوگ صحرائے گوبی کو عبور کر کے چین کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ وسطی ایشیا کے ممالک سے لے کر چین' اس کے ملحقہ علاقوں اور پورے یورپ میں اسی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ ان کے علاوہ Anglo Saxons اور شمالی اقوام کے لوگ بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسری طرف حضرت حام کی نسل کے کچھ لوگ مشرق کی طرف کوچ کر کے ایران اور پھر ہندوستان میں

آ بسے۔ جبکہ ان میں سے بعض دوسرے قبائل جزیرہ نمائے سینا کو عبور کر کے مغرب میں سوڈان اور مصر کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ آریائی اقوام رومن جرمن یونانی اور مشرقی یورپ کے تمام لوگ حضرت حام ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں واللہ اعلم۔

﴿وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ ''اور کچھ اور قومیں (بھی ہوں گی) جنہیں ہم (دنیا کے) کچھ فوائد دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب آ پکڑے گا۔''

جیسا کہ بعد میں قومِ عاد اور قومِ ثمود پر عذاب آیا ہے۔

آیت ۴۹ ﴿تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔''

﴿مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا﴾ ''اس سے پہلے نہ آپؐ ان کو جانتے تھے اور نہ آپؐ کی قوم۔''

﴿فَاصۡبِرۡ ؕ اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ﴾ ''تو آپؐ صبر کیجیے یقیناً انجام کار بھلا ہو گا اہلِ تقویٰ ہی کا۔''

آپؐ ہمت اور صبر و استقامت کے ساتھ اپنا کام کیے چلے جائیں۔ یقیناً انجامِ کار کی کامیابی اہلِ تقویٰ ہی کے لیے ہے۔

آیات ۵۰ تا ۶۰

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا
مُفۡتَرُوۡنَ ۝ يٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ ؕ اَفَلَا
تَعۡقِلُوۡنَ ۝ وَيٰقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا
وَّيَزِدۡكُمۡ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمۡ وَلَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ۝ قَالُوۡا يٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحۡنُ
بِتَارِكِىۡۤ اٰلِهَتِنَا عَنۡ قَوۡلِكَ وَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰٮكَ بَعۡضُ
اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۝ مِنۡ دُوۡنِهٖ
فَكِيۡدُوۡنِىۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ۝ اِنِّىۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا
هُوَ اٰخِذٌ ۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ مَّاۤ
اُرۡسِلۡتُ بِهٖۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَيَسۡتَخۡلِفُ رَبِّىۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۚ وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى كُلِّ
شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا هُوۡدًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا ۚ
وَنَجَّيۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ۝ وَتِلۡكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا
كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع ۵

آیت ۵۰ ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ﴾ ''اور قومِ عاد کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی ہُودؑ کو۔''

قومِ عاد حضرت سام کی نسل سے تھی۔ یہ قوم اپنے زمانے میں جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں آباد تھی۔ آج کل یہ علاقہ لق ودق صحرا ہے۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''آپؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو' تمہارا کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ (اس سلسلے میں) تم محض جھوٹ گھڑتے ہو۔''

یہ جو تم نے مختلف ناموں سے معبود گھڑ رکھے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے' یہ تم محض افترا کر رہے ہو۔

آیت ۵۱ ﴿يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اسی کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۵۲ ﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے استغفار کرو' پھر اسی کی طرف رجوع کرو''

شرک' بت پرستی کو چھوڑ دو اور اللہ سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگو۔

﴿يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''وہ آسمان سے تم پر خوب پانی برسائے گا' اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ فرمائے گا' اور تم روگردانی نہ کرو مجرم بن کر۔''

قرآن حکیم کے کئی مقامات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف اپنا رسول اپنے پیغام کے ساتھ بھیجتا ہے تو اب اس قوم کی قسمت اس پیغام کے ساتھ معلق ہو جاتی ہے۔ اگر وہ قوم رسول پر ایمان لے آتی ہے اور اس پیغام کو قبول کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے' بصورتِ دیگر اسے تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۵۳ ﴿قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اے ہُود! تم ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں آئے''

یعنی آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو اس کے ثبوت کے طور پر آپ کے پاس کوئی کھلی نشانی' سند یا معجزہ نہیں ہے۔

﴿وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''اور ہم نہیں ہیں چھوڑنے

والے اپنے معبودوں کو صرف تمہارے کہنے پر' اور ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

آیت ۵۴ ﴿اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ ؕ﴾ ''ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔''

یعنی ہمارا خیال تو یہی ہے کہ آپ جو ہمارے معبودوں کا انکار کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ سے آپ کو ان کی طرف سے سزا ملی ہے اور آپ کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ اسی لیے آپ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں۔

﴿قَالَ اِنِّىۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۝۵۴ مِنۡ دُوۡنِهٖ﴾ ''ہُودؑ نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بری ہوں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو اُس کے سوا''

میں تمہارے ان جھوٹے معبودوں اور تمہارے شرک کے اس جرم سے بالکل بری اور بیزار ہوں۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمائی تھی۔

آیت ۵۵ ﴿فَكِيۡدُوۡنِىۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ۝۵۵﴾ ''پس تم سب مل کر میرے خلاف جو چالیں چل سکتے ہو چل لو' پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔''

آیت ۵۶ ﴿اِنِّىۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ ؕ﴾ ''میں نے تو توکل کیا ہے اللہ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔''

﴿مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ﴾ ''نہیں ہے کوئی بھی جاندار مگر اس کی پیشانی اُسی کی گرفت میں ہے۔''

یعنی ہر جاندار کی قسمت اور تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور ﷺ سے بھی ایک مشہور دعا میں یہ الفاظ منقول ہیں: ((فِىۡ قَبۡضَتِكَ نَاصِيَتِىۡ بِيَدِكَ))[1] یعنی اے اللہ! میں تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہوں' میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

﴿اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝۵۶﴾ ''یقیناً میرا ربّ تو سیدھی راہ پر ہے۔''

اگر اللہ تک رسائی حاصل کرنی ہے' اگر اسے پانا ہے تو وہ توحید اور عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہی ملے گا۔

آیت ۵۷ ﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ﴾ ''پھر اگر تم پیٹھ موڑ لو (انکار کرو) تو میں نے پہنچا دیا ہے تمہیں (وہ پیغام) جو مجھے دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔''

﴿وَيَسۡتَخۡلِفُ رَبِّىۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۚ وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ شَيۡـًٔـا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ۝۵۷﴾ ''اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا' اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکو گے۔ یقیناً میرا ربّ ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

(۱) رواہ رزین ۔ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح' کتاب الدعوات' باب الدعوات فی الاوقات۔

آیت ۵۸ ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ ''اور جب ہمارا (عذاب کا) فیصلہ آ گیا تو ہم نے بچا لیا ہُودؑ کو اور آپؑ کے اہلِ ایمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے۔''

﴿وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾﴾ ''اور ہم نے انہیں نجات دے دی ایک بہت ہی بھاری عذاب سے۔''

آیت ۵۹ ﴿وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ﴾ ''یہ تھی قومِ عاد' جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا اور نافرمانی کی اُس کے رسولوں کی''

یہاں پر اُن تمام انبیاء کو بھی رسول کہا گیا ہے جو حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے اس قوم میں مبعوث ہوئے۔ اکثر اس طرح ہوتا رہا ہے کہ کسی قوم میں پہلے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام ان کے معلمین کی حیثیت سے آتے رہے اور پھر آخر میں ایک رسولؑ آیا۔ اور جیسا کہ قبل ازیں بھی نبی اور رسول کے فرق کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ قرآن میں یہ دونوں الفاظ اگر الگ الگ آئیں تو ایک دوسرے کی جگہ پر آ سکتے ہیں' لیکن اگر یہ دونوں الفاظ اکٹھے ایک جگہ آئیں تو پھر ان میں سے ہر لفظ اپنے خاص معنی دیتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾﴾ ''اور انہوں نے پیروی کی ہر سرکش و دشمنِ حق کے حکم کی۔''

آیت ۶۰ ﴿وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور ان کے پیچھے لگا دی گئی لعنت اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن (کے لیے) بھی۔''

﴿اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ' قومِ عاد نے اپنے رب کا کفر کیا تھا۔ سن لو! پھٹکار ہے عاد پر جو قومِ ہُودؑ تھی!''

آیات ۶۱ تا ۶۸

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾
قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا
لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ
وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾
وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ
غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ

خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ ع ۸

آیت ۶۱ ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ﴾ ”اور ثمود کی طرف (ہم نے بھیجا) اُن کے بھائی صالح کو۔“

قومِ عاد میں سے جو لوگ بچے تھے وہ اپنے علاقے سے آگے وسطی علاقے کی طرف جا کر ”حجر“ میں آباد ہوئے اور اُن لوگوں کی نسل میں سے ثمود نام کی ایک بڑی قوم ابھری۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ جب اس قوم کے اندر بھی وہی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور وہ لوگ بھی جب بت پرستی اور شرک کی لعنت میں مبتلا ہو گئے تو اُن کی اصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ﴾ ”آپؑ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، تمہارا کوئی معبود اُس کے سوا نہیں ہے۔“

﴿هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ﴾ ”اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تم کو آباد کیا، تو اس سے اپنے گناہ بخشواؤ، پھر اُسی کی جناب میں رجوع کرو۔“

﴿اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝﴾ ”یقیناً میرا ربّ قریب ہے اور دعا کا قبول کرنے والا ہے۔“

آیت ۶۲ ﴿قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ ”انہوں نے کہا اے صالح! آپ سے تو ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے“

یعنی آپ تو اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے پوری قوم کی امیدوں کا مرکز تھے۔ ہمیں تو توقع تھی کہ آپ اپنی صلاحیتوں کے سبب اپنے آباء و اجداد اور پوری قوم کا نام روشن کریں گے، مگر آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے تو اپنے باپ دادا کے دین اور ان کے طور طریقوں پر ہی تنقید شروع کر دی۔ آپ کی ان باتوں سے تو پوری قوم کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔

﴿اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝﴾ ”کیا آپ ہمیں روک رہے ہیں ان کو پوجنے سے جن کو ہمارے آباء و اجداد پوجتے تھے؟ اور یقیناً جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے بارے میں ہمیں بہت شکوک و شبہات ہیں۔“

آپ کی اس دعوتِ توحید کے بارے میں ہمیں سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال دیا ہے۔ ہمارا دل آپ کی اس دعوت پر مطمئن نہیں ہے۔

آیت ۶۳ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ”صالحؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا سوچو تو سہی، اگر میں (پہلے سے ہی) اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا“

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی وہی بات کہی کہ دیکھو میری گزشتہ زندگی تمہارے سامنے ہے۔ میرا کردار اور میرا اخلاق گواہ ہے کہ میں اس سے پہلے تمہارے معاشرے کا ایک صالح کردار اور سلیم الفطرت انسان تھا۔

﴿وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾ ''اور اللہ نے مجھے اپنے پاس سے خاص رحمت بھی عطا کر دی''

اور اب میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی بھی آ گئی ہے' اللہ نے اپنی رحمتِ خاص سے مجھے نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا ہے۔

﴿فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۣ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝۶۳﴾ ''تو اب اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو مجھے اللہ (کی پکڑ) سے کون بچائے گا؟ تم تو اضافہ نہیں کرو گے میرے لیے مگر خسارہ ہی میں!''

یعنی اگر میں اپنی فطرتِ سلیم اور وحی الٰہی کی راہنمائی کے باوجود اس دعوتِ حق کو چھوڑ کر تمہیں خوش کرنے کے لیے گمراہی کا طریقہ اختیار کر لوں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچائے گا؟ تمہاری اس طرح کی باتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ میری تباہی کے درپے ہو۔

آیت ۶۴ ﴿وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ ''اور (دیکھو) میری قوم کے لوگو! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے' اسے چھوڑے رکھو کہ یہ چرتی پھرے اللہ کی زمین میں''

﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝۶۴﴾ ''اور (دیکھنا) کسی برے ارادے سے اسے ہاتھ نہ لگانا' ورنہ تمہیں آ پکڑے گا ایک قریبی عذاب۔''

وہ عذاب اب دور نہیں ہے اور اسے آتے کچھ دیر نہ لگے گی۔

آیت ۶۵ ﴿فَعَقَرُوْهَا﴾ ''تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں''

انہوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔

﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝۶۵﴾ ''تو صالحؑ نے فرمایا: اب تم اپنے گھروں میں تین دن تک رہ بس لو۔ یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا ثابت نہیں ہوگا۔''

آیت ۶۶ ﴿فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ ''تو جب ہمارا فیصلہ آ گیا تو ہم نے نجات دی صالحؑ کو اور ان کو جو آپؑ کے ساتھ ایمان لائے تھے' اپنی رحمت سے''

﴿وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝۶۶﴾ ''اور اُس دن کی رسوائی سے (انہیں بچا لیا)۔ یقیناً آپؐ کا پروردگار بہت طاقتور' زبردست ہے۔''

آیت ۶۷ ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۶۷﴾ ''اور ان ظالموں کو پکڑ لیا ایک چنگھاڑ نے تو وہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے رہ گئے۔''

آیت ۶۸ ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ﴾ ''گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہیں تھے۔''

﴿اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ‘ یقیناً ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا۔ آگاہ ہو جاؤ پھٹکار ہے ثمود پر!‘‘

آیات ۶۹ تا ۸۳

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ
حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ
اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ
يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾
قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾
فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ
لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ
عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا
يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ
يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ
رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِىْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ
لِىْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ
بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ
اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِىَ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع ۱۵ ۷

اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے‘ مگر آپؑ کا ذکر انباء الرسل کے طور پر نہیں بلکہ بالکل مختلف انداز میں ہے۔ یہاں رسولوں کے ذکر میں ایک خوبصورت تقسیم کو مدنظر رکھیں‘ کہ اس سورت میں پہلے تین رسول جن کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے (حضرت نوح‘ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام) ان کا ذکر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مختصراً قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے‘ اور آپؑ کے ذکر کے بعد پھر تین رسولوں کا تذکرہ ہے جو آپؑ ہی کی نسل میں سے تھے‘ بلکہ اُن میں سے حضرت لوط علیہ السلام تو آپؑ کے بھتیجے اور

ہم عصر بھی تھے۔ یہاں پر حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر انباء الرسل کے انداز میں آیا ہے اور اسی کے ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہوا تو عذاب کے فرشتے براہِ راست حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانے کے بجائے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور وہاں نہ صرف قومِ لوطؑ پر عذاب کے بارے میں اُن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ ہوا بلکہ فرشتوں نے حضرت سارہؑ کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری بھی دی۔

یاد رہے کہ سورۃ الاعراف میں بھی جب ان چھ رسولوں کا تذکرہ انباء الرسل کے انداز میں ہوا تو وہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا گیا اور جب سورۃ الانعام (جو سورۃ الاعراف کی جڑواں سورت ہے) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آیا تو انباء الرسل کے انداز میں نہیں بلکہ قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح کہیں بھی نہیں آیا کہ آپؑ کو اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہو‘ آپؑ نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دی ہو‘ قوم اس دعوت سے منکر ہوئی ہو اور پھر اس پر عذاب بھیج دیا گیا ہو۔

آیت ۶۹ ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ﴾ ’’اور ابراہیمؑ کے پاس ہمارے فرستادے بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے کہا: سلام!‘‘

﴿قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾﴾ ’’ابراہیمؑ نے بھی (جواب میں) سلام کہا‘ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ آپؑ لے آئے ایک بچھڑا بھنا ہوا۔‘‘

مہمانوں کی آمد کے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ضیافت کے لیے ایک بچھڑا ذبح کیا اور اسے بھون کر ان کے سامنے پیش کر دیا۔

آیت ۷۰ ﴿فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ﴾ ’’پھر جب آپؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں‘‘

﴿نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ﴾ ’’تو آپؑ نے ان میں اجنبیت پائی اور ان کی طرف سے ایک خوف محسوس کیا۔‘‘

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ رسمی اصرار کے باوجود بھی مہمان کسی طور کھانے کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تو اب آپؑ بجا طور پر کھٹکے کہ یہ پراسرار لوگ کون ہیں اور یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟ اُس زمانے میں یہ رواج بھی تھا کہ اگر کوئی شخص دشمنی کی غرض سے کسی کے پاس جاتا تو اس کے ہاں کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی طرف سے خدشہ محسوس ہوا۔ جب انہوں نے آپؑ کا یہ خوف محسوس کیا تو:

﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾﴾ ’’انہوں نے کہا: آپؑ ڈریئے نہیں‘ اصل میں تو ہم بھیجے گئے ہیں قومِ لوطؑ کی طرف۔‘‘

یعنی ہم فرشتے ہیں اور ہمیں قومِ لوطؑ کی طرف عذاب کی غرض سے بھیجا گیا ہے۔

آیت ۷۱ ﴿وَامۡرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ فَضَحِکَتۡ﴾ ''اور آپؑ کی بیوی (کہیں قریب) کھڑی تھی تو وہ ہنس پڑی''

حضرت سارہؑ قریب ہی کہیں پردے کے پیچھے کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھیں تو آپؑ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت پر ہنس پڑیں کہ میرے شوہر فرشتوں سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔

﴿فَبَشَّرۡنٰہَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾﴾ ''تو ہم نے اسے بشارت دی اسحاقؑ کی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی۔''

یعنی فرشتوں نے حضرت سارہؑ کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی حضرت یعقوبؑ یعنی پوتے کی بھی۔ اس وقت حضرت ہاجرہؑ کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہو چکی تھی۔ حضرت سارہؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں جبکہ حضرت ہاجرہؑ کو آپؑ کی خدمت میں بادشاہِ مصر نے پیش کیا تھا۔ یہودیوں کے ہاں حضرت ہاجرہؑ کو کنیز سمجھا جاتا ہے' حالانکہ آپؑ مصر کے شاہی خاندان کی خاتون تھیں۔ آپؑ کے ہاں حضرت اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ ان دونوں (ماں اور بیٹے) کو اللہ کے حکم سے حجاز میں اس جگہ چھوڑ آئے جہاں بعد میں بیت اللہ تعمیر ہونا تھا۔ بہر حال حضرت سارہؑ کے ہاں اس وقت تک کوئی اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ فرشتوں نے آپؑ کو بیٹے کی اور پھر اس بیٹے کے بیٹے کی ولادت کی بشارت دی۔

آیت ۷۲ ﴿قَالَتۡ یٰوَیۡلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّہٰذَا بَعۡلِیۡ شَیۡخًا ؕ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ﴿۷۲﴾﴾

''اُس نے کہا: ہائے میری شامت! کیا اب میں بچہ جنوں گی جبکہ میں نہایت بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں! یہ تو بہت عجیب بات ہے۔''

آیت ۷۳ ﴿قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ﴾ ''فرشتوں نے کہا: کیا آپؑ تعجب کرتی ہیں اللہ کے فیصلے پر؟''

یعنی یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے اور ہم اللہ کی طرف سے آپؑ کو خوشخبری دے رہے ہیں۔

﴿رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ ؕ﴾ ''اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے نبیؑ کے گھر والو!''

اس آیت میں ''اہلِ بیت'' کا مفہوم بہت واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ یہاں پر اس کا مصداق حضرت سارہؑ کے علاوہ کوئی اور نہیں' لہٰذا یہاں لازمی طور پر آپؑ ہی اہل بیت ہیں۔ چنانچہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں بھی اہلِ بیتِ رسول ﷺ آپؐ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ہیں۔ اور آپ ﷺ کا فرمان جو حضرت فاطمہ' حضرت علی' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے: ((اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ))[1] تو یہ گویا آپ ﷺ نے اپنے اہلِ بیت کے دائرے کو وسعت دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بھی میرے اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

﴿اِنَّہٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ﴿۷۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ لائقِ حمد اور بزرگی والا ہے۔''

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیھقی ۱۵۰/۲۔ عن أم سلمۃ ھند بنت ابی أمیۃ۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے اور وہ بہت عظمتوں والا ہے۔

آیت ۷۴ ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾
''پھر جب ابراہیمؑ کا خوف جاتا رہا اور یہ بشارت بھی پہنچ گئی' تو آپؑ نے جھگڑنا شروع کر دیا ہم سے قومِ لوطؑ کے بارے میں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مجادلہ تورات میں بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ اگر ان بستیوں میں پچاس آدمی بھی راست باز ہوئے تو کیا پھر بھی ان کو ہلاک کر دیا جائے گا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں' پھر انہیں ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چالیس آدمیوں کا پوچھا' تو انہوں نے کہا کہ پھر بھی اُن کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح بات ہوتے ہوتے پانچ آدمیوں پر آ گئی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا گیا کہ آپؑ اس بحث کو چھوڑ دیں۔ اب تو آپؑ کے رب کا فیصلہ آ چکا ہے' کیونکہ ان بستیوں میں خود حضرت لوط علیہ السلام اور اِن کی دو بیٹیوں کے علاوہ کوئی ایک متنفس بھی راست باز نہیں ہے۔

آیت ۷۵ ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ﴾ ''یقیناً ابراہیمؑ بہت ہی بردبار' نرم دل اور اللہ کی جناب میں رجوع کرنے والے تھے۔''

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ تین صفات ایک ساتھ جمع فرما کر آپؑ کی بہت قدر افزائی بھی فرمائی گئی ہے اور آپؑ کے مجادلہ کرنے کی وجہ بھی بیان فرما دی گئی ہے کہ چونکہ آپؑ بہت حلیم الطبع اور دل کے نرم تھے' اسی وجہ سے آپؑ نے آخری حد تک کوشش کی کہ عذاب کے ٹلنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک میں بھی خصوصی نرمی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ نے طبیعت کی خاص نرمی عطا کر رکھی تھی۔

آیت ۷۶ ﴿يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ﴾ ''اے ابراہیمؑ چھوڑیے اس معاملے کو' اب تو آپؑ کے رب کا فیصلہ آ چکا ہے۔''

﴿وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ﴾ ''اور ان پر وہ عذاب آ کر ہی رہے گا جسے لوٹایا نہیں جا سکے گا۔''

آیت ۷۷ ﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ ''اور جب آئے ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس تو آپؑ ان کی وجہ سے بڑے غمگین ہوئے' اور آپؑ کا دل بہت تنگ ہوا''

﴿وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ﴾ ''اور آپؑ کہنے لگے کہ آج تو بہت سختی کا دن ہے۔''

چونکہ ان بستیوں کے لوگوں میں اُمرد پرستی عام تھی' لہٰذا ان کی آخری آزمائش کے لیے فرشتوں کو ان کے پاس نوجوان خوبصورت لڑکوں کے روپ میں بھیجا گیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام ان خوبصورت مہمان لڑکوں کو دیکھ کر

اسی لیے پریشان ہوئے کہ اب وہ اپنے ان مہمانوں کا دفاع کیسے کریں گے۔ اس لیے کہ آپؑ جانتے تھے کہ ان کی قوم کے لوگ کسی اپیل یا دلیل سے باز آنے والے نہیں تھے اور آپؑ اکیلے زبردستی انہیں روک نہیں سکتے تھے۔

آیت ۷۸ ﴿وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ﴾ ''اور آئے آپؑ کی قوم کے لوگ دیوانہ وار دوڑتے ہوئے آپؑ (کے گھر) کی طرف' اور وہ پہلے سے ہی گندے کاموں میں ملوث تھے۔''

﴿قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ﴾ ''لوطؑ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں (موجود) ہیں' وہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں''

مفسرین نے اس کے ایک معنی تو یہ مراد لیے ہیں کہ تمہارے گھروں میں تمہاری بیویاں موجود ہیں جو میری بیٹیوں ہی کی مانند ہیں' کیونکہ نبی اپنی پوری قوم کے لیے باپ کی طرح ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ الاحزاب آیت ۶ میں حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ﴾ کہ آپؐ کی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مؤمنین کی مائیں ہیں۔ اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں' اُن سے جائز اور پاکیزہ طریقے سے نکاح کر لو' میں اس کے لیے تیار ہوں' لیکن میرے ان مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝۷۸﴾ ''تو اللہ کا خوف کرو اور مجھے میرے مہمانوں کے معاملہ میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں ہے؟''

کیا تم لوگوں میں کوئی ایک بھی شریف النفس انسان نہیں ہے جو میرا ساتھ دے اور ان سب لوگوں کو بداخلاقی اور بے حیائی سے روکے۔

آیت ۷۹ ﴿قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝۷۹﴾ ''انہوں نے کہا کہ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ تمہاری ان بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے' اور تم خوب جانتے ہو جو ہم چاہتے ہیں۔''

قوم کے لوگوں نے کہا کہ اب آپؑ اِدھر اُدھر کی باتیں مت کیجیے' آپ خوب سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔

آیت ۸۰ ﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝۸۰﴾ ''لوطؑ نے کہا: کاش میرے پاس تمہارے مقابلہ کے لیے کوئی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی میں پناہ لے لیتا۔''

اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((يَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَاْوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ))(۱) ''اللہ رحم فرمائے لوطؑ پر' وہ ایک مضبوط قلعہ میں ہی تو تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی اور حفاظت تو حضرت لوط علیہ السلام کو حاصل تھی۔ لیکن اس وقت جو صورتِ حال بن گئی تھی اس میں بربنائے طبع بشری پریشانی اور خوف کا

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قولہ عزوجل ونبئھم عن ضیف ابراھیم۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب زیادۃ طمانینۃ القلب بتظاھر الادلۃ

طاری ہو جانا نبوت کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وقتی طور پر جادوگروں کے سانپوں سے ڈر گئے تھے۔

آیت ٨١ ﴿قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ﴾ ”فرشتوں نے کہا: اے لوطؑ ! ہم آپؑ کے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں' یہ لوگ آپؑ تک نہیں پہنچ پائیں گے“

فرشتوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے آپؑ کو تسلی دی کہ آپؑ اطمینان رکھیں' یہ لوگ آپؑ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ پھر فرشتے نے اپنا ہاتھ ہلایا تو وہ سب نابکار اندھے ہو گئے۔

﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ ”پس آپؑ رات کے (اس بقیہ) حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور کوئی بھی آپ میں سے پیچھے مڑ کر نہ دیکھے“

یعنی یہاں سے جاتے ہوئے آپ لوگوں کو پیچھے رہ جانے والوں کی طرف کسی قسم کی کوئی توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ﴾ ”سوائے آپؑ کی بیوی کے' اس پر بھی وہی مصیبت آئے گی جو سب پر آنے والی ہے۔“

یعنی جب آپؑ اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکلیں گے تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہیں جائیں گے۔ آپؑ کی اس بیوی کا ذکر سورۃ التحریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی مشرک بیوی کے ساتھ اس طرح ہوا ہے: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝﴾ ”اللہ کافروں کے لیے مثال بیان کرتا ہے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی۔ وہ دونوں عورتیں ہمارے دو برگزیدہ بندوں کے تحت تھیں لیکن انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی' چنانچہ ان کے شوہر انہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکے۔ اور (ان دونوں عورتوں سے) کہہ دیا گیا کہ تم بھی (جہنم میں) داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔“

﴿اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝٨١﴾ ”ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے' کیا صبح قریب نہیں ہے!“

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ اب آپ لوگوں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ آپؑ فوری طور پر اپنی بچیوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں' صبح ہوتے ہی ان بستیوں پر عذاب آ جائے گا۔ اور صبح ہونے میں اب دیر ہی کتنی ہے!

آیت ٨٢ ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ ”پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس کے اوپر (کے حصے) کو نیچا کر دیا“

یعنی ان بستیوں کو تلپٹ کر دیا گیا۔ جب عمارتیں تباہ ہوتی ہیں تو چھت زمین بوس ہو جاتی ہے اور دیواریں اس کے اوپر گرتی ہیں' بنیادیں بھی اوپر آ جاتی ہیں۔

﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿٨٢﴾﴾ ''اور (مزید) ہم نے ان پر بارش برسائی تہہ بر تہہ کنکریوں کی۔''

سِجِّیل اصل میں فارسی لفظ ہے۔ فارسی میں یہ ''سنگِ گِل'' تھا جو عربی میں آ کر سِجِّیل کا تلفظ اختیار کر گیا۔ سنگ کے معنی پتھر اور گل کے معنی مٹی کے ہیں۔ یعنی مٹی کے پتھر جو گیلی مٹی کے دھوپ میں گرم ہو کر پختہ ہو جانے کے بعد بنتے ہیں' جیسے اینٹوں کو بھٹے میں پکایا جاتا ہے۔ ان بستیوں پر عذاب دو صورتوں میں آیا' ایک زمین کے اندر کوئی زوردار دھما کہ ہوا' جس کے نتیجے میں زبردست زلزلہ آیا اور یہ بستیاں الٹ پلٹ ہو گئیں۔ پھر اوپر سے کنکریوں کی بارش ہوئی اور اس طرح انہیں ان پتھروں کے اندر دفن کر دیا گیا۔

آیت ۸۳ ﴿مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ﴾ ''وہ نشان زدہ تھے تمہارے رب کی طرف سے۔''

یعنی ہر پتھر ایک آدمی کے لیے نشان زدہ اور مخصوص تھا۔

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾﴾ ''اور یہ ان ظالموں سے کوئی زیادہ دور نہیں۔''

یعنی مشرکین مکہ سے قومِ لوطؑ کی یہ بستیاں زیادہ دور نہیں ہیں۔ قریش کے قافلے جب فلسطین کی طرف جاتے تھے تو پہلے قومِ ثمود اور قومِ مدین کے علاقے سے گزرتے تھے' پھر قومِ لوط کی بستیوں کے آثار بھی اُن کے راستے میں آتے تھے۔

آیات ۸۴ تا ۹۵

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٨٥﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ڬ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰۗؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

لَرَجَمۡنٰكَ ۫ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ
وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ ؕ
سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَمَنۡ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ﴿۹۳﴾
وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا
الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّمَدۡيَنَ كَمَا
بَعِدَتۡ ثَمُوۡدُ ﴿۹۵﴾ ع ۱۴ ۸

آیت ۸۴ ﴿وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ﴾ ''اور مدین کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی شعیبؑ کو۔''

اس قوم کے بارے میں ہم سورۃ الاعراف کے مطالعہ کے دوران پڑھ چکے ہیں کہ یہ لوگ بنی قطورہ میں سے تھے اور خلیج عقبہ کے داہنی (مشرقی) طرف کے علاقہ میں آباد تھے۔ اس علاقہ میں یہ لوگ ایک بڑی مضبوط قوم بن کر ابھرے تھے۔ یہ علاقہ اُس وقت کی دو بہت اہم بین الاقوامی شاہراہوں کے مقامِ انقطاع (intersection) پر واقع تھا۔ ایک شاہراہ شمالاً جنوباً تھی جو شام سے یمن جاتی تھی اور دوسری شرقاً غرباً تھی جو عراق سے مصر کو جاتی تھی۔ چنانچہ تمام تجارتی قافلے یہیں سے گزرتے تھے جس کی وجہ سے یہ علاقہ اس زمانے کا بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ نتیجتاً یہاں کے لوگ بہت خوشحال ہو گئے تھے' مگر ساتھ ہی ناپ تول میں کمی اور راہزنی جیسے قبیح جرائم میں بھی ملوث تھے۔

﴿قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ﴾ ''آپؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی معبود نہیں اُس کے سوا۔''

﴿وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ﴾ ''اور نہ کم کرو ماپ اور تول کو'

﴿اِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ بِخَيۡرٍ وَّاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ ﴿۸۴﴾﴾ ''میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں' لیکن (اگر تم لوگ ان غلط کاریوں سے باز نہ آئے تو) مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا جو تمہیں گھیر لے گا۔''

آیت ۸۵ ﴿وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! پورا پورا دیا کرو پیمانہ اور تول' عدل اور انصاف کے ساتھ''

﴿وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾﴾ ''اور مت کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ ہی زمین میں فساد مچاتے پھرو۔''

آیت ۸۶ ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴾ ''اللہ کی عطا کردہ بچت ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو۔''

انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے ان کی حق تلفی نہ کیا کرو۔ اگر تم لوگ دیانتداری سے تجارت کرو اور اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں جو منافع عطا کریں اسی پر قناعت کرو تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لیے بہت بہتر ہوگا۔

﴿وَمَآ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ﴾ ''لیکن میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔''

میں تو تمہیں سمجھا سکتا ہوں، نیکی کی تلقین کر سکتا ہوں، تم پر میرا کوئی زور نہیں ہے۔

آیت ۸۷ ﴿قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَآ﴾ ''انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان کو جن کو پوجتے آئے ہیں ہمارے آباء واجداد؟''

اگرچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی گفتگو میں ان کے شرک کا تذکرہ نہیں ہے، مگر اُن کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ وہ بنیادی طور پر اس مرضِ شرک میں بھی مبتلا تھے جو تمام گمراہ قوموں کا مشترک مرض رہا ہے۔

﴿اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِىۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾ ''یا (تمہاری نماز یہ سکھاتی ہے کہ) ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں؟''

یعنی ہماری ملکیت میں جو سامان اور مال ہے کیا ہم اس کے استعمال میں بھی اپنی مرضی نہیں کر سکتے؟ یہ وہی تصور ہے جو آج کے جدید زمانے میں sacred right of ownership کے خوبصورت الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے، جبکہ اسلام میں ملکیت کا ایسا تصور نہیں ہے۔ اسلام کی رو سے ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور دنیا کا یہ مال اور ساز و سامان انسانوں کے پاس اللہ کی امانت ہے، جس میں اللہ کی مرضی کے خلاف تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا اسلام ملکیت کے کسی ''مقدس حق'' کو تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ:

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست — درحقیقت مالکِ ہر شے خداست

یعنی یہ مال و دولت ہمارے پاس چند دن کی امانت ہے، ورنہ حقیقت میں ہر شے کا مالک حقیقی تو اللہ ہی ہے۔ بہرحال جب انسان خود کو مالک سمجھتا ہے تو پھر وہ وہی کچھ کہتا ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارا مال ہے، ہم جیسے چاہیں اس میں تصرف کریں!

﴿اِنَّكَ لَاَنۡتَ الۡحَـلِيۡمُ الرَّشِيۡدُ﴾ ''ہاں ایک تم ہی تو ہو جو بڑے باوقار اور نیک چلن ہو!''

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو حلیم اور رشید کہنا کسی تعظیم اور تکریم کے لیے نہیں تھا، بلکہ طعن اور استہزا کے طور پر تھا۔

آیت ۸۸ ﴿قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا سوچو کہ اگر میں (پہلے بھی) اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا''

حضرت شعیب علیہ السلام نے وہی بات فرمائی جو دوسرے انبیاء و رسل اپنی اپنی قوم سے فرماتے آئے تھے کہ تمہارے درمیان رہتے ہوئے میرا کردار اور اخلاق پہلے بھی مثالی تھا، میں اس معاشرے میں ایک شریف النفس

اور سلیم الفطرت انسان کے طور پر معروف تھا۔

﴿وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ﴾ ''اور اللہ نے اپنے پاس سے مجھے اچھا رزق بھی عطا کیا ہے''

یعنی پھر مجھے اللہ نے نبوت اور رسالت سے بھی سرفراز فرما دیا ہے۔

﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ﴾ ''اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جس چیز سے تم لوگوں کو منع کروں خود وہی کام کروں۔''

﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ﴾ ''میں تو کچھ نہیں چاہتا سوائے اصلاح کے جس قدر مجھ میں استطاعت ہے' اور میری توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''

میرا مقصد تم لوگوں کی اصلاح ہے اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی میں کر رہا ہوں وہ اللہ کی توفیق ہی سے کر رہا ہوں۔ اسی نے مجھے ہمت اور استقامت سے نوازا ہے۔

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾﴾ ''اُسی پر میں نے توکّل کیا ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

آیت ۸۹ ﴿وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! (دیکھو) میری دشمنی تمہیں اس انجام تک نہ لے جائے کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائے جیسا کہ آیا تھا قومِ نوحؑ، قومِ ہودؑ یا قومِ صالحؑ پر۔''

﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾﴾ ''اور قومِ لوطؑ تو تم سے زیادہ دُور بھی نہیں ہے۔''

حضرت شعیب علیہ السلام سے پہلے ان چار قوموں پر عذابِ استیصال آ چکا تھا۔ اور یہ جو فرمایا گیا کہ قومِ لوط تم سے ''بعید'' نہیں ہے' یہ زمانی اور مکانی دونوں اعتبار سے ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل سے متصل علاقے میں قومِ مدین آباد تھی۔ اس علاقے سے ذرا ہٹ کر مشرق کی جانب بحیرہ مردار ہے جس کے ساحل پر عامورہ اور سدوم کی وہ بستیاں تھیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ زمانی اعتبار سے بھی ان دونوں اقوام میں ہزاروں سال کا نہیں بلکہ صرف چند سو سال کا بُعد تھا۔ بہرحال مجھے ان مفسرین سے اختلاف ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں مجھے ان علماء کی رائے سے اتفاق ہے جن کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں جس شخص کے مہمان بنے تھے اور جن کی بیٹی کے ساتھ بعد میں آپؑ نے نکاح کیا تھا وہ مدین کے اُن لوگوں کی نسل سے کوئی نیک بزرگ تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ عذابِ استیصال سے بچ گئے تھے۔

دوسرا اہم نکتہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ بعض اوقات کسی داعی کے ساتھ ذاتی عناد اور دشمنی کی بنیاد پر کوئی شخص یا کوئی گروہ اس کی اصولی دعوت کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔ یہ انسانی رویے کا ایک بہت خطرناک پہلو ہے کیونکہ اس میں اس داعی کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا مگر صرف ذاتی تعصب کی بنیاد پر اس کی دعوت کو ٹھکرانے

والے خود کو برباد کر لیتے ہیں۔

آیت ۹۰ ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝۹۰﴾ ''اور استغفار کرو اپنے رب سے' پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً میرا رب رحیم بھی ہے' محبت فرمانے والا بھی۔''

اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو اور اُس کی طرف پلٹ آؤ۔ اُس کی عبادت اور اطاعت شعاری اختیار کرو تو تم اس کے دامنِ رحمت کو اپنے لیے وسیع پاؤ گے۔ وہ انتہائی رحم کرنے والا اور اپنی مخلوق سے محبت رکھنے والا ہے۔

آیت ۹۱ ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ ''انہوں نے کہا: اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں''

جب ذہنوں کے سانچے بگڑ جائیں اور سوچوں کے زاویے بدل جائیں تو پھر سیدھی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

﴿وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝۹۱﴾ ''اور ہم تو دیکھتے ہیں تمہیں اپنے درمیان ایک کمزور آدمی۔ اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں (کبھی کا) سنگسار کر چکے ہوتے' اور تم ہم پر غالب نہیں ہو۔''

یہاں پر ایک اہم نکتہ یہ سمجھ لیں کہ جس زمانے میں جو سورت نازل ہوئی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام ؓ کو پیش آنے والے معروضی حالات کے ساتھ تطابق پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی گزشتہ اقوام کے واقعات جو مختلف سورتوں میں تواتر کے ساتھ بار بار آئے ہیں یہ تکرارِ محض نہیں ہے' بلکہ حضور ﷺ کی دعوت و تحریک کو جس دور میں جن مسائل کا سامنا ہوتا تھا اس خاص دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں ان مسائل کی مناسبت سے پچھلی اقوام کے حالات و واقعات سے وہ باتیں نمایاں کی جاتی تھیں جن میں حضور ﷺ اور اہلِ ایمان کے لیے راہنمائی اور دلجوئی کا سامان موجود ہوتا۔ چنانچہ آیت زیرِ نظر میں حضرت شعیب علیہ السلام کے خاندان اور قبیلے کی حمایت کی بات اس لیے ہوئی ہے کہ ادھر مکہ میں حضور ﷺ کو بھی کچھ ایسے ہی حالات کا سامنا تھا۔ اُس زمانے میں بنو ہاشم کے سردار آپؐ کے چچا ابو طالب تھے جنہیں حضور ﷺ سے بہت محبت تھی اور آپؐ نے اپنے بچپن کا کچھ عرصہ ان کے سایۂ عاطفت میں گزارا تھا۔ انہی کی وجہ سے آپؐ کو پورے قبیلہ بنی ہاشم کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اگر اُس وقت بنو ہاشم کی سرداری کہیں ابولہب کے پاس ہوتی تو آپ ﷺ کو اپنے خاندان اور قبیلہ کی یہ حمایت حاصل نہ ہوتی' اس طرح مشرکین مکہ کو آپؐ کے خلاف (معاذ اللہ) کوئی انتہائی اقدام کرنے کا موقع مل جاتا۔ لہٰذا یہاں حالات میں تطابق اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آج مکہ میں بنو ہاشم کی حمایت سے محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک محفوظ قلعہ مہیا فرما دیا ہے' بالکل اسی نوعیت کی حفاظت اُس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اُن کے خاندان کی حمایت کی صورت میں بھی عطا فرمائی تھی۔

آیت ۹۲ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! کیا میرا خاندان تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے؟''

حقیقت میں میرا پشت پناہ تو اللہ ہے۔ تم اللہ سے نہیں ڈرتے‘ لیکن میرے خاندان سے ڈرتے ہو۔ کیا تمہارے نزدیک میرا خاندان اللہ سے زیادہ طاقتور ہے؟

﴿وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا﴾ ”اور اُس (اللہ) کو تو تم نے اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال رکھا ہے۔“

یعنی اللہ کو تو تم لوگوں نے بالکل ہی بھلا چھوڑا ہے‘ پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ انسانی نفسیات کا ایک اہم پہلو ہے۔ اگرچہ آج ہم بھی اللہ کو اپنا خالق‘ مالک اور معبود ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ساتھ ہی دنیا اور اس کے جھمیلوں میں اس قدر مگن رہتے ہیں کہ اللہ کا تصور مستحضر نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کاروبارِ دنیا میں حقیقی مسبب الاسباب کو بھلا کر اسباب وحقائق (cause and fact) کی منطقی بھول بھلیوں میں گم رہتے ہیں: ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنے خاندان کے مقابلے میں اللہ کا ذکر کرنا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ لوگ اللہ کو بخوبی جانتے تھے‘ اسی طرح مشرکین مکہ بھی اللہ کو مانتے تھے۔ گویا اللہ کا معاملہ ایسے لوگوں کے نزدیک آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم لوگ میرے خاندان سے ڈرتے ہو مگر اللہ سے نہیں ڈرتے! حضرت شعیب علیہ السلام کے اس جواب میں قریش کے لیے یہ پیغام مضمر ہے کہ تمہیں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہی جواب ہے۔

﴿اِنَّ رَبِّيۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿٩٢﴾﴾ ”یقیناً میرا رب تو اُس سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔“

اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا گھیراؤ کیے ہوئے ہے۔ تم اس کی گرفت سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے ہو۔

آیت ۹۳ ﴿وَيٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّيۡ عَامِلٌ﴾ ”اور اے میری قوم کے لوگو! تم کرو جو کچھ کر سکتے ہو اپنی جگہ پر‘ میں بھی کر رہا ہوں جو میں (اپنی جگہ پر) کر سکتا ہوں۔“

تم میرے خلاف جو بھی ریشہ دوانیاں کر سکتے ہو‘ جو بھی چالیں چل سکتے ہو اور جو اقدامات بھی کر سکتے ہو‘ کر گزرو۔ اپنے طور پر جو کچھ میں کر سکتا ہوں‘ جو کوشش مجھ سے بن آ رہی ہے میں کر رہا ہوں۔ یہ چیلنج کرنے کا انداز سورۃ الانعام سے چلا آ رہا ہے۔ یہ گویا مکہ کے حالات کے ساتھ تطابق کیا جا رہا ہے۔ مکہ میں حق و باطل کی کشمکش بھی اب انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اس کی وجہ سے آپؐ کی طبیعت کے اندر ایک طرح کی بیزاری پیدا ہو چکی تھی کہ اب جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو!

﴿سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَمَنۡ هُوَ كَاذِبٌ﴾ ”عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جو جھوٹا ہے!“

﴿وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّيۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ﴿٩٣﴾﴾ ”تم بھی انتظار کرو‘ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔“

آیت ۹۴ ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا﴾ ”پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو

ہم نے اپنی رحمت سے نجات دے دی شعیبؑ کو اور اُن لوگوں کو جو آپؑ کے ساتھ ایمان لائے تھے“

﴿وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴿۹۴﴾﴾ ”اور ظالموں کو آ پکڑا ایک زبردست کڑک نے‘ تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔“

آیت ۹۵ ﴿كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ﴿۹۵﴾﴾ ”جیسے کہ وہ کبھی ان میں آباد ہی نہیں تھے۔ آ گاہ ہو جاؤ پھٹکار ہے مدین پر‘ جیسے کہ ثمود پر پھٹکار ہوئی تھی۔“

اہل مدین بھی اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کا نشانہ بن کر اُسی طرح ہلاک ہو گئے جیسے قومِ ثمود ہلاک ہوئی تھی۔

اب آخر پر بہت مختصر انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

آیات ۹۶ تا ۹۹

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ﴿﴾ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿﴾

آیت ۹۶ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴿۹۶﴾﴾ ”اور ہم نے بھیجا موسیٰؑ کو اپنی آیات اور واضح سند کے ساتھ۔“

آیت ۹۷ ﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ﴿۹۷﴾﴾ ”فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف‘ لیکن انہوں نے فرعون ہی کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا معاملہ راستی والا نہیں تھا۔“

آیت ۹۸ ﴿یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ ”قیامت کے دن وہ آئے گا آگے چلتا ہوا اپنی قوم کے“

دنیا کی طرح قیامت کے دن بھی اسے قیادت کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ وہ آگے آگے ہوگا اور اس کی قوم پیچھے پیچھے آ رہی ہوگی‘ جیسے وہ لوگ دنیا میں اس کے پیچھے چلتے تھے۔

﴿فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴿۹۸﴾﴾ ”پھر وہ آگ کے گھاٹ پر انہیں اُتار دے گا۔ اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے جائیں گے۔“

جس طرح جانوروں کا کوئی گروہ پانی پینے کے لیے گھاٹ پر آتا ہے اور اُن کا لیڈر آگے آگے جا رہا ہوتا ہے ایسے ہی فرعون اپنی قوم کو جہنم کے گھاٹ پر لا اُتارے گا۔

آیت ۹۹ ﴿وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ﴿۹۹﴾﴾ ”اور اِس دنیا میں بھی لعنت اُن کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ بہت ہی بُرا ہے وہ انعام جو اُن کو ملنے والا ہے۔“

آیات ۱۰۰ تا ۱۰۹

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝١٠٠ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ
رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝١٠١ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ
اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝١٠٢ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ
مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝١٠٣ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝١٠٤ يَوْمَ يَاْتِ لَا
تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝١٠٥ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ
وَّشَهِيْقٌ ۝١٠٦ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝١٠٧ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝١٠٨ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ
مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝١٠٩ ع ۹

آیت ۱۰۰ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝١٠٠﴾ ’’یہ ہیں اُن بڑی بڑی بستیوں کی کچھ اہم خبریں جو ہم آپؐ کو سنا رہے ہیں‘ ان میں ایسی بھی ہیں جو ابھی قائم ہیں اور ایسی بھی ہیں جو بالکل ختم ہو گئیں۔‘‘

حَصِيْدٌ کا لفظ اس کھیت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی فصل کاٹ لی گئی ہو۔ فصل کے کٹنے کے بعد کھیت میں جو ویرانی کا منظر ہوتا ہے اس کے ساتھ عذابِ استیصال سے تباہ شدہ بستیوں کو تشبیہ دی گئی ہے۔ پھر ان بستیوں میں کچھ تو ایسی ہیں جن کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے مگر بعض ایسی بھی ہیں جن کے آثار کو باقی رکھا گیا ہے۔ مثلاً قومِ عاد کی آبادیوں کا کوئی نشان تک نہیں ملتا جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ قوم کہاں آباد تھی (اگرچہ حال ہی میں سیٹلائٹ کے ذریعے ان کے شہر اور شدّاد کی جنّت کے کچھ آثار زیرِ زمین ملنے کا دعویٰ سامنے آیا ہے)۔ دوسری طرف قومِ ثمود کے مکانات کے کھنڈرات آج تک موجود ہیں۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ ’’اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھایا‘‘

﴿فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ﴾

’’تو اُن کے کچھ بھی کام نہ آسکے ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے‘ جب آپؐ کے رب

کا حکم آ پہنچا۔‘‘

﴿وَمَا زَادُوْھُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ﴾ ’’اور انہوں نے کچھ اضافہ نہیں کیا اُن کے حق میں مگر بربادی ہی کا۔‘‘

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب استیصال کا حکم آ گیا تو ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آ سکے اور انہوں نے ان کی ہلاکت و بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔

آیت ۱۰۲ ﴿وَکَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَةٌ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) ایسے ہی ہوتی ہے پکڑ آپؐ کے رب کی‘ جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔‘‘

جب کسی بستی میں گناہ اور معصیت کا چلن عام ہو جاتا ہے تو وہ گویا ’’ظلم‘‘ کی مرتکب ہو کر عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے۔

﴿اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ ’’یقیناً اُس کی پکڑ بڑی دردناک بھی ہے اور بڑی سخت بھی۔‘‘

اللہ کی پکڑ کے بارے میں سورۃ البروج میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ﴾ ’’یقیناً تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔‘‘

آیت ۱۰۳ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ ’’یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہوں۔‘‘

﴿ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْھُوْدٌ﴾ ’’وہ ایک ایسا دن ہے جس میں لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہ دن ہے پیشی کا۔‘‘

آیت ۱۰۴ ﴿وَمَا نُؤَخِّرُہٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ ’’اور ہم اسے ایک وقتِ معیّن تک کے لیے مؤخر کیے ہوئے ہیں۔‘‘

اُس کے آنے کی ایک گھڑی معین ہے‘ جس کو باقاعدہ گن کر اور حساب لگا کر طے کیا گیا ہے۔

آیت ۱۰۵ ﴿یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْھُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ﴾ ’’جب وہ دن آ جائے گا تو کوئی متنفس بات نہیں کر سکے گا مگر اللہ کے اِذن سے‘ تو ان (انسانوں) میں سے کچھ شقی ہوں گے اور کچھ سعید۔‘‘

یعنی کچھ انسان بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔

آیت ۱۰۶ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّشَھِیْقٌ﴾ ’’تو وہ لوگ جو بدبخت ہیں وہ آگ میں ہوں گے جس میں انہیں چیخنا ہے اور دھاڑنا ہے۔‘‘

وہ لوگ درد اور کرب کی وجہ سے چیخ و پکار کریں گے اور پھنکارے ماریں گے۔

آیت ۱۰۷ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ ’’اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ رہیں آسمان اور زمین‘ سوائے اُس کے جو تیرا رب چاہے۔‘‘

یہ مقام مشکلات القرآن میں سے ہے۔ یہ قرآن کا واحد مقام ہے جہاں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ کے ساتھ کچھ استثناآت بھی آئے ہیں۔ جہنم اور جنت کب تک رہیں گی یا جہنمی اور جنتی لوگ ان میں کب تک رہیں گے؟ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کہ جب تک آسمان و زمین قائم رہیں گے۔ اِس سے مراد ابدیت بھی ہوسکتی ہے اور اس طرح کا کوئی اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ شاید کبھی کوئی ایسا وقت آئے جب زمین و آسمان کا وہ نظام بدل بھی جائے اور کوئی دوسرا نظام اس کی جگہ لے لے۔ واضح رہے کہ اس ''زمین و آسمان'' سے مراد بھی موجودہ زمین و آسمان نہیں ہوسکتے' اس لیے کہ از روئے الفاظِ قرآنی یہ تو قیامت کے روز بدل ڈالے جائیں گے اور یہاں قیامت کے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر اس میں بھی ایک استثناء بیان کیا گیا ہے: ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ﴾ ''سوائے اس کے جو تیرا رب چاہے''۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ خود ہی کسی کے عذاب میں تخفیف کرنا چاہے یا کسی کو ایک مدت تک عذاب دے کر جہنم سے نکالنے کا فیصلہ فرمائے تو اسے اس کا پورا اختیار ہے۔ جزاوسزا کے بارے میں بھی اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار مطلق ہے' لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ کفار کے لیے جہنم ابدی ٹھکانہ ہے۔ واللہ اعلم!

﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''بے شک آپؐ کا رب جو ارادہ کرے اسے کر گزرنے والا ہے۔''

آیت ۱۰۸ ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ﴾ ''اور جو لوگ نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش جب تک رہیں آسمان اور زمین' سوائے اس کے جو آپؐ کا رب چاہے۔''

﴿عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''یہ ایسی بخشش ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔''

ان آیات میں جنت اور جہنم کا جو موازنہ کیا گیا ہے اس میں جنت کے لیے ﴿عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ کے الفاظ اضافی طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ اس طرح کے لفظی فرق و تفاوت کا جب علماء و مفسرین باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں تو ان سے بڑے بڑے فلسفیانہ نکات پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جنّت اور جہنّم کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ اور شیخ ابنِ عربیؒ دونوں نے ایک رائے پیش کی ہے جو اہلِ سُنّت کے عام اجماعی عقیدے سے مختلف ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے درمیان اگرچہ بڑا نظریاتی بُعد ہے (امام ابن تیمیہؒ بعض اوقات شیخ محی الدّین ابنِ عربی پر تنقید کرتے ہوئے بہت سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں) مگر اس رائے میں دونوں کا اتفاق ہے کہ جنت تو ابدی ہے مگر جہنم ابدی نہیں ہے۔ ایک وقت آئے گا' چاہے وہ ارب ہا سال کے بعد آئے' جب جہنم ختم کر دی جائے گی۔ اس کے برعکس اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہی ہے کہ جنت اور جہنم دونوں ابدی ہیں۔ واللہ اعلم!

آیت ۱۰۹ ﴿فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ﴾ ''پس (اے نبی ﷺ!) آپ کسی شک میں نہ رہیں ان کے بارے میں جن کی یہ لوگ پُوجا کر رہے ہیں۔''

﴿مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''یہ لوگ نہیں پُوجا کر رہے ہیں مگر ایسے ہی جیسے کہ ان کے آباء واَجداد پُوجا کرتے رہے ہیں اس سے پہلے۔''

یہ تو بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔

﴿وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾﴾ ”اور یقیناً ہم اُن کو دینے والے ہیں اُن کا حصہ بغیر کسی کمی کے۔“

آیات ۱۱۰ تا ۱۲۳

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ
وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا
تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا
تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ
ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ
الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا
مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ
الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا
يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ
فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع ۱۴/۱۰

آیت ۱۱۰ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ﴾ ”اور موسیٰؑ کو ہم نے کتاب دی تھی پھر اس میں اختلاف پیدا کر دیے گئے۔“

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ”اور اگر طے نہ ہو چکی ہوتی ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی سے تو ان کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا۔“

﴿وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾﴾ ”اور (اب تو) یہ لوگ اس (تورات) کے بارے میں الجھا دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔“

یہ بات سورۃ الشوریٰ میں وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ ہر رسول کی اُمت اپنی الہامی کتاب کی وارث ہوتی ہے۔ پھر جب اس امت پر زوال آتا ہے تو اپنی اس کتاب کے بارے میں بھی ان کے ہاں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں کہ واقعتاً یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے بھی یا نہیں!

آیت ۱۱۱ ﴿وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا لازماً پورا پورا بدلہ دے گا۔''

﴿اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱۱﴾ ''یقیناً وہ باخبر ہے اس سے جو عمل یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۱۲ ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ڈٹے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور وہ بھی جنہوں نے توبہ کی ہے آپ کے ساتھ''

آپ ﷺ کے ساتھ وہ لوگ بھی صبر و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں جو شرک سے باز آئے ہیں' جنہوں نے کفر کو چھوڑا ہے اور آپؐ کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔

﴿وَلَا تَطْغَوْا ؕ﴾ ''اور تم لوگ حد سے تجاوز نہ کرو۔''

تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منکرینِ حق پر جلد عذاب لے آنے کی خواہش کریں اور یہ بھی کہ چاروں طرف سے ان لوگوں کی مخالفت کے سبب کسی لمحے غصے میں آ جائیں اور حلم و بردباری کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔

﴿اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۲﴾ ''یقیناً وہ تم لوگوں کے سب اعمال دیکھ رہا ہے۔''

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال بھی دیکھ رہا ہے اور جو کچھ تمہارے مخالفین کر رہے ہیں ان کی تمام حرکتیں بھی اس کے علم میں ہیں۔ اس لیے اس کے ہاں سے تمہیں تمہارا اجر و ثواب ملے گا' اور اُن لوگوں کو ان کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''اور کوئی جھکاؤ پیدا نہ کرنا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا''

یہ خالص حق اور باطل کی کش مکش ہے' اس میں کہیں کوئی رشتہ داری کا معاملہ' کوئی پرانے مراسم' قبیلے کی محبت وغیرہ عوامل تم لوگوں کو کسی لمحے ان کی طرف جھکنے پر مائل نہ کریں۔

﴿فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۳﴾ ''(اگر ایسا ہوا) تو تمہیں آگ پکڑ لے گی' پھر تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہیں ہوں گے' پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔''

آیت ۱۱۴ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) نماز کو قائم رکھیے دن کے دونوں سروں پر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں۔''

دن کے دونوں سروں پر فجر اور عصر کے اوقات ہیں جبکہ رات میں مغرب اور عشاء شامل ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ پانچ نمازوں کا موجودہ نظام گیارہ نبویؐ میں معراج کے بعد قائم ہوا ہے۔ اس سے پہلے مکی دور میں تقریباً

ساڑھے دس برس تک نمازوں کے بارے میں جو احکام نازل ہوئے وہ اسی نوعیت کے ہیں۔ یہاں ایک نکتہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں کہ حضور ﷺ سے اس انداز میں صیغۂ واحد میں جو خطاب کیا جاتا ہے، وہ دراصل آپ ﷺ کی وساطت سے امت کو حکم دینا مقصود ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''یقیناً نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاددہانی ہے یاد رکھنے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''اور صبر کیجیے، یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

آیت ۱۱۶ ﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ﴾ ''تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ تم سے پہلے کی قوموں میں حق کے ایسے علمبردار ہوتے جو (اپنی اپنی قوموں کے لوگوں کو) روکتے زمین میں فساد مچانے سے''

﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ﴾ ''مگر بہت تھوڑے لوگ ایسے تھے، جنہیں ہم نے اُن میں سے بچالیا۔''

یہ بات قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ حق کے علمبردار، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرنے والے لوگ جہاں بھی ہوں، جس قوم سے بھی ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ انہیں اپنی رحمت خاص سے بچالیتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور پیچھے پڑے رہے وہ ظالم ان عیش و آرام کی چیزوں کے جو انہیں دی گئی تھیں اور وہ مجرم تھے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے جبکہ ان میں بسنے والے لوگ اصلاح کرنے والے ہوں۔''

ایسا نہیں ہوتا کہ کسی علاقے، کسی ملک یا شہر میں اچھے کردار کے حامل، اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں سرگرم لوگوں کی اکثریت ہو اور اللہ پھر بھی اس بستی پر عذاب بھیج دے۔

آیت ۱۱۸ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام نوعِ انسانی کو ایک ہی اُمت بنا دیتا، لیکن وہ تو اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔''

جہاں کہیں بھی لوگ اکٹھے مل جل کر رہ رہے ہوں گے ان میں اختلافِ رائے کا ہونا بالکل فطری بات ہے۔ مختلف لوگوں کی مختلف سوچ ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا نقطہ نظر ہے اور اس کے لیے اپنا اپنا استدلال ہے۔ اسی کے مطابق ان کے نظریات ہیں اور اسی کے مطابق ان کے اعمال و افعال۔ جب تک یہ استدلال علم اور قرآن و سنت کی بنیاد پر ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ یہ اختلاف کی حد تک رہے اور تفرقہ کی صورت اختیار نہ کرے اور ''من دیگرم تو دیگری'' والا معاملہ نہ ہو۔

اس نکتہ کو یوں بھی سمجھنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما دونوں نے قرآن وسنت سے استدلال کیا ہے، مگر بعض اوقات دونوں بزرگوں کی آراء میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر ایسے اہل علم حضرات کے ہاں ایسا اختلاف کبھی بھی نزاع اور تفرقہ بازی کا باعث نہیں بنتا۔ ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو دنیا کی رونق اور خوبصورتی بھی اسی تنوع اور اختلاف سے قائم ہے۔ ؎

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!

اگر دنیا میں یکسانیت (monotany) ہی ہو تو انسان کی طبیعت اس سے اکتا جائے۔

آیت ۱۱۹ ﴿اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّکَ ؕ وَ لِذٰلِکَ خَلَقَہُمۡ ؕ﴾ ''سوائے اُس کے کہ جس پر آپؐ کا رب رحم فرما دے۔ اور اسی لیے اُس نے انہیں پیدا کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کے اندر یہ اختلاف اور تنوع خود رکھا ہے۔ دنیا میں اربوں انسان ہیں مگر ان میں کوئی سے دو انسانوں کے مزاج، شکل وصورت اور آواز حتیٰ کہ انگلیوں کے نشانات آپس میں نہیں ملتے۔ لہٰذا اللہ انسانوں کو پیدا ہی اسی انداز پر کرتا ہے کہ ان میں تنوع اور انفرادیت قائم رہے۔ ایک حدیثِ نبویؐ کی رو سے انسان بھی معدنیات کی طرح ہیں۔ چنانچہ جس طرح معدنیات کی بے شمار اقسام ہیں مگر ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور اپنی پہچان ہے، یہی معاملہ انسانوں کا ہے۔

﴿وَ تَمَّتۡ کَلِمَۃُ رَبِّکَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اور آپؐ کے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر کر رہوں گا۔''

یعنی تمام مشرک، سرکش، نافرمان اور گناہگار جنوں اور انسانوں کو اکٹھا کر کے جہنم کا ایندھن بناؤں گا اور یوں ان سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اُس نے جنت بنائی ہے تو اسے بھی آباد کرنا ہے اور جہنم بنائی ہے تو اُسے بھی ایندھن فراہم کرنا ہے۔

آیت ۱۲۰ ﴿وَ کُلًّا نَّقُصُّ عَلَیۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم رسولوں کی خبروں میں سے ہر ایک آپ کو سنا رہے ہیں''

یہ ''انباء الرسل'' کی وہی اصطلاح ہے جس کا ذکر قبل ازیں بار بار ہوا ہے۔ حضرت نُوحؑ، حضرت ہُودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لُوطؑ، حضرت شعیب اور حضرت مُوسیٰ علیہم السلام کے حالات ہم آپؐ کو بار بار اس لیے سنا رہے ہیں:

﴿مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ ۚ﴾ ''(تاکہ) مضبوط رکھیں ہم اس کے ساتھ آپؐ کا دل۔''

تاکہ ان واقعات کو سن کر آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے دلوں میں اطمینان بڑھے اور استقامت میں اضافہ ہو۔ ان واقعات کے ذریعے سے ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مکہ میں آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ جب بھی کوئی رسولؑ کسی قوم کی طرف مبعوث ہوا اور اسے دعوتِ حق پیش کی تو اس کی مخالفت اسی شد ومد سے ہوئی۔ انبیاء ورسل اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ

ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر جس طرح ہم نے ہر بار اہلِ حق کی مدد کی اور بالآخر کامیاب وہی ہوئے ‘اسی طرح اب بھی حق و باطل کی اس جاں گسل کشمکش میں بول بالا حق ہی کا ہو گا‘ اور آخر کار فتح آپ ؐ کی اور آپؐ کے ساتھیوں ہی کی ہوگی۔

﴿وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۲۰﴾﴾ ”اور اس میں آپ ؐ کے پاس حق آیا ہے اور مؤمنین کے لیے اس میں نصیحت اور یاددہانی ہے۔“

یعنی اس قرآن میں یا اس سورت میں یا ان واقعات میں حق اور باطل کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے اور مؤمنین کے لیے نصیحت اور یاددہانی کا سامان بھی فراہم کر دیا گیا ہے۔

آیت ۱۲۱ ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴿۱۲۱﴾﴾ ”اور کہہ دیجیے ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی جگہ پر کرو (جو کر سکتے ہو) ہم بھی کر رہے ہیں (جو کچھ ہم کر سکتے ہیں)۔“

یعنی تم میری مخالفت اور دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرو‘ اس ضمن میں جو کر سکتے ہو بے شک میرے خلاف کر گزرو‘ تم اپنے طریقے پر چلتے رہو‘ ہم اپنی روش پر چلتے رہیں گے۔

آیت ۱۲۲ ﴿وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴿۱۲۲﴾﴾ ”اور تم بھی انتظار کرو‘ ہم بھی منتظر ہیں۔“

کہ اللہ کی طرف سے آخری فیصلہ کیا آتا ہے۔

آیت ۱۲۳ ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ ”اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی چیزیں اور کُل کا کُل معاملہ اُسی کی جانب لوٹا دیا جائے گا“

﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۳﴾﴾ ”تو آپؐ اُسی کی عبادت کریں اور اُسی پر توکل کریں۔ اور یقیناً آپؐ کا رب غافل نہیں ہے اس سے جو تم لوگ کر رہے ہو۔“

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وإيّاكم بالآيات والذّكر الحكيم○○

سُورۃ یُوسُف

تمہیدی کلمات

چودہ مکی سورتوں (سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون) پر مشتمل اس طویل سلسلے میں تین تین سورتوں کے جو ذیلی گروپس ہیں' سورۂ یوسف ان میں سے پہلے ذیلی گروپ کا حصہ ہے' لیکن اس سورت کو اپنے مضمون اور خاص انداز کی بنا پر پہلی دو سورتوں (سورۂ یونس اور سورۂ ہود) کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سورۂ یوسف پورے قرآن مجید میں اپنے انداز کی ایک بالکل منفرد سورت ہے۔ اس کی ہلکی سی مشابہت صرف سورۂ طٰہٰ کے ساتھ ہے۔ سورۂ طٰہٰ بھی سورۂ یوسف کی طرح صرف ایک رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ ان دونوں سورتوں میں اس کے علاوہ ایک معنوی نسبت یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اور آپؑ کی وساطت سے بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تھے' جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آپؑ کے ذریعے سے وہ لوگ وہاں سے نکلے تھے۔

اس سے پہلے مکی سورتوں میں انباء الرسل کا مضمون بہت شدّ و مدّ کے ساتھ بیان ہوا ہے' جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قِصَصُ النَّبِیّین کے انداز میں آیا ہے' پہلے سورۃ الانعام میں اور پھر سورۂ ہود میں۔ مگر سورۂ یوسف قِصَصُ النَّبِیّین کے اعتبار سے بھی یوں منفرد ہے کہ پوری سورت ایک ہی نبی کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس پورے قصے میں انباء الرسل کے انداز کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ یعنی اس طرح کا کوئی اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے' یا پھر انہوں نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دینے کے بعد کہا ہو کہ اگر تم میری اس دعوت کو نہیں مانو گے تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔ پوری سورت میں ہمیں ان کی طرف سے جابجا دعوت کی مثالیں ملتی ہیں مگر وہ ایک مصلح کے انداز میں تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سے نبی اور رسول کے مابین فرق بھی واضح ہو جاتا ہے۔ رسولوں کے حالات کے ضمن میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ ایک رسول کی بعثت تعین کے ساتھ جس قوم کی طرف ہوتی تھی وہ انہیں اللہ واحد کی بندگی اور اپنی اطاعت کا حکم دیتا تھا: ﴿اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۳﴾ (نوح) ''کہ تم اللہ کی بندگی کرو' اُس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو''۔ اور اگر وہ قوم اپنے رسول کی دعوت کو ردّ کرتی چلی جاتی تھی تو بالآخر اُس قوم پر اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہو جاتا تھا اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا تھا ـــــ لیکن نبی کا معاملہ اولیاء اللہ کی طرح ہوتا تھا۔ وہ اپنے معاشرے میں توحید کی دعوت دیتا' کفر و شرک اور بدعات سے اجتناب کی تلقین کرتا اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتا۔ بنی اسرائیل میں انبیاء کرام علیہم السلام تسلسل کے ساتھ آتے رہے ہیں' لیکن رسول معدودے چند تھے۔ اُمّتِ مسلمہ

میں بڑے بڑے اولیاءِ کرام رحمہم اللہ پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے عظیم الشان دعوتی اور تجدیدی خدمات انجام دی ہیں' لیکن وحی کا دروازہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد بند ہو چکا ہے۔

اس سورت کے نزول اور اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی اس قدر تفصیل بیان کرنے کا بنیادی سبب تو یہ ہے کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی خبریں جب یہودِ مدینہ تک پہنچیں تو انہوں نے تورات کی معلومات کی بنیاد پر شرارتاً مشرکینِ مکہ کو مختلف سوالات بھیجنے شروع کر دیے' جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے رہتے تھے۔ ان سوالات میں ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں آپؐ یہ واقعات تو بیان کر رہے ہیں کہ مصر میں فرعون اُن پر ظلم کرتا تھا اور وہاں وہ غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور پھر حضرت موسیٰ اُن کو وہاں سے نکال کر لے گئے' مگر بنی اسرائیل کے جدِامجد حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام تو فلسطین میں آباد تھے' ان کے بارے میں یہ بھی بتائیں کہ وہاں سے یہ لوگ مصر میں کیسے پہنچ گئے؟ یہ تاریخ کا ایک سوال تھا' جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ پورا واقعہ اس سورت میں بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان فرما دیا' بلکہ اس قصے کو قریش کے اس طرزِ عمل پر بھی منطبق کر دیا جو وہ برادرانِ یوسف کی مانند نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھے۔

میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ قرآن حکیم کے ساتھ میرا جو ذہنی وقلبی رشتہ اور معنوی ربط وتعلق قائم ہوا اس کا نقطۂ آغاز یہی سورۂ یوسف بنی' جب میں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے اس کی تفسیر کا مطالعہ کیا۔ میں نے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا ہی تھا کہ مشرقی پنجاب میں فسادات شروع ہو گئے اور مسلمانوں کا قتل عام ہونے لگا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک ہم اپنے شہر حصار میں محصور رہے۔ ہم نے اپنی حفاظت کے لیے مورچے قائم کر لیے تھے' جن میں شہر کے نوجوان اپنی باری سے ڈیوٹی دیتے۔ فارغ وقت میں' میں اور میرے بڑے بھائی اظہار احمد ایک مسجد میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے۔ اُن دنوں مولانا مودودیؒ کے ماہنامہ ترجمان القرآن میں ''تفہیم القرآن'' کے سلسلے میں سورۂ یوسف کی تفسیر شائع ہو رہی تھی۔ میں نے بھی میٹرک میں عربی کا مضمون رکھا تھا اور بھائی جان نے بھی جب میٹرک کیا تھا تو عربی پڑھی تھی۔ چنانچہ ہم مل کر سورۂ یوسف کی تفسیر کا مطالعہ کرتے اور اس پر باہم مذاکرہ کرتے۔ قرآن حکیم کی تلاوت اور ترجمے کی مدد سے اس کو سمجھنے کا معاملہ تو پہلے سے ہی تھا' لیکن اس تفسیری مطالعے اور مذاکرے سے قرآن حکیم کے ساتھ ذہنی وقلبی رشتہ استوار ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۶

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ
عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ

لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ۝۳ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۝۴ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ
كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۵ وَكَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ مِنْ
تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ
اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۝۶ ع

آیت ۱ ﴿الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ۝۱﴾ ”ا ل ر۔ یہ ایک روشن کتاب کی آیات ہیں۔“
یہ اُس کتاب روشن کی آیات ہیں جو اپنا مدّعا واضح طور پر بیان کرتی ہے اور کوئی ابہام باقی نہیں رہنے دیتی۔

آیت ۲ ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا﴾ ”ہم نے اس کو نازل کیا ہے عربی قرآن بنا کر“
یعنی وہ قرآن جو اُمّ الکتاب اور لوحِ محفوظ میں ہمارے پاس ہے‘ اس کو ہم نے قرآنِ عربی بنا کر محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا ہے۔

﴿لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۲﴾ ”تاکہ تم لوگ اسے اچھی طرح سے سمجھ سکو۔“
یہ خطاب عرب کے اُمّیّین سے ہے کہ ہمارے آخری رسول ﷺ کی اوّلین بعثت تمہاری طرف ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کے مخاطبین اولین تم لوگ ہو۔ چنانچہ ہم نے قرآن کو تمہاری اپنی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم لوگ اسے اچھی طرح سمجھ سکو۔

آیت ۳ ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ہم آپ کو سنانے لگے ہیں بہترین بیان“
قَصَص (ق کی زبر کے ساتھ) یہاں بطور مصدر آیا ہے اور اس کے معنی ہیں ”بیان“۔ اگر لفظ قِصَص (ق کی زیر کے ساتھ) ہوتا تو قصہ کی جمع کے معنی دیتا‘ اور اس صورت میں اس کا ترجمہ یوں ہوتا کہ ہم آپ ﷺ کو بہترین قصہ سنا رہے ہیں۔

﴿بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖۗ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ۝۳﴾ ”اس قرآن کے ساتھ جو ہم نے آپؐ کی طرف وحی کیا ہے‘ اور یقیناً آپؐ اس سے پہلے (اس سے) ناواقف تھے۔“
یعنی قرآن میں اس وحی (سورت) کے نزول سے پہلے آپ ﷺ اس واقعہ سے واقف نہیں تھے۔

آیت ۴ ﴿اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ﴾ ”جب یوسفؑ نے اپنے والد (یعقوبؑ) سے کہا“
حضرت یعقوب علیہ السلام کی بڑی بیوی سے آپؑ کے دس بیٹے تھے اور وہ سب کے سب اُس وقت تک جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے‘ جبکہ آپؑ کے دو بیٹے (یوسفؑ اور بن یامین) آپؑ کی چھوٹی بیوی سے تھے۔ اِن میں حضرت یوسفؑ بڑے تھے‘ مگر ابھی یہ دونوں ہی کم سِن تھے۔

﴿یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۝۴﴾

''ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو' میں نے اُن کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۵ ﴿قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ اس خواب میں یوسفؑ کے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ کے بارے میں کوئی اشارہ ہے اور شاید اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے کے لیے کوئی خاص فضیلت ظاہر کرنے والا ہے۔

﴿فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ﴾ ''ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔''

ممکن ہے وہ لوگ خواب سن کر اس میں واضح اشارے کو بھانپ لیں تو ان کے اندر حسد کی آگ بھڑک اُٹھے اور پھر وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں' تمہیں گزند پہنچانے کی کوشش کریں۔

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۵﴾ ''یقیناً شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

وہ دشمنی میں کسی کو بھی کسی بھی وقت' کوئی بھی پٹی پڑھا سکتا ہے۔

آیت ۶ ﴿وَكَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ﴾ ''اور اسی طرح تمہارا ربّ تمہیں منتخب کرے گا''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ میرے بیٹوں میں سے یوسفؑ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لیے چن لیا ہے۔

﴿وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ﴾ ''اور تمہیں سکھائے گا تاویل الاحادیث میں سے (علم)''

یہاں پر تاویل حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک خوابوں کی تعبیر اور دوسرے معاملہ فہمی اور دور بینی' باتوں کی کُنہ (تہ) تک پہنچ جانا' حقیقت تک رسائی ہو جانا۔

﴿وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓی اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ﴾

''اور اِتمام فرمائے گا اپنی نعمت کا تجھ پر اور آلِ یعقوبؑ پر جس طرح اُس نے اس سے پہلے اپنی نعمت کا اِتمام فرمایا تیرے آباء واَجداد ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر۔''

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کسرِ نفسی کے سبب حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے ساتھ اپنا نام نہیں لیا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۶﴾ ''یقیناً تیرا رب جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

آیات ۷ تا ۲۰

لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝۷ اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ۝۸ ۚ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ۝۹ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا
لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ
لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ
غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ
وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ
عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى
قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ
الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ
يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ
دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع۲

آیت ۷ ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۷﴾﴾ ''یقیناً یوسفؑ اور آپؑ کے بھائیوں (کے قصے) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔''

یعنی جن لوگوں (قریشِ مکہ) نے یہ سوال پوچھا ہے اور جن لوگوں (یہودِ مدینہ) کے کہنے پر پوچھا ہے' ان سب کے لیے اس قصے میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر وہ صرف اس ایک قصے کو حقیقت کی نظروں سے دیکھیں اور اس پر غور کریں تو بہت سے حقائق نکھر کر ان کے سامنے آ جائیں گے۔

آیت ۸ ﴿اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ﴾ ''جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں۔''

برادرانِ یوسف نے کہا کہ ہم پورے دس لوگ ہیں' سب کے سب جوان اور طاقتور ہیں' خاندان کی شان تو ہمارے دم قدم سے ہے (قبائلی زندگی میں نوجوان بیٹوں کی تعداد پر ہی کسی خاندان کی شان و شوکت اور قوت و طاقت کا انحصار ہوتا ہے) لیکن ہمارے والد ہمیں نظر انداز کر کے ان دو چھوٹے بچوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ﴿۸﴾﴾ ''یقیناً ہمارے والد صریح غلطی پر ہیں۔''

آیت ۹ ﴿اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ﴾ ''(چنانچہ) قتل کر دو یوسف کو یا اسے پھینک آؤ (دور) کسی علاقے میں تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے''

یوسف چونکہ ان دونوں میں بڑا ہے' اس لیے وہی والد صاحب کی ساری توجہ اور عنایات کا مرکز و محور بنا ہوا ہے' چنانچہ جب یہ نہیں رہے گا تو لامحالہ والد صاحب کی تمام تر شفقت اور مہربانی ہمارے لیے ہی ہو گی۔

﴿وَتَكُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ قَوۡمًا صٰلِحِيۡنَ ۝۹﴾ ’’اور پھر اس کے بعد نیک بن جانا۔‘‘

اس فقرے میں اُن کے نفس اور ضمیر کی کشمکش کی جھلک صاف نظر آ رہی ہے۔ ضمیر تو مسلسل ملامت کر رہا تھا کہ یہ کیا کرنے لگے ہو؟ اپنے بھائی کو قتل کرنا چاہتے ہو؟ یہ تمہاری سوچ درست نہیں ہے! لیکن عام طور پر ایسے مواقع پر انسان کا نفس اس کے ضمیر پر غالب آ جاتا ہے‘ جیسا کہ ہم نے سورۃ المائدۃ‘ آیت ۳۰ میں ہابیل اور قابیل کے سلسلے میں پڑھا تھا: ﴿فَطَوَّعَتۡ لَهٗ نَفۡسُهٗ قَتۡلَ اَخِيۡهِ﴾ ’’پس قابیل کے نفس نے اُسے آمادہ کر ہی لیا اپنے بھائی کے قتل کرنے پر۔‘‘

اسی طرح ان لوگوں نے بھی اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر آپس میں مشورہ کیا کہ ایک دفعہ یہ کڑوا گھونٹ حلق سے اتار لو‘ پھر اس کے بعد توبہ کر کے اور کفارہ وغیرہ ادا کر کے کسی نہ کسی طرح اس جرم کی تلافی کر دیں گے اور باقی زندگی نیک بن کر رہیں گے۔

آیت ۱۰ ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ﴾ ’’کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہ یوسف کو قتل مت کرو‘‘

یہ شریف النفس انسان اُن کے سب سے بڑے بھائی تھے جنہوں نے یہ مشورہ دیا۔ ان کا نام یہودا تھا‘ اور انہی کے نام پر لفظ ’’یہودی‘‘ بنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اصل مسئلہ تو اس سے پیچھا چھڑانے کا ہے‘ لہٰذا ضروری نہیں کہ قتل جیسا گناہ کر کے ہی یہ مقصد حاصل کیا جائے‘ اس کے لیے کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

﴿وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ﴾ ’’اور ڈال آؤ اسے کسی باؤلی کے طاقچے میں‘ اٹھا لے جائے گا اس کو کوئی قافلہ‘‘

پرانے زمانے کے کنویں کی ایک خاص قسم کو باؤلی کہا جاتا تھا‘ اس کا منہ کھلا ہوتا تھا لیکن گہرائی میں یہ تدریجاً تنگ ہوتا جاتا تھا۔ پانی کی سطح کے قریب اس کی دیوار میں طاقچے سے بنائے جاتے تھے۔ اس طرح کی باؤلیاں پرانے زمانے میں قافلوں کے راستوں پر بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس مشورے پر عمل کی صورت میں قوی امکان تھا کہ کسی قافلے کا ادھر سے گزر ہوگا اور قافلے والے یوسف کو باؤلی سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ بڑے بھائی کے اس مشورے کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ اس طرح کم از کم یوسف کی جان بچ جائے گی اور ہم بھی اس کے خون سے ہاتھ رنگنے کے جرم کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ۝۱۰﴾ ’’اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو۔‘‘

جب نو بھائی اس بات پر پوری طرح تُل گئے کہ یوسف سے بہر حال چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو دسواں بھائی ان کو اس حرکت سے بالکل منع تو نہیں کر سکا‘ لیکن اس نے کوشش کی کہ کم از کم وہ لوگ یوسف کو قتل کرنے سے باز رہیں۔

آیت ۱۱ ﴿قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ۝۱۱﴾ ’’انہوں نے کہا: اباجان! کیا وجہ ہے کہ آپؑ ہم پر بھروسہ نہیں کرتے یوسف کے معاملے میں‘ حالانکہ ہم تو اس کے بڑے خیر خواہ ہیں۔‘‘

آیت ۱۲ ﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ ''کل ذرا اسے ہمارے ساتھ بھیجئے' وہ کچھ چرچگ لے گا اور کھیلے کودے گا' اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

انہوں نے کہا کہ ہم کل شکار پر جا رہے ہیں' آپؑ یوسف کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ وہاں یہ درختوں سے پھل وغیرہ کھائے گا اور کھیل کود سے بھی دل بہلائے گا۔ آپؑ اس کی طرف سے بالکل فکرمند نہ ہوں' ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

آیت ۱۳ ﴿قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا: مجھے یہ بات اندیشہ میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ' اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے جبکہ تم اس سے غافل ہو جاؤ۔''

مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ وہ تمہارے ساتھ چلا جائے' پھر تم لوگ اپنی مصروفیات میں منہمک ہو جاؤ' اس طرح وہ جنگل میں اکیلا رہ جائے اور کوئی بھیڑیا اسے پھاڑ کھائے۔

آیت ۱۴ ﴿قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ اگر (ہمارے ہوتے ہوئے) اسے بھیڑیا کھا گیا جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں' تب تو ہم بہت ہی نکمے ثابت ہوں گے۔''

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے جیسے دس کڑیل جوانوں کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے' ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ﴾ ''پھر جب وہ اس کو لے گئے اور سب اس پر متفق ہو گئے کہ اسے ڈال دیں باؤلی کے طاقچے میں۔''

یہاں پر اَجْمَعُوْٓا کے بعد عَلٰی کا صلہ محذوف ہے' یعنی اس منصوبے پر وہ سب کے سب جمع ہو گئے' انہوں نے اس رائے پر اتفاق کر لیا۔

﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ ''اور ہم نے (اُس وقت) وحی کی یوسف کو کہ تم (ایک دن) اُن کو ان کی یہ حرکت ضرور جتلاؤ گے اور انہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہوگا۔''

یہ بات الہام کی صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ڈالی گئی ہوگی' کیونکہ ابھی آپؑ کی عمر نبوت کی تو نہیں تھی کہ باقاعدہ وحی ہوتی۔ بہرحال آپؑ پر یہ الہام کیا گیا کہ ایک دن تم اپنے ان بھائیوں کو یہ بات اُس وقت جتلاؤ گے جب انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا۔ اس چھوٹے سے فقرے میں جو بلاغت ہے اس کا جواب نہیں۔ چند الفاظ کے اندر حضرت یوسفؑ کی تسلی کے لیے گویا پوری داستان بیان کر دی گئی ہے کہ تمہاری جان کو خطرہ نہیں ہے' تم نہ صرف اس مشکل صورتِ حال سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ گے بلکہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب تم اس قابل ہو گے کہ اپنے ان بھائیوں کو اُن کا یہ سلوک جتلا سکو۔

آیت ۱۶ ﴿وَجَآءُوۡۤ اَبَاهُمۡ عِشَآءً یَّبۡكُوۡنَ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور وہ آئے اپنے والد کے پاس شام کو روتے ہوئے۔''

آیت ۱۷ ﴿قَالُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا یُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا﴾ ''انہوں نے کہا: ابا جان! ہم جا کر دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے اور ہم نے چھوڑ دیا تھا یوسف کو اپنے سامان کے پاس''

ہم نے اپنا اضافی سامان اکٹھا کر کے ایک جگہ رکھا اور اس سامان کے پاس ہم نے یوسفؑ کو چھوڑ دیا تھا۔ خود ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے۔

﴿فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''تو اُسے کھا لیا ایک بھیڑیے نے۔ اور آپؑ ہماری بات مانیں گے تو نہیں' خواہ ہم کتنے ہی سچے ہوں۔''

آیت ۱۸ ﴿وَجَآءُوۡ عَلٰی قَمِیۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ﴾ ''اور وہ اُس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔''

﴿قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ﴾ ''حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: (واقعہ یوں نہیں) بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا ہے۔''

ان کی بات سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں' بات کچھ اور ہے۔ یہ بات جو تم بتا رہے ہو یہ تو تمہارے جی کی گھڑی ہوئی ایک بات ہے۔ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک بڑی بات کو ہلکا کر کے پیش کیا ہے اور تم لوگوں نے کوئی بہت بڑا غلط اقدام کیا ہے۔

﴿فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''اب صبر ہی بہتر ہے' اور اللہ ہی کی مدد طلب کی جا سکتی ہے اس پر جو تم بیان کر رہے ہو۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام اکیلے تھے' بوڑھے تھے اور دوسری طرف دس جوان بیٹے' اس صورتِ حال میں اور کیا کہتے؟

آیت ۱۹ ﴿وَجَآءَتۡ سَیَّارَةٌ فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَهُمۡ﴾ ''اور (کچھ عرصہ بعد) ایک قافلہ آیا تو انہوں نے بھیجا اپنے آگے چلنے والے کو''

جب قافلے چلتے تھے تو ایک آدمی قافلے کے آگے آگے چلتا تھا۔ وہ قافلے کے پڑاؤ کے لیے جگہ کا انتخاب کرتا اور پانی وغیرہ کے انتظام کا جائزہ لیتا۔ قافلے والوں نے اس ڈیوٹی پر مامور شخص کو بھیجا کہ وہ جا کر پانی کا کھوج لگائے۔ اس شخص نے باؤلی دیکھی تو پانی نکالنے کی تدبیر کرنے لگا۔

﴿فَاَدۡلٰی دَلۡوَهٗ ؕ﴾ ''تو اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔''

حضرت یوسفؑ نے اس کے ڈول کو پکڑ لیا۔ اس نے جب ڈول کھینچا اور حضرت یوسفؑ کو دیکھا تو:

﴿قَالَ یٰبُشۡرٰی هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوۡهُ بِضَاعَةً ؕ﴾ ''وہ پکار اٹھا کہ خوشخبری ہو! یہ تو ایک لڑکا ہے۔ اور انہوں نے اسے چھپا لیا' ایک پونجی سمجھ کر۔''

کہ بہت خوبصورت لڑکا ہے' بیچیں گے تو اچھے دام ملیں گے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ’’اور اللہ خوب جانتا تھا جو وہ کر رہے تھے۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ’’اور (مصر پہنچ کر) انہوں نے بیچ دیا اس کو بڑی تھوڑی سی قیمت پر چند درہم کے عوض‘ اور وہ تھے اس کے معاملے میں بہت ہی قناعت پسند۔‘‘

اگرچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مالِ تجارت سمجھ کر چھپایا تھا‘ مگر مصر پہنچ کر بالکل ہی معمولی قیمت پر فروخت کر دیا۔ اس زمانے میں درہم ایک دینار کا چوتھا حصہ ہوتا تھا۔ گویا انہوں نے چند چونّیوں کے عوض آپؑ کو بیچ دیا۔ اس لیے کہ آپؑ کے بارے میں اُس وقت تک انہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس کی دو وجوہات تھیں‘ ایک تو آپؑ ان کے لیے مفت کا مال تھے جس پر ان لوگوں کا کوئی سرمایہ وغیرہ نہیں لگا تھا‘ لہٰذا جو مل گیا انہوں نے اسے غنیمت جانا۔ دوسرے ان لوگوں کو آپؑ کی طرف سے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ لڑکے کے وارث آ کر کہیں اسے پہچان نہ لیں اور ان پر چوری کا الزام نہ لگ جائے۔ لہٰذا وہ جلد از جلد آپؑ کے معاملے سے جان چھڑانا چاہتے تھے۔

آیات ۲۱ تا ۲۹

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ
وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ
غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ
وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾
وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ
وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا
سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ
مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ
عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۳ ۹ ۱۳

آیت ۲۱ ﴿وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ

وَلَدًا ؕ﴾ ’’اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو خریدا‘ (اس نے) اپنی بیوی سے کہا: اس کو اچھے طریقے سے رکھنا‘ ہوسکتا ہے یہ ہمارے لیے نفع بخش ہو یا پھر ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔‘‘

وہ شخص مصر کی حکومت میں بہت اعلیٰ منصب (عزیز مصر) پر فائز تھا۔ حضرت یوسفؑ کو بیٹا بنانے کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کے ہاں اولاد نہیں تھی۔

﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۫﴾ ’’اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو اس ملک میں تمکّن عطا کیا‘‘

اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس دور کی متمدّن ترین مملکت میں پہنچا دیا اور وہاں آپؑ کی رہائش کا بندوبست بھی کیا تو کسی جھونپڑی میں نہیں بلکہ ملک کے ایک بہت بڑے‘ صاحبِ حیثیت شخص کے گھر میں‘ اور وہ بھی محض ایک غلام کے طور پر نہیں بلکہ خصوصی عزّت واکرام کے انداز میں۔

﴿وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ﴾ ’’اور تاکہ ہم اس کو سکھائیں باتوں کی تہہ تک پہنچنے کا علم۔‘‘

یعنی عزیز مصر کے گھر میں آپؑ کو جگہ بنا کر دینے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہاں آپؑ کو ’’معاملہ فہمی‘‘ کی تربیت فراہم کی جائے۔ عزیز مصر کا گھر ایک طرح کا سیکریٹریٹ ہوگا جہاں آئے دن انتہائی اعلیٰ سطح کے اجلاس ہوتے ہوں گے‘ اور قومی وبین الاقوامی نوعیت کے انتہائی اہم امور پر بحث وتمحیص کے بعد فیصلے کیے جاتے ہوں گے اور حضرت یوسفؑ کو ان تمام سرگرمیوں کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کے مواقع میسر آتے ہوں گے۔ اس طرح بہت اعلیٰ سطح کی تعلیم وتربیت کا ایک انتظام تھا جو حضرت یوسفؑ کے لیے یہاں پر کر دیا گیا۔

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱﴾ ’’اور اللہ تو اپنے فیصلے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کی تنفیذ پر غالب ہے‘ وہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ﴾ ’’اور جب آپؑ اپنی جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے آپؑ کو حکم اور علم عطا کیا۔‘‘

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۲۲﴾ ’’اور اسی طرح ہم محسنین کو بدلہ دیتے ہیں۔‘‘

حکم اور علم سے مراد نبوت ہے۔ حکم کے معنی قوتِ فیصلہ کے بھی ہیں اور اقتدار کے بھی۔ علم سے مراد علم وحی ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ ’’اور آپؑ کو پھسلانے کی کوشش کی اس عورت نے جس کے گھر میں آپؑ تھے‘‘

یعنی عزیز مصر کی بیوی آپؑ پر فریفتہ ہوگئی۔ قرآن میں اس کا نام مذکور نہیں‘ البتہ تورات میں اس کا نام زلیخا بتایا گیا ہے۔

﴿وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ﴾ ’’اور (ایک موقع پر) اس نے دروازے بند کر لیے اور بولی جلدی سے آجاؤ!‘‘

﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں' وہ میرا رب ہے' اُس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے۔''

یہاں پر ''ربّ'' کے دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں اللہ بھی اور آقا بھی۔ چنانچہ اس فقرے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ وہ اللہ میرا رب ہے اور اس نے میرے لیے بہت اچھے ٹھکانے کا انتظام کیا ہے' میں اس کی نافرمانی کا کیسے سوچ سکتا ہوں! دوسرے معنی میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کا خاوند میرا آقا ہے' وہ میرا محسن اور مربّی بھی ہے' اس نے مجھے اپنے گھر میں بہت عزت و اکرام سے رکھا ہے' اور میں اس کی خیانت کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤں' یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا! یہ دوسرا مفہوم اس لیے بھی زیادہ مناسب ہے کہ ''رب'' کا لفظ اس سورت میں آقا اور بادشاہ کے لیے متعدد بار استعمال ہوا ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پایا کرتے۔''

آیت ۲۴ ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ﴾ ''اور اُس عورت نے ارادہ کیا آپؑ کا' اور آپؑ بھی ارادہ کر لیتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی ایک دلیل۔''

حضرت یوسف علیہ السلام جوان تھے اور ممکن تھا طبع بشری کی بنیاد پر آپؑ کے دل میں بھی کوئی ایسا خیال جنم لیتا' مگر اللہ نے اس نازک موقع پر آپؑ کی خصوصی مدد فرمائی اور اپنی خصوصی نشانی دکھا کر آپؑ کو کسی منفی خیال سے محفوظ رکھا۔ یہ نشانی کیا تھی' اس کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں' البتہ تورات میں اس کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے کہ عین اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل دیوار پر ظاہر ہوئی اور آپؑ نے انگلی کا اشارہ کر کے حضرت یوسفؑ کو باز رہنے کے لیے کہا۔

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ﴾ ''یہ اس لیے کہ ہم پھیر دیں اس سے برائی اور بے حیائی کو۔''

یعنی ہم نے اپنی نشانی دکھا کر حضرت یوسفؑ سے برائی اور بے حیائی کا رخ پھیر دیا اور یوں آپؑ کی عصمت و عفت کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا۔

﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''یقیناً وہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔''

واضح رہے کہ یہاں لفظ مُخْلَص (لام کی زبر کے ساتھ) آیا ہے۔ مُخلِص اور مُخلَص کے فرق کو سمجھ لیجیے۔ مُخلِص اسم الفاعل ہے یعنی خلوص و اخلاص سے کام کرنے والا اور مُخلَص وہ شخص ہے جس کو خالص کر لیا گیا ہو۔ اللہ کے مخلَص وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنے لیے خالص کر لیا ہو' یعنی اللہ کے خاص برگزیدہ اور چہیتے بندے۔

آیت ۲۵ ﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ﴾ ''اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے''

یعنی حضرت یوسفؑ نے جب دیکھا کہ اس عورت کی نیت خراب ہے اور اس پر شیطنت کا بھوت سوار ہے تو آپؑ اس سے بچنے کے لیے دروازے کی طرف لپکے اور آپؑ کے پیچھے وہ بھی بھاگی تا کہ آپؑ کو قابو کر سکے۔

﴿وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ﴾ ''اور پھاڑ دی اس (عورت) نے آپؑ کی قمیص پیچھے سے''
آپؑ کو دوڑتے ہوئے دیکھ کر اس عورت نے آپؑ کی طرف تیزی سے لپک کر پیچھے سے آپؑ کو پکڑنے کی کوشش کی تو آپؑ کی قمیص اس کے ہاتھ میں آ کر پھٹ گئی۔

﴿وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط﴾ ''اور پایا ان دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس۔''
اس عورت نے لازماً ایسے وقت کا انتخاب کیا ہوگا جب اس کا خاوند گھر سے باہر تھا اور اس کے جلد گھر آنے کا امکان نہیں تھا' مگر جونہی وہ دونوں آگے پیچھے دروازے سے باہر نکلے تو غیر متوقع طور پر اس کا خاوند عین دروازے پر کھڑا تھا۔

﴿قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۲۵﴾﴾ ''وہ (فوراً) بولی کیا سزا ہونی چاہیے ایسے شخص کی جس نے ارادہ کیا تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا' سوائے اس کے کہ اسے جیل بھیج دیا جائے یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے!''
اپنے خاوند کو دیکھتے ہی اس عورت نے فوراً پینترا بدلا اور اس کی غیرت کو للکارتے ہوئے بولی کہ اس لڑکے نے مجھ پر دست درازی کی ہے اور میں نے بڑی مشکل سے خود کو بچایا ہے۔ اب اس سے آپ ہی سمجھیں اور اسے کوئی عبرت ناک سزا دیں۔

آیت ۲۶ ﴿قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ﴾ ''آپؑ نے فرمایا کہ اسی نے مجھے پھسلانا چاہا تھا''
صورتِ حال بہت نازک اور خطرناک رخ اختیار کر چکی تھی۔ حضرت یوسفؑ کو بھی اپنے دفاع میں کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔ لہٰذا آپؑ نے صاف صاف بتا دیا کہ خود اس عورت نے مجھے گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ج﴾ ''اور گواہی دی عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے۔''
اس عورت کے اپنے رشتہ داروں میں سے بھی کوئی شخص موقع پر آ پہنچا۔ اس نے موقع محل دیکھ کر وقوعہ کے بارے میں بڑی مدلّل اور خوبصورت قرائنی شہادت (circumstancial evidence) دی کہ:

﴿اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴿۲۶﴾﴾ ''اگر تو اس کی قمیص پھٹی ہے سامنے سے' تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔''
اگر عورت سے دست درازی کی کوشش ہو رہی تھی اور وہ اپنا تحفظ کر رہی تھی تو ظاہر ہے کہ حملہ آور کی قمیص سامنے سے پھٹنی چاہیے۔

آیت ۲۷ ﴿وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۲۷﴾﴾ ''اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہے پیچھے سے' تو پھر یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔''
اس عادلانہ اور حکیمانہ گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اس معاشرے میں بہت سی خرابیاں تھیں (جن میں سے کچھ کا ذکر آگے آئے گا) وہاں اس گواہی دینے والے شخص جیسے حق گو اور انصاف پسند لوگ بھی موجود تھے جس نے قرابت دار ہوتے ہوئے بھی حق اور انصاف کی بات کی۔

آیت ۲۸ ﴿فَلَمَّا رَاٰ قَمِیۡصَهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنۡ كَیۡدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیۡدَكُنَّ عَظِیۡمٌ ﴿۲۸﴾﴾ ’’پھر جب اس (عزیز مصر) نے دیکھا کہ آپؑ کی قمیص پھٹی ہوئی ہے پیچھے سے‘ تو اس نے کہا کہ یہ تم عورتوں کی چالوں میں سے (ایک چال) ہے‘ یقیناً تم عورتوں کے فریب بہت بڑے ہوتے ہیں۔‘‘

پھر عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ سے کہا:

آیت ۲۹ ﴿یُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ٜ﴾ ’’یوسف! اس معاملے سے درگزر کرو۔‘‘

اس کے بعد وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہوا اور بولا:

﴿وَاسۡتَغۡفِرِیۡ لِذَنۡۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِـِٕیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ’’اور تم اپنے گناہ کی معافی مانگو‘ یقیناً قصور وار تم ہی ہو۔‘‘

آیات ۳۰ تا ۳۵

وَقَالَ نِسۡوَةٌ فِی الۡمَدِیۡنَةِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ ۚ قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا
فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ اَرۡسَلَتۡ اِلَیۡهِنَّ وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتۡ
كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنۡهُنَّ سِكِّیۡنًا وَّقَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَیۡهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ وَقَطَّعۡنَ
اَیۡدِیَهُنَّ وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیۡمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتۡ فَذٰلِكُنَّ
الَّذِیۡ لُمۡتُنَّنِیۡ فِیۡهِ ؕ وَلَقَدۡ رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ وَلَئِنۡ لَّمۡ یَفۡعَلۡ مَاۤ اٰمُرُهٗ
لَیُسۡجَنَنَّ وَلَیَكُوۡنًا مِّنَ الصّٰغِرِیۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ ۚ وَاِلَّا
تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ كَیۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡهِنَّ وَاَكُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿۳۳﴾ فَاسۡتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ
عَنۡهُ كَیۡدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ لَیَسۡجُنُنَّهٗ
حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۳۵﴾ ع ۶ ۱۴

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَ نِسۡوَةٌ فِی الۡمَدِیۡنَةِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ ۚ﴾ ’’اور شہر میں عورتوں نے (اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے) کہا کہ عزیز کی بیوی تو اپنے غلام کو پھسلا رہی ہے۔‘‘

﴿قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ﴾ ’’وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔‘‘

﴿اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۰﴾﴾ ’’یقیناً ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت بھٹک گئی ہے۔‘‘

اس کا اپنے غلام کے ساتھ اس طرح کا معاملہ! یہ تو بہت ہی گھٹیا بات ہے!

آیت ۳۱ ﴿فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ﴾ ’’پھر جب اُس نے سنیں ان کی مکارانہ باتیں‘‘

عزیز مصر کی بیوی نے جب سنا کہ شہر میں اس کے خلاف اس طرح کے چرچے ہو رہے ہیں اور مصر کی

عورتیں ایسی طعن آمیز باتیں کر رہی ہیں تو اس نے بھی جوابی کارروائی کا منصوبہ بنالیا۔ یہ اس معاشرے کے انتہائی اعلیٰ سطح کے لوگوں کی بات تھی اور اس کا چرچا بھی اسی سطح پر ہو رہا تھا۔ اُسے بھی اپنے ارد گرد سب لوگوں کے کردار کا پتا تھا' کہاں کیا خرابی ہے اور کس کے ہاں کتنی گندگی ہے وہ سب جانتی تھی۔ چنانچہ اس نے اس اعلیٰ سوسائٹی کے اجتماعی کردار کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

﴿اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً﴾ ''اُس نے دعوت دی اُن سب کو اور اہتمام کیا ایک تکیہ دار مجلس کا''

اُس نے کھانے کی ایک پُرتکلف تقریب کا اہتمام کیا جس میں مہمان عورتوں کے لیے گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔

﴿وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا﴾ ''اور ان میں سے ہر عورت کو اُس نے ایک چُھری دے دی''

کھانے کی چیزوں میں پھل وغیرہ بھی ہوں گے' چنانچہ ہر مہمان عورت کے سامنے ایک ایک چُھری بھی رکھ دی گئی۔

﴿وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ﴾ ''اور (یوسفؑ سے) کہا کہ اب تم ان کے سامنے آؤ!''

﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ﴾ ''پھر جب انہوں نے یوسفؑ کو دیکھا تو اسے بہت عظیم جانا (ششدر رہ گئیں)''

﴿وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾ ''اور ان سب نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے''

عورتوں نے جب پاکیزگی اور تقدس کا پیکر ایک جوانِ رعنا اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گئیں۔ سب کی سب آپؑ کے حسن و جمال پر ایسی فریفتہ ہوئیں کہ اپنے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے۔ ممکن ہے کسی ایک عورت کا ہاتھ تو واقعی عالم حیرت ومحویت میں کٹ گیا ہو اور اس کی طرف حضرت یوسفؑ بحیثیت خادم کے متوجہ ہوئے ہوں کہ خون صاف کر کے پٹی وغیرہ کر دیں اور یہ دیکھ کر باقی سب نے بھی اپنی اپنی انگلیاں دانستہ کاٹ لی ہوں کہ اس طرح یہی التفات انہیں بھی ملے گا۔ قَطَّعَ بابِ تفعیل ہے' جس میں کسی کام کو پورے اہتمام اور ارادے سے کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭاِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝۳۱﴾ ''اور وہ پکار اٹھیں کہ حاشاللہ یہ کوئی آدمی تو نہیں! یہ تو کوئی بہت بزرگ فرشتہ ہے۔''

آیت ۳۲ ﴿قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ﴾ ''تو اُس عورت نے کہا کہ یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں۔''

﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ﴾ ''اور یقیناً میں نے اسے پُھسلانا چاہا تھا لیکن وہ بچا رہا۔''

﴿وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۳۲﴾ ''اور اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اسے حکم دے رہی ہوں تو وہ لازماً قید میں پڑے گا اور ضرور ذلیل ہو کر رہے گا۔''

اس عورت کا دھڑلے سے خصوصی دعوت کا اہتمام کرنا اور اس میں سب کو فخر سے بتانا کہ دیکھ لو یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں' اور پھر پوری بے حیائی سے اعلان کرنا کہ ایک دفعہ تو یہ مجھ سے بچ گیا ہے مگر کب تک؟ آخر کار اسے میری بات ماننا ہو گی! اس سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان کی اس انتہائی اونچی سطح کی سوسائٹی کی مجموعی طور پر اخلاقی حالت کیا تھی!

آیت ۳۳ ﴿قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ ۚ﴾ ''یوسفؑ نے دعا کی: اے میرے پروردگار! مجھے قید زیادہ پسند ہے اُس چیز سے جس کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہیں۔''

﴿وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَہُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡہِنَّ وَ اَکُنۡ مِّنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''اور اگر تُو نے مجھ سے دور نہ کر دیا ان کی چالوں کو تو (ہو سکتا ہے) میں بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔''

آیت ۳۴ ﴿فَاسۡتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ فَصَرَفَ عَنۡہُ کَیۡدَہُنَّ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۴﴾﴾ ''تو آپؑ کے رب نے آپؑ کی دعا قبول کر لی اور اُن عورتوں کی چالوں کو آپؑ سے پھیر دیا۔ یقیناً وہی ہے سننے والا' جاننے والا۔''

آیت ۳۵ ﴿ثُمَّ بَدَا لَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ لَیَسۡجُنُنَّہٗ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۳۵﴾﴾ ''پھر اُن لوگوں کو یہ بات سوجھی ساری نشانیاں دیکھ لینے کے بعد کہ اس کو کچھ عرصہ کے لیے جیل میں ڈال دیا جائے۔''

اس تقریب میں جو کچھ ہوا اس معاملے کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں تھا' چنانچہ اربابِ اختیار نے جب یہ سارے حالات دیکھے تو انہیں عافیت اور مصلحت اسی میں نظر آئی کہ حضرت یوسفؑ کو وقتی طور پر منظر سے ہٹا دیا جائے اور اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ کچھ عرصے کے لیے انہیں جیل میں ڈال دیا جائے۔

آیات ۳۶ تا ۴۲

وَ دَخَلَ مَعَہُ السِّجۡنَ فَتَیٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُہُمَاۤ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۚ وَ قَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡکُلُ الطَّیۡرُ مِنۡہُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِیۡلِہٖ ۚ اِنَّا نَرٰىکَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا یَاۡتِیۡکُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِہٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُکُمَا بِتَاۡوِیۡلِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمَا ؕ ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ ؕ اِنِّیۡ تَرَکۡتُ مِلَّۃَ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِکَ بِاللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ عَلَیۡنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ
فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ
نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۵

آیت ۳۶ ﴿وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ؕ﴾ ''اور داخل ہوئے آپؑ کے ساتھ جیل میں دو نوجوان۔''
جب حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجا گیا تو اتفاقاً اسی موقع پر دو اور قیدی بھی آپؑ کے ساتھ جیل میں داخل کیے گئے۔

﴿قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ﴾ ''ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں۔''

﴿وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ﴾ ''اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں۔''

﴿نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دیجیے' ہم آپؑ کو بہت نیکوکار دیکھتے ہیں۔''
ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ دوسرے قیدیوں سے بالکل مختلف ہیں۔ آپؑ اعلیٰ اخلاق اور قابلِ رشک کردار کے مالک ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپؑ ہمارے خوابوں کے سلسلے میں ضرور ہماری راہنمائی فرمائیں گے۔

آیت ۳۷ ﴿قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ﴾ ''یوسفؑ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے پہلے میں تم دونوں کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔''
جیل میں قیدیوں کے کھانے کے اوقات مقرر ہوں گے۔ آپؑ نے فرمایا کہ آپ لوگ اب تعبیر کے بارے میں فکرمت کرو' وہ تو میں کھانا آنے سے پہلے پہلے آپ لوگوں کو بتا دوں گا' لیکن میں تم لوگوں سے اس کے علاوہ بھی بات کرنا چاہتا ہوں' لہٰذا اِس وقت تم لوگ میری بات سنو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ طریقہ ایک داعیٔ حق کے لیے راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ ایک داعی کی ہر وقت یہ کوشش ہونی چاہیے کہ تبلیغ کے لیے' حق بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے جب اور جہاں موقع میسر آئے اس سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگ میری طرف خود متوجہ ہوئے ہیں تو آپؑ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان کی حاجت کو مؤخر کر کے پہلے انہیں پیغامِ حق پہنچانا ضروری سمجھا۔

﴿ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ﴾ ''یہ اُس علم میں سے ہے جو میرے ربّ نے مجھے سکھایا ہے۔''
آپؑ نے انہی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی بات شروع کی اور خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے اللہ

تعالیٰ کا تعارف کرایا' کہ یہ علم مجھے میرے رب نے سکھایا ہے' اس میں میرا اپنا کوئی کمال نہیں ہے۔

﴿اِنِّیۡ تَرَکۡتُ مِلَّۃَ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''(دیکھو!) میں نے ترک کر دیا ہے اُس قوم کا راستہ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے یہی لوگ منکر ہیں۔''

آیت ۳۸ ﴿وَ اتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ ؕ﴾ ''اور میں نے پیروی کی ہے اپنے آباء ابراہیم' اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کے طریقے کی۔''

آپؑ کی اس بات سے موروثی اور شعوری عقائد کا فرق سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی ایک تو وہ عقائد ونظریات ہیں جو بچہ اپنے والدین سے اپناتا ہے' جیسے ایک مسلمان گھرانے میں بچے کو موروثی طور پر اسلام کے عقائد ملتے ہیں۔ اللہ اور رسولؐ کا نام وہ بچپن ہی سے جانتا ہے' ابتدائی کلمے اس کو پڑھا دیے جاتے ہیں' نماز بھی سکھا دی جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنے آزادانہ انتخاب کے نتیجے میں اپنے علم اور غور وفکر سے کوئی عقیدہ اختیار کرے گا تو وہ اس کا شعوری عقیدہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اس شعوری عقیدے کا ذکر کیا کہ اگرچہ وہ جن لوگوں کے درمیان زندگی گزار رہے ہیں' وہ اللہ' اس کے کسی نبی اور وحی وغیرہ کے تصورات سے نابلد ہیں' سب کے سب کافر اور مشرک ہیں' مگر مجھے دیکھو میں نے اس ماحول کا اثر قبول نہیں کیا' اپنے اردگرد کے لوگوں کے نظریات وعقائد نہیں اپنائے' بلکہ پورے شعور کے ساتھ اپنے آباء واَجداد کے نظریات کو صحیح مانتے ہوئے ان کی پیروی کر رہا ہوں' صرف اس لیے نہیں کہ وہ میرے آباء واَجداد تھے' بلکہ اس لیے کہ یہی راستہ میرے نزدیک معقول اور عقل سلیم کے قریب تر ہے۔

﴿مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِکَ بِاللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ﴾ ''(دیکھو!) ہمارے لیے یہ روا نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی بھی شے کو شریک کریں۔''

﴿ذٰلِکَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ عَلَیۡنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''یہ اللہ کا بڑا فضل ہے ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

یعنی شرک سے بچنے اور توحید کو اپنانے کا عقیدہ دراصل اللہ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس حیثیت میں انسان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کی پرستش کرتا پھرے جنہیں خود اس کی خدمت اور استفادے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

آیت ۳۹ ﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ﴿ؕ۳۹﴾﴾ ''اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا بہت سے متفرق ربّ بہتر ہیں یا اکیلا اللہ سب پر حاوی وغالب؟''

آیت ۴۰ ﴿مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ﴾ ''نہیں پوجتے تم اُس (اللہ) کے سوا مگر چند ناموں کو جو موسوم کر رکھے ہیں تم لوگوں نے اور تمہارے آباء واَجداد نے''

﴿مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ﴾ ''نہیں اتاری اللہ نے ان کے لیے کوئی

سند۔ اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے۔“

قانون بنانے اور اس کے مطابق حکم چلانے کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔

﴿اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ﴾ ”اُس نے حکم دیا ہے کہ تم اُس کے سوا کسی کی بندگی مت کرو!“

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۰﴾ ”یہی ہے دین سیدھا (اور ہمیشہ سے قائم ودائم) لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔“

آیت ۴۱ ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ﴾ ”اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔“

یہاں پر رب کا لفظ بادشاہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ اس شخص کے خواب کی تعبیر ہے جس نے خود کو شراب کشید کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ شخص پہلے بھی بادشاہ کا ساقی تھا مگر اس پر کوئی الزام لگا اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خبر دے دی کہ اس کے خواب کے مطابق وہ اس الزام سے بری ہو کر اپنے پرانے عہدے پر بحال ہو جائے گا۔

﴿وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ﴾ ”اور جو دوسرا ہے اُسے سُولی دے دی جائے گی اور پرندے اُس کے سر میں سے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے۔“

﴿قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱﴾ ”فیصلہ کر دیا گیا ہے اُس معاملے کا جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے۔“

آیت ۴۲ ﴿وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ﴾ ”اور یوسفؑ نے کہا اُس شخص سے جس کے بارے میں آپؑ نے گمان کیا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پائے گا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا۔“

یعنی تمہیں کبھی موقع ملے تو بادشاہ کو بتانا کہ جیل میں ایک ایسا قیدی بھی ہے جس کا کوئی قصور نہیں اور اسے خواہ مخواہ جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔

﴿فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲﴾ ”تو اُسے بھلائے رکھا شیطان نے ذکر کرنا اپنے آقا سے، تو آپؑ رہے جیل میں کئی برس تک۔“

بِضْع کا لفظ عربی زبان میں دو سے لے کر نو تک (دس سے کم) کی تعداد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آیات ۴۳ تا ۴۹

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝۴۳ قَالُوْٓا

اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِیۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَادَّکَرَ
بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُکُمۡ بِتَاۡوِیۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴿۴۵﴾ یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ اَفۡتِنَا فِیۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ
سِمَانٍ یَّاۡکُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیۡۤ اَرۡجِعُ اِلَی النَّاسِ
لَعَلَّهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزۡرَعُوۡنَ سَبۡعَ سِنِیۡنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدۡتُّمۡ فَذَرُوۡهُ فِیۡ سُنۡۢبُلِهٖۤ اِلَّا
قَلِیۡلًا مِّمَّا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ سَبۡعٌ شِدَادٌ یَّاۡکُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیۡلًا
مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ عَامٌ فِیۡهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیۡهِ یَعۡصِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ ع ۶ / ۱۶

آیت ۴۳ ﴿وَقَالَ الۡمَلِکُ اِنِّیۡۤ اَرٰی سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡکُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ﴾ ''اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں‘ جن کو کھا رہی ہیں سات دبلی گائیں‘‘

اب یہاں سے اس قصے کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے۔ اُس وقت مصر پر فراعنہ کی حکومت نہیں تھی‘ بلکہ وہاں چرواہے بادشاہ (Hyksos Kings) حکمران تھے۔ تاریخ میں اکثر ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کچھ صحرائی قبیلوں نے قوت حاصل کر کے متمدن علاقوں پر چڑھائی کی‘ پھر یا تو وہ لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے یا اُن علاقوں پر اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ ایسی ہی ایک مثال مصر کے چرواہے بادشاہوں کی ہے جو صحرائی قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے کسی زمانے میں مصر پر حملہ کیا اور مقامی لوگوں (قبطی قوم) کو غلام بنا کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہاں جس بادشاہ کا ذکر ہے وہ اسی خاندان سے تھا۔ اس بادشاہ کے کردار اور رویے کی جو جھلک اس قصے میں دکھائی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اگرچہ توحید و رسالت سے نابلد تھا مگر ایک نیک سرشت انسان تھا۔

﴿وَّسَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ﴾ ''اور سات بالیاں ہیں ہری اور دوسری (سات) خشک۔‘‘

﴿یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَاُ اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡ رُءۡیَایَ اِنۡ کُنۡتُمۡ لِلرُّءۡیَا تَعۡبُرُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''تو اے میرے درباریو! مجھے بتاؤ تعبیر میرے خواب کی اگر تم لوگ خوابوں کی تعبیر کر سکتے ہو۔‘‘

آیت ۴۴ ﴿قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ۚ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِیۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں‘ اور ایسے خوابوں کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔‘‘

بادشاہ کے خواب کو سن کر انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوئی معنوی خواب نہیں‘ ایسے ہی بے معنی اور منتشر قسم کے خیالات ہیں جن کی ہم کوئی تعبیر نہیں کر سکتے۔ فرائڈ کا بھی یہی خیال ہے کہ خواب میں انسان اپنے شہوانی خیالات اور دوسری دبی ہوئی نفسانی خواہشات کی تسکین کرنا چاہتا ہے‘ مگر اسلامی نکتہ نظر سے خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم ''رویائے صادقہ‘‘ کی ہے یعنی سچے خواب‘ یہ اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور ایسے خوابوں

کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ہیں۔ دوسری قسم کے خواب وہ ہیں جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور ان میں بعض اوقات شیاطینِ جن اپنی طرف سے خیالات انسانوں کے ذہنوں میں الہام بھی کرتے ہیں۔ تیسری قسم کے خواب وہ ہیں جن کا ذکر فرائڈ نے کیا ہے۔ یعنی انسان کے اپنے ہی خیالات منتشر انداز میں مختلف وجوہات کی بنا پر سوتے وقت انسان کے ذہن میں آتے ہیں اور ان میں کوئی معنی یا ربط ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

آیت ۴۵ ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ ”اور کہا اُس شخص نے جو اُن دونوں (قیدیوں) میں سے نجات پا گیا تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد اسے (اچانک) یاد آ گیا“

وہ شخص جیل سے رہا ہو کر پھر سے ساقی گری کر رہا تھا۔ اسے بادشاہ کے خواب کے ذکر سے اچانک حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ ہاں جیل میں ایک شخص ہے جو خوابوں کی تعبیر بتانے میں بڑا ماہر ہے۔

﴿اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝۴۵﴾ ”(اس نے کہا) میں بتا دوں گا تم لوگوں کو اس کی تعبیر‘ بس مجھے ذرا (قید خانے میں یوسف کے پاس) بھیج دیں۔“

اس طرح وہ شخص جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ کر آپؑ سے مخاطب ہوا:

آیت ۴۶ ﴿یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ﴾ ”اے یوسف! اے راست باز! ہمیں تعبیر بتایئے سات موٹی گائیوں کے بارے میں کہ انہیں کھا رہی ہیں سات دبلی‘ اور سات سبز بالیوں اور دوسری (سات) خشک بالیوں کے بارے میں“

﴿لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۴۶﴾ ”تاکہ میں واپس جاؤں (تعبیر لے کر) اُن لوگوں کے پاس‘ تاکہ انہیں بھی معلوم ہو جائے۔“

آیت ۴۷ ﴿قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا﴾ ”یوسفؑ نے (تعبیر بتاتے ہوئے) فرمایا کہ تم سات سال تک خوب زراعت کرو گے لگاتار۔“

﴿فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝۴۷﴾ ”تو (اس دوران میں) جو فصل بھی تم کاٹو اُسے رہنے دینا اس کی بالیوں ہی میں‘ سوائے اُس قلیل تعداد کے جو تم کھاؤ۔“

آپؑ نے صرف اس خواب کی تعبیر ہی نہیں بتائی بلکہ مسئلے کی تدبیر بھی بتا دی اور تدبیر بھی ایسی جو شاہی مشیروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ آج کے سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اناج کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسے سٹوں کے اندر ہی رہنے دیا جائے اور ان سٹوں کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس طرح سے اناج خراب نہیں ہوتا اور اسے کیڑوں مکوڑوں سے بچانے کے لیے کسی اضافی preservative کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

آیت ۴۸ ﴿ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ﴾ ’’پھر اس کے بعد سات سال آئیں گے بہت سخت‘‘
خوشحالی کے سات سالوں کے بعد سات سال تک خشک سالی کا سماں ہوگا جس کی وجہ سے ملک میں شدید قحط پڑ جائے گا۔

﴿یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ۝۴۸﴾ ’’وہ (سات سال) چٹ کر جائیں گے اس کو جو کچھ تم نے ان کے لیے بچا رکھا ہوگا سوائے اُس کے جو تم (بیج کے لیے) محفوظ کرلو گے۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال تک ملک میں بہت خوشحالی ہوگی‘ فصلیں بہت اچھی ہوں گی‘ مگر ان سات سالوں کے بعد سات سال ایسے آئیں گے جن میں خشک سالی کے سبب شدید قحط پڑ جائے گا۔ اس مسئلے کی تدبیر آپؑ نے یہ بتائی کہ پہلے سات سال کے دوران صرف ضرورت کا اناج استعمال کرنا‘ اور باقی سِٹوں کے اندر ہی محفوظ کرتے جانا اور جب قحط کا زمانہ آئے تو ان سِٹوں سے نکال کر بقدرِ ضرورت اناج استعمال کرنا۔

آیت ۴۹ ﴿ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ۝۴۹﴾ ’’پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال کہ اس میں خوب بارشیں ہوں گی لوگوں پر اور اس میں وہ (انگور کا) رس نچوڑیں گے۔‘‘
جب خوب بارشیں ہوں گی تو انگور کی بیلیں خوب پھلیں پھولیں گی‘ انگور کی پیداوار بھی خوب ہوگی‘ لوگ خوب انگور نچوڑیں گے اور شراب کشید کریں گے۔

آیات ۵۰ تا ۵۷

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝۵۰ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ
عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ
حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ
اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآىِٕنِیْنَ ۝۵۲ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ
لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵۳ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ
اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ۝۵۴ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی
خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝۵۵ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا
حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۵۶ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝۵۷ ع ۸

الجزء الثالث عشر (۱۳)

آیت ۵۰ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ﴾ ''(یہ سن کر) بادشاہ نے کہا کہ اُس شخص کو میرے پاس لے آؤ!''

بادشاہ اپنے خواب کی تعبیر اور پھر اس کی ایسی اعلیٰ تدبیر سن کر یقیناً بہت متاثر ہوا ہوگا اور اس نے سوچا ہوگا کہ ایسے ذہین، فطین شخص کو جیل میں نہیں بلکہ بادشاہ کا مشیر ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اس قیدی کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ﴾ ''پھر جب آیا آپؑ کے پاس ایلچی، تو آپؑ نے فرمایا کہ تم واپس چلے جاؤ اپنے آقا کے پاس''

بادشاہ کا پیغام لے کر جب قاصد آپؑ کے پاس پہنچا تو آپؑ نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا کہ میں اس طرح ابھی جیل سے باہر نہیں آنا چاہتا۔ پہلے پورے معاملے کی چھان بین کی جائے کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں جیل بھیجا گیا تھا۔ اگر مجھ پر کوئی الزام ہے تو اس کی مکمل تفتیش ہو اور اگر میرا کوئی قصور نہیں ہے تو مجھے علی الاعلان بے گناہ اور بری قرار دیا جائے۔ چنانچہ آپؑ نے اس قاصد سے فرمایا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ:

﴿فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ﴾ ''اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟''

﴿اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝۵۰﴾ ''یقیناً میرا رب ان کی چالوں سے خوب واقف ہے۔''

بادشاہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے سب بیگمات کو طلب کر لیا۔

آیت ۵۱ ﴿قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ﴾ ''اُس نے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا تمہارا جب تم سب نے پھسلانا چاہا تھا یوسف کو؟''

﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اللہ گواہ ہے، ہمارے علم میں اس کے بارے میں کوئی بھی برائی نہیں ہے۔''

اُس وقت جو کچھ بھی ہوا تھا وہ سب ہماری طرف سے تھا، یوسفؑ کی طرف سے کوئی غلط بات ہم نے محسوس نہیں کی۔

﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۱﴾ ''(اس پر) عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب حقیقت تو واضح ہو ہی گئی ہے، میں نے ہی اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی اور وہ بالکل سچا ہے۔''

اس طرح عزیز کی بیوی کو اس حقیقت کا برملا اظہار کرنا پڑا کہ یوسفؑ نے نہ تو زبان سے کوئی غلط بیانی کی ہے اور نہ ہی اس کے کردار میں کوئی کھوٹ ہے۔

آیت ۵۲ ﴿ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ میں نے اس کی

غیر موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی“

یہ فقرہ سیاقِ عبارت میں کس کی زبان سے ادا ہوا ہے اس کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ اس لیے کہ اس فقرے کے موقع محل اور الفاظ میں متعدد امکانات کی گنجائش ہے۔ ان اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ فقرہ عزیز کی بیوی کی زبان ہی سے ادا ہوا ہے کہ میں نے ساری بات اس لیے سچ سچ بیان کر دی ہے تاکہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس سے کوئی غلط بات منسوب کر کے اس کی خیانت نہیں کی۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ﴿۵۲﴾﴾ ”اور یہ کہ یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔“

آیت ۵۳ ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ ”اور میں اپنے نفس کو بَری قرار نہیں دیتی‘ یقیناً (انسان کا) نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے“

﴿اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۵۳﴾﴾ ”سوائے اُس کے جس پر میرا ربّ رحم فرمائے۔ یقیناً میرا ربّ بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

اگر گزشتہ آیت میں نقل ہونے والے بیان کو عزیز مصر کی بیوی کا بیان مانا جائے تو اس صورت میں آیت زیر نظر بھی اسی کے کلام کا تسلسل قرار پائے گی اور اس کا ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ دراصل اس نظریے کے مطابق ہے جس کے تحت ہمارے بہت سے مفسرین اور قصہ گو حضرات نے مائی زُلیخا کو ولی اللہ کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ اور کچھ بعید بھی نہیں کہ اس کا عشقِ مجازی وقت کے ساتھ ساتھ عشقِ حقیقی میں تبدیل ہو گیا ہو اور وہ حقیقتاً ہدایت پر آ گئی ہو۔ بہرحال جو لوگ اس بات کو درست تسلیم کرتے ہیں وہ ان آیات کا ترجمہ اسی طرح کرتے ہیں‘ کیونکہ اس نے اعترافِ جرم کر کے توبہ کر لی تھی اور اس لحاظ سے مذکورہ مفسرین کا موقف یہ ہے کہ اعترافِ گناہ سے لے کر آیت ۵۳ کے اختتام تک اسی کا بیان ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا موقف (جو دورِ حاضر کے زیادہ تر مفسرین نے اختیار کیا ہے) یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا بیان اس آیت پر ختم ہو گیا ہے: ﴿اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۵۱﴾﴾ اور اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان نقل ہوا ہے۔ اس صورت میں آیت ۵۲ اور ۵۳ کا مفہوم یوں ہوگا کہ جب بادشاہ کی تفتیشی کارروائی اور عزیز مصر کی بیوی کے برملا اعترافِ جرم کے بارے میں حضرت یوسفؑ کو بتایا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اس سب کچھ سے میرا یہ مقصود نہیں تھا کہ کسی کی عزت و ناموس کا پردہ چاک ہو‘ بلکہ میں تو چاہتا تھا کہ عزیزِ مصر یہ جان لے کہ اگر اس نے مجھے اپنے گھر میں عزت و اکرام سے رکھا تھا اور مجھ پر اعتماد کیا تھا تو میں نے بھی اس کی عدم موجودگی میں اس کی خیانت کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی‘ اور میرا ایمان ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ باقی میں خود کو بہت پارسا نہیں سمجھتا بلکہ سمجھتا ہوں کہ نفسِ انسانی تو انسان کو برائی پر ابھارتا ہی ہے اور اس کے حملے سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب اپنی خصوصی نظرِ رحمت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری حفاظت کا بھی اگر خصوصی انتظام نہ فرمایا جاتا تو مجھ سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی تھی۔ مگر چونکہ میرا رب بخشنے والا بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے اس لیے اس نے مجھ پر اپنی خصوصی رحمت فرمائی۔

آیت ۵۴ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ﴾ ’’اور بادشاہ نے (اب فیصلہ کن انداز میں) کہا کہ اُس کو میرے پاس لے آؤ‘ میں اُسے اپنا مصاحبِ خاص بناؤں گا۔‘‘

﴿فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ﴾ ’’تو جب بادشاہ نے آپؑ سے بات چیت کی تو کہا کہ آج کے دن سے آپؑ ہمارے نزدیک بڑے باعزت اور معتبر انسان ہیں۔‘‘

آج سے آپؑ کا شمار ہمارے خاص مقربین میں ہوگا اور اس لحاظ سے مملکت کے اندر آپؑ کا ایک خاص مقام ہوگا۔ آپ کی امانت و دیانت پر ہمیں پورا پورا بھروسا ہے۔

آیت ۵۵ ﴿قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ﴾ ’’آپؑ نے فرمایا کہ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں‘ میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور جاننے والا بھی ہوں۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام جان چکے تھے کہ اس ملک پر بہت بڑی آفت آنے والی ہے اور اگر اس ممکنہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے بروقت درست اور مؤثر اقدام نہ کیے گئے تو نہ صرف خود مصر ایک خوفناک قحط کی زد میں آجائے گا بلکہ آس پاس کے علاقوں کے لیے بھی بہت بھیانک حالات پیدا ہو جائیں گے۔ اس پورے خطے میں مصر ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں غلہ اور دوسری اشیائے خوراک پیدا ہوتی تھیں۔ اس کے ہمسایہ میں چاروں طرف خشک صحرائی علاقے تھے اور اناج وغیرہ کے سلسلے میں ان علاقوں کا انحصار بھی مصر کی زراعت پر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؑ نے موقع دیکھا تو فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں کہ اگر خزانے اور خوراک و زراعت کا پورا انتظام و انصرام میرے پاس ہوگا تو میں اس آفت کا سامنا کرنے کے لیے جامع اور ٹھوس منصوبہ بندی کر سکوں گا۔

آیت ۵۶ ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاۗءُ ۭ﴾ ’’اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو تمکن عطا کیا (مصر کی) زمین میں‘ کہ وہ اس میں جہاں چاہے اپنا ٹھکانہ بنالے۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمکن عطا ہونے کا یہ دوسرا مرحلہ تھا۔ پہلے مرحلے میں آپؑ کو بدوی اور صحرائی ماحول سے اٹھا کر اس دور کے ایک نہایت متمدن ملک کی اعلیٰ ترین سطح کی سوسائٹی میں پہنچایا گیا‘ جبکہ دوسرے مرحلے میں آپؑ کو اسی ملک کے اربابِ اختیار و اقتدار کی صف میں ایک نہایت ممتاز مقام عطا کر دیا گیا‘ جس کے بعد آپؑ پورے اختیار کے ساتھ عزیز کے عہدے پر متمکن ہو گئے۔

﴿نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاۗءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ’’ہم اپنی رحمت سے نوازتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔‘‘

آیت ۵۷ ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ’’اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لائیں اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں۔‘‘

اب یہاں سے آگے اس قصے کا ایک نیا باب شروع ہونے جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ آئندہ رکوع کے مضامین اور گزشتہ مضمون کے درمیان زمانی اعتبار سے تقریباً دس سال کا بُعد ہے۔ اب بات اس زمانے سے شروع ہو رہی ہے جب مصر میں بہتر فصلوں کے سات سالہ دور کے بعد قحط پڑ چکا تھا۔ یہاں پر جو تفصیلات چھوڑ دی گئی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر کے عین مطابق سات سال تک مصر میں خوشحالی کا دور دورہ رہا اور فصلوں کی پیداوار معمول سے کہیں بڑھ کر ہوئی۔ اس دوران حضرت یوسف علیہ السلام نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اناج کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر لیے تھے۔ چنانچہ جب یہ پورا علاقہ قحط کی لپیٹ میں آیا تو مصر کی حکومت کے پاس نہ صرف اپنے عوام کے لیے بلکہ ملحقہ علاقوں کے لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی اناج وافر مقدار میں موجود تھا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس غیر معمولی صورتِ حال کے پیش نظر ''راشن بندی'' کا ایک خاص نظام متعارف کروایا۔ اس نظام کے تحت ایک خاندان کو ایک سال کے لیے صرف اس قدر غلّہ دیا جاتا تھا جس قدر ایک اونٹ اٹھا سکتا تھا اور اس کی قیمت اتنی وصول کی جاتی تھی جو وہ آسانی سے ادا کر سکیں۔ ان حالات میں فلسطین میں بھی قحط کا سماں تھا اور وہاں سے بھی لوگ قافلوں کی صورت میں مصر کی طرف غلہ لینے کے لیے آتے تھے۔ ایسے ہی ایک قافلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائی بھی غلہ لینے مصر پہنچے جبکہ آپؑ کا ماں جایا بھائی ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اس بیٹے کو کسی طرح بھی ان کے ساتھ کہیں بھیجنے پر آمادہ نہیں تھے۔

آیات ۵۸ تا ۶۸

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ
قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ
لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾
وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ
اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ
قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا
بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا
وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى
تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا
نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا

مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ
تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ
یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا
عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

آیت ۵۸ ﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ﴾ ''اور آئے یوسفؑ کے بھائی اور آپؑ کے سامنے پیش ہوئے''

﴿فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''تو آپؑ نے انہیں پہچان لیا مگر وہ آپؑ کو نہیں پہچان پائے۔''
ان حالات میں یہ امکان ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عزیز مصر جس کے دربار میں اُن کی پیشی ہو رہی ہے وہ ان کا بھائی یوسف ہے۔

آیت ۵۹ ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ ۚ﴾ ''پھر جب آپؑ نے اُن کا سامان تیار کروا دیا تو فرمایا کہ (آئندہ) اپنے اس بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا جو تمہارے والد سے (تمہارا بھائی) ہے۔''

غلہ چونکہ راشن بندی کے تحت دیا جاتا تھا اس لیے انہوں نے درخواست کی ہوگی کہ ہمارا ایک بھائی اور بھی ہے اس کے اہل خانہ بھی ہیں' اسے ہم اپنے والد کی خدمت کے لیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں' اُس کے حصے کا غلہ بھی ہمیں دے دیا جائے۔ اس سلسلے میں سوال و جواب کے دوران انہوں نے یہ بھی بتایا ہوگا کہ ہم دس حقیقی بھائی ہیں جبکہ وہ گیارھواں بھائی باپ کی طرف سے سگا لیکن والدہ کی طرف سے سوتیلا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے یہ سارا ماجرا سننے کے بعد فرمایا ہوگا کہ ٹھیک ہے میں آپ کے گیارھویں بھائی کے حصے کا اضافی غلہ تم لوگوں کو اس شرط پر دے دیتا ہوں کہ آئندہ جب تم لوگ غلہ لینے کے لیے آؤ گے تو اپنے اس بھائی کو ساتھ لے کر آؤ گے تاکہ میں تصدیق کر سکوں کہ تم لوگوں نے غلط بیانی کر کے مجھ سے اضافی غلہ تو نہیں لیا۔

﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور بہترین مہمان نوازی کرنے والا بھی ہوں!''

آیت ۶۰ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾﴾ ''اور اگر تم اُسے میرے پاس لے کر نہیں آؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہے' اور تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔''

آیت ۶۱ ﴿قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد کو آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم یہ ضرور کر کے رہیں گے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ﴾ ''اور یوسفؑ نے اپنے نوجوانوں سے کہا کہ ان کی پونجی (بھی واپس) اُن کے کجاووں میں رکھ دو''

اس زمانے میں چیزوں کے عوض ہی چیزیں خریدی جاتی تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ بھی اپنے ہاں سے کچھ چیزیں (بھیڑ بکریوں کی اون وغیرہ) اس مقصد کے لیے لے کر آئے تھے اور غلے کی قیمت کے طور پر اپنی وہ چیزیں انہوں نے پیش کر دی تھیں۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ملازمین کو ہدایت کر دی کہ جب ان کے کجاووں میں گندم بھری جائے تو ان لوگوں کی یہ چیزیں بھی جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر ادا کی ہیں چپکے سے واپس ان کے کجاووں میں ہی رکھ دی جائیں۔

﴿لَعَلَّهُمۡ يَعۡرِفُوۡنَهَاۤ اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ۝۶۲﴾ ''تاکہ وہ پہچانیں ان کو جب لوٹیں اپنے اہل و عیال کی طرف شاید کہ (اس طرح) وہ دوبارہ آئیں۔''

آیت ۶۳ ﴿فَلَمَّا رَجَعُوۡۤا اِلٰٓى اَبِيۡهِمۡ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الۡكَيۡلُ﴾ ''پھر جب وہ لوٹے اپنے والد کے پاس تو کہنے لگے: ابا جان! ہم سے (ایک) پیمانہ روک لیا گیا ہے''

یعنی انہوں نے آئندہ کے لیے ہمارے چھوٹے بھائی کے حصے کا غلہ روک دیا ہے اور وہ تبھی ملے گا جب ہم اس کو وہاں لے کر جائیں گے۔

﴿فَاَرۡسِلۡ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكۡتَلۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ۝۶۳﴾ ''تو (آئندہ) ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجئے گا تاکہ ہم (اس کے حصے کا بھی) غلہ لے کر آئیں، اور ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔''

آیت ۶۴ ﴿قَالَ هَلۡ اٰمَنُكُمۡ عَلَيۡهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنۡتُكُمۡ عَلٰٓى اَخِيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ﴾ ''یعقوبؑ نے فرمایا کہ کیا میں اس کے بارے میں اسی طرح تم پر اعتبار کر لوں جیسے میں نے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں پہلے تم پر اعتبار کیا تھا؟''

﴿فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ۝۶۴﴾ ''(ویسے تو) اللہ ہی بہترین محافظ ہے اور وہی تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۶۵ ﴿وَلَمَّا فَتَحُوۡا مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ رُدَّتۡ اِلَيۡهِمۡؕ﴾ ''اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی پونجی انہیں لوٹا دی گئی ہے۔''

﴿قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا نَبۡغِىۡؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَيۡنَاۚ﴾ ''وہ پکار اٹھے: ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجی بھی ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔''

﴿وَنَمِيۡرُ اَهۡلَنَا وَنَحۡفَظُ اَخَانَا وَنَزۡدَادُ كَيۡلَ بَعِيۡرٍؕ ذٰلِكَ كَيۡلٌ يَّسِيۡرٌ۝۶۵﴾ ''(اب ہم جائیں گے) اور اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لائیں گے۔ یہ (ایک اضافی) بوجھ (لانا تو اب) بہت آسان ہے۔''

آیت ۶۶ ﴿قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰى تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِىۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّحَاطَ بِكُمۡۚ﴾

''یعقوبؑ نے فرمایا: میں اسے (واپس) ہرگز نہیں بھیجوں گا تمہارے ساتھ' یہاں تک کہ تم میرے سامنے پختہ قسم کھاؤ اللہ کی کہ تم لازماً اسے لے کر آؤ گے میرے پاس' سوائے اس کے کہ تم سب کو گھیرے میں لے لیا جائے۔''

ہاں اگر کوئی ایسی مصیبت آجائے کہ تم سب کے سب گھیر لیے جاؤ اور وہاں سے گلوخلاصی مشکل ہو جائے تو اور بات ہے' مگر عام حالات میں تم لوگ اسے واپس میرے پاس لانے کے پابند ہو گے۔

﴿فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴿٦٦﴾﴾ ''پھر جب انہوں نے آپؑ کو اپنا پختہ قول وقرار دے دیا تو یعقوبؑ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔''

آیت ۶۷ ﴿وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ﴾ ''اور آپؑ نے کہا: اے میرے بیٹو! تم لوگ ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔''

حسد اور نظر بد وغیرہ کے اثرات سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ آپ تمام بھائی اکٹھے ایک دروازے سے شہر میں داخل ہونے کے بجائے مختلف دروازوں سے داخل ہوں۔

﴿وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''اور میں تم کو بچا نہیں سکتا اللہ (کے فیصلے) سے کچھ بھی۔''

میں اللہ کے کسی فیصلے کو تم لوگوں سے نہیں ٹال سکتا۔ اگر اللہ کی مشیت میں تم لوگوں کو کوئی گزند پہنچنا منظور ہے تو میں اُس کو روک نہیں سکتا۔ یہ صرف انسانی کوشش کی حد تک احتیاطی تدابیر ہیں جو ہم اختیار کر سکتے ہیں۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴿٦٧﴾﴾ ''اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے' اُسی پر میں نے توکّل کیا ہے' اور تمام توکّل کرنے والوں کو اُسی پر توکّل کرنا چاہیے۔''

آیت ۶۸ ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ﴾ ''تو جب وہ داخل ہوئے جہاں سے انہیں حکم دیا تھا ان کے والد نے۔''

﴿مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ﴾ ''وہ (یعقوبؑ) بچانے والا نہیں تھا ان کو اللہ (کے فیصلے) سے کچھ بھی' سوائے اس کے کہ یعقوبؑ کے دل میں ایک خیال تھا جو اُس نے اسے پورا کر لیا۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک کھٹک تھی جسے دور کرنے کے لیے آپؑ نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اپنے بیٹوں کو ہدایت کر دی کہ وہ ایک دروازے سے داخل ہونے کی بجائے مختلف دروازوں سے داخل ہوں' لیکن آپؑ کی یہ تدبیر اللہ کے کسی فیصلے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿٦٨﴾﴾ ''اور یقیناً آپؑ صاحبِ علم تھے اُس علم کے اعتبار سے جو ہم نے آپؑ کو سکھایا تھا' لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

آیات ۶۹ تا ۷۹

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝۶۹ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا
الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝۷۰ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝۷۱ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ
وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝۷۲ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى
الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝۷۳ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝۷۴ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ
فِىْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝۷۵ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ
اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ
الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝۷۶ قَالُوْٓا
اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِىْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ
اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ
اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۷۸ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا
مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝۷۹ ع ۱۱

آیت ۶۹ ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ﴾ ''اور جب وہ آئے یوسفؑ کے پاس تو آپؑ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس الگ بلا لیا اور اسے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں''

آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی بن یامین کو علیحدگی میں اپنے پاس بلایا اور ان پر اپنی شناخت ظاہر کر دی کہ میں تمہارا بھائی یوسفؑ ہوں جو بچپن میں کھو گیا تھا۔

﴿فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۹﴾ ''تو اب مت غمگین ہونا اُس پر جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ نے اس اعلیٰ مقام تک پہنچایا ہے اور ہمیں آپس میں ملا بھی دیا ہے۔ چنانچہ اب ان بڑے بھائیوں کے رویے پر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب سختی کے دن ختم ہو گئے ہیں۔

آیت ۷۰ ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ﴾ ''پھر جب آپؑ نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کرا دیا تو رکھ دیا پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں''

یہ بادشاہ کا خصوصی جام تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا۔

﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝۷۰﴾ ''پھر ایک پکارنے والے نے پکار لگائی کہ اے

قافلے والو! تم لوگ چور ہو۔‘‘

جب وہ قافلہ چل پڑا تو اسے روک لیا گیا کہ ہمارے ہاں سے کوئی چیز چوری ہوئی ہے اور ہمیں اس بارے میں تم لوگوں پر شک ہے۔

آیت ۷۱ ﴿قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ۝﴾ ’’انہوں نے پوچھا اُن کی طرف مڑ کر کہ آپ کی کیا چیز گم ہوئی ہے؟‘‘

آیت ۷۲ ﴿قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۝﴾ ’’انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بادشاہ کا جامِ زرّیں نہیں مل رہا اور جو اسے لے آئے گا اسے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ دیا جائے گا‘ اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔‘‘

آیت ۷۳ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ۝﴾ ’’انہوں نے کہا: اللہ کی قسم آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد مچانے نہیں آئے اور ہم چوری کرنے والے ہرگز نہیں ہیں۔‘‘

آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم قحط کے مارے لوگ یہاں اتنی دور سے غلہ لینے آئے ہیں‘ ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں۔ اُن کے اس فقرے اور اندازِ گفتگو میں بڑی لجاجت پائی جاتی ہے۔

آیت ۷۴ ﴿قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ۝﴾ ’’انہوں (شاہی ملازمین) نے کہا کہ پھر اس (چور) کی کیا سزا ہو گی اگر تم لوگ جھوٹے ہوئے؟‘‘

یعنی اگر تم لوگ اپنے اس دعوے میں جھوٹے نکلے اور تم میں سے ہی کوئی شخص چور ہوا تو پھر اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

آیت ۷۵ ﴿قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ ’’انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں وہ (جامِ زرّیں) پایا جائے وہ خود ہی اس کا بدلہ ہو گا۔ ہم تو اسی طریقے سے ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔‘‘

انہوں نے کہا کہ ہاں اگر ایسا ہوا تو پھر جس کے سامان میں سے آپ کا جام نکل آئے‘ سزا کے طور پر آپ لوگ اسے اپنے پاس رکھ لیں‘ وہ آپ کا غلام بن جائے گا۔ ہمارے ہاں تو (شریعتِ ابراہیمی کی رو سے) چوری کے جرم کی یہی سزا رائج ہے۔

آیت ۷۶ ﴿فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ۭ﴾ ’’تو آپؑ نے (تلاشی) شروع کی اُن کے بوروں کی اپنے بھائی کے بورے سے پہلے‘ پھر آپؑ نے نکال لیا وہ (جام) اپنے بھائی کے سامان سے۔‘‘

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ﴾ ’’اس طرح سے ہم نے تدبیر کی یوسف کے لیے۔‘‘

یہ ایک ایسی تدبیر تھی جس میں توریے کا سا انداز تھا اور اس سے مقصود کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس پورے خاندان کو آپس میں ملانا تھا۔ اس تدبیر کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی طرف سے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اللہ نے آپؑ کے لیے یہ ایک راہ نکالی تھی۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری تھی تاکہ کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا نہ ہو کہ ایسی تدبیر اختیار کرنا تو شانِ نبوت کے منافی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار بھی مطلق ہے اور اس کا علم بھی ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ کو تو علم تھا کہ یہ عارضی سا معاملہ ہے اور اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

﴿مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ ''آپؑ کے لیے ممکن نہیں تھا کہ اپنے بھائی کو روک سکتے بادشاہ کے قانون کے مطابق سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔''

لفظ ''دین'' کی تعریف (definition) کے اعتبار سے قرآن کی یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہاں دِیْنِ الْمَلِكِ (بادشاہ کے دین) سے مراد وہ نظام ہے جس کے تحت بادشاہ اس پورے ملک کو چلا رہا تھا' جس میں بادشاہ اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) کا مالک تھا۔ اس کا اختیار مطلق تھا' اس کا ہر حکم قانون تھا اور پورا نظامِ سلطنت و مملکت اس کے تابع تھا۔ اس حوالے سے ''دین اللہ'' کی اصطلاح بہت آسانی سے واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر اللہ کے اقتدار (Sovereignty) اور اختیارِ مطلق کو تسلیم کر کے پورا نظامِ زندگی اس کے تابع کر دیا جائے تو یہی ''دین اللہ'' کا عملی ظہور ہو گا۔ یہی وہ کیفیت تھی جو ''دین اللہ'' کے غلبے کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوئی تھی اور جس کی گواہی سورۃ النصر میں اس طرح دی گئی ہے: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾۔ اسی طرح آج کا دین جسے عوام کی فلاح کا ضامن قرار دیا جا رہا ہے ''دین الجمہور'' ہے۔ اس دین یا نظام میں قانون سازی کا اختیار جمہور یعنی عوام یا عوام کے نمائندوں کو حاصل ہے' وہ جسے چاہیں جائز قرار دیں اور جسے چاہیں ناجائز' اور یہی سب سے بڑا کفر اور شرک ہے۔

بہرحال اس وقت مصر میں بادشاہی نظام رائج تھا جس کو حضرت یوسف علیہ السلام بدل نہیں سکتے تھے' کیونکہ آپؑ بادشاہ تو نہیں تھے۔ آپؑ کو جو اختیار حاصل تھا وہ اسی نظام کے مطابق اپنے شعبے اور محکمے کی حد تک تھا جس کے وہ انچارج تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے لیے یہ تدبیر نکالی۔ آپؑ کے بھائیوں سے پہلے یہ اقرار کرا لیا گیا کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ برآمد ہو گا' سزا کے طور پر اسے خود ہی غلام بننا پڑے گا اور اس طرح حضرت یوسفؑ کے لیے جواز پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک سکیں۔

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ ''ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہتے ہیں۔ اور ہر صاحب علم کے اوپر کوئی اور صاحبِ علم بھی ہے۔''

یعنی علم کے لحاظ سے علماء کے درجات ہیں۔ ہر عالِم کے اوپر اس سے بڑا عالم ہے اور یہ درجات اللہ تعالیٰ کی ذات پر جا کر اختتام پذیر ہوتے ہیں' جو سب سے بڑا عالم ہے۔

آیت ۷۷ ﴿قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی

ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔“

برادرانِ یوسف کی طبیعت کا ہلکا پن ملاحظہ ہو کہ اس پر انہوں نے فوراً کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے یہ بعید نہیں تھا‘ کیونکہ ایک زمانے میں اس کے ماں جائے بھائی (یوسفؑ) نے بھی اسی طرح کی حرکت کی تھی۔

﴿فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾ ”اس کو چھپائے رکھا یوسفؑ نے اپنے جی میں اور ان پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔“

﴿قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝﴾ ”آپؑ نے (دل ہی دل میں) کہا کہ تم بجائے خود بہت بُرے لوگ ہو‘ اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔“

انہوں نے آپؑ پر بھی فوراً چوری کا بے بنیاد الزام لگا دیا‘ مگر آپؑ نے کمالِ حکمت اور صبر سے اسے برداشت کیا اور اس پر کسی قسم کا کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔

آیت ۷۸ ﴿قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ﴾ ”وہ کہنے لگے: اے عزیز (صاحب اختیار)! اس کا والد جو ہے بہت بوڑھا ہے‘ تو آپؑ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں۔“

﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ ”ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ بڑے ہی نیک انسان ہیں۔“

یہ صورتِ حال ان لوگوں کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ باپ کا اعتماد وہ پہلے ہی کھو چکے تھے۔ اس دفعہ اللہ کے نام پر عہد کر کے بن یامین کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اب خیال آتا تھا کہ اگر اسے یہاں چھوڑ کر واپس جاتے ہیں تو والد کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ چنانچہ وہ گڑگڑانے پر آ گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی منت سماجت کرنے لگے کہ آپؑ بہت شریف اور نیک انسان ہیں‘ آپؑ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ اپنے پاس رکھ لیں‘ مگر اس کو جانے دیں۔

آیت ۷۹ ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝﴾ ”یوسفؑ نے فرمایا: اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ہم پکڑ لیں کسی اور کو اُس شخص کے بجائے جس کے پاس سے ہم نے اپنا مال برآمد کیا ہے‘ یقیناً اس صورت میں تو ہم ظالم ہوں گے۔“

آیات ۸۰ تا ۹۳

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ
وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا
تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ
اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا
تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا
عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ
وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ
وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِيْ ؗ قَدْ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ
اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ
بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

آیت ۸۰ ﴿فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ﴾ ''پھر جب وہ یوسفؑ سے مایوس ہو گئے تو علیحدگی میں جا کر مشورہ کرنے لگے۔''

﴿قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''ان کے بڑے نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر پختہ عہد لیا ہوا ہے''

اُن کے سب سے بڑے بھائی کا نام یہودا تھا' یہ وہی تھے جنہوں نے مشورہ دے کر حضرت یوسفؑ کی جان بچائی تھی کہ اگر تم اُس کی جان کے درپے ہو گئے ہو تو اسے قتل مت کرو بلکہ کسی دور دراز علاقے میں پھینک آؤ۔

﴿وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ﴾ ''اور (کیا تم نہیں جانتے) جو زیادتی اس سے پہلے تم یوسفؑ کے معاملے میں کر چکے ہو!''

﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ﴾ ''اب میں تو اس سرزمین سے نہیں ہلوں گا' یہاں تک کہ میرے والد خود مجھے اجازت دے دیں''

تم لوگ جا کر والد صاحب کو سارا واقعہ بتاؤ' پھر اگر وہ مطمئن ہو کر مجھے اجازت دے دیں تو تب میں واپس جاؤں گا ورنہ میں ادھر ہی رہوں گا۔

﴿اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾﴾ ''یا پھر اللہ ہی میرے بارے میں کوئی فیصلہ

کر دے اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

آیت ۸۱ ﴿اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰۤی اَبِیۡکُمۡ فَقُوۡلُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَکَ سَرَقَ ۚ﴾ ''تم لوٹ جاؤ اپنے والد کے پاس اور (جا کر) کہو کہ ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔''

﴿وَمَا شَہِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَمَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''اور ہم گواہی نہیں دے سکتے مگر اُسی چیز کی جس کے بارے میں ہمیں علم ہے اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہیں۔''

ابا جان! ہم نے اُسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا' ہم تو آپؑ کو وہی حقیقت بتا رہے ہیں جو ہمارے علم میں آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بن یامین نے چوری کی ہے اور اس جرم میں وہ وہاں پکڑا گیا ہے۔

آیت ۸۲ ﴿وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡیَۃَ الَّتِیۡ کُنَّا فِیۡہَا وَالۡعِیۡرَ الَّتِیۡۤ اَقۡبَلۡنَا فِیۡہَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾﴾ ''آپؑ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے' اور اُس قافلے (والوں) سے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ اور ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں۔''

آپؑ مصر سے بھی حقیقت حال معلوم کرا سکتے ہیں یا پھر جس قافلے کے ساتھ ہم گئے تھے اس کے سب لوگ وہاں موجود تھے' ان کے سامنے یہ سب کچھ ہوا تھا۔ آپؑ ان میں سے کسی سے بھی پوچھ لیں' وہ سارا ماجرا آپؑ کو بتا دیں گے۔

آیت ۸۳ ﴿قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے ایک کام آسان کر دیا ہے' پس صبر ہی بہتر ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہاں پر پھر وہی فقرہ بولا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کے بارے میں خبر ملنے پر بولا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو وہ بیان کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: بہرحال میں اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔

﴿عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَنِیۡ بِہِمۡ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۸۳﴾﴾ ''ہو سکتا ہے اللہ ان سب کو لے آئے میرے پاس۔ یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا غم ہی کیا کم تھا کہ اب دیارِ غیر میں دوسرے بیٹے کے مصیبت میں گرفتار ہونے کی خبر مل گئی' اور پھر تیسرے بیٹے یہودا کا دکھ اس پر مستزاد جس نے مصر سے واپس آنے سے انکار کر دیا تھا' مگر پھر بھی آپؑ صبر کا دامن تھامے رہے۔ رنج والم کے سیل بے پناہ کا سامنا ہے مگر پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ بس اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا ہے اور اُسی کی رحمت سے اُمید!

آیت ۸۴ ﴿وَتَوَلّٰی عَنۡہُمۡ وَقَالَ یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ﴾ ''اور آپؑ نے اُن سے رخ پھیر لیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف پر! (اور رونا شروع کر دیا)''

﴿وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَہُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۸۴﴾﴾ ''اور صدمے سے آپؑ کی آنکھیں سفید پڑ گئی

تھیں کیونکہ آپؑ غم کو (اندر ہی اندر) پیتے رہتے تھے۔‘‘

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت تھی۔ بیٹے کے ہجر اور فراق میں آپؑ کے دل پر جو گزری تھی خود قرآن کے یہ الفاظ اس پر گواہ ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا ایک ناگزیر تقاضا ہے جسے یہاں اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کسی کے بچے کا فوت ہو جانا یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے، لیکن بچے کا گم ہو جانا اس سے کئی گنا بڑا صدمہ ہے۔ فوت ہونے کی صورت میں اپنے سامنے تجہیز و تکفین ہونے سے، اپنے ہاتھوں دفن کرنے اور قبر بنا لینے سے کسی قدر صبر کا دامن ہاتھ میں رہتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس صبر میں ثبات پیدا ہوتا جاتا ہے۔ مگر بچے کے گم ہونے کی صورت میں اس کی یاد مستقل طور پر انسان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہے۔ یہ خیال کسی وقت چین نہیں لینے دیتا کہ نہ معلوم بچہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے۔ اور اگر زندہ ہے تو کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ یہی دکھ تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندر ہی اندر کھا گیا تھا اور رو رو کر آپؑ کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں۔ آپؑ کو وحی کے ذریعے یہ تو بتلا دیا گیا تھا کہ یوسفؑ زندہ ہیں اور آپؑ سے ضرور ملیں گے، مگر کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ اور کب ملیں گے؟ یہ وہ سوالات تھے جو آپؑ کو سالہا سال سے مسلسل کرب میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔ اب بن یامین کی جدائی پر یوسفؑ کا غم پوری شدت سے عود کر آیا۔

آیت ۸۵ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ ’’انہوں نے کہا: (ابا جان!) اللہ کی قسم آپؑ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپؑ یا تو (اسی صدمے میں) گھل جائیں گے یا فوت ہو جائیں گے۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ ’’یعقوبؑ نے فرمایا: میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں‘‘

میں نے تم لوگوں سے تو کچھ نہیں کہا، میں نے تمہیں تو کوئی لعن طعن نہیں کی، تم سے تو میں نے کوئی باز پرس نہیں کی۔ یہی الفاظ تھے جو نبی اکرم ﷺ نے طائف کے دن اپنی دعا میں استعمال فرمائے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ؟ ......))[1] ’’اے اللہ! میں تیری جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں اپنی قوت کی کمزوری اور اپنے وسائل کی کمی کی، اور لوگوں کے سامنے میری جو توہین ہو رہی ہے اس کی۔ اے اللہ! تُو نے مجھے کس کے حوالے کر دیا ہے؟......‘‘

﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ’’اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم لوگ نہیں جانتے ہو۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے میں جانتا ہوں کہ یوسف زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے۔

آیت ۸۷ ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ ’’اے

!g Ö oeàe|Ëq àeäf‡ fÂàÂ! MPTO| (o› çŠ×Öç ÛÂÚr ÛDME

میرے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسفؑ کو بھی اور اس کے بھائی کو بھی' اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔''

﴿اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ''یقیناً اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوتے ہیں۔''

صاحبِ ایمان لوگ کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

آیت ۸۸ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ ''پھر جب وہ لوگ یوسفؑ کے ہاں پہنچے''

اگلے سال جب وہ لوگ اپنے والد کے حکم کے مطابق مصر پہنچے اور پھر حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے۔

﴿قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ ''انہوں نے کہا: اے عزیز (صاحبِ اختیار)! ہم پر اور ہمارے اہل و عیال پر بڑی سختی آ گئی ہے''

کئی سال سے لگاتار قحط کا سماں تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے اثرات زیادہ شدت کے ساتھ ظاہر ہو رہے ہوں گے۔ بھیڑ بکریاں بھی ختم ہو چکی ہوں گی۔ اب تو ان کی اون بھی نہیں ہوگی جو اناج کی قیمت کے عوض دے سکیں۔

﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ ''اور ہم بہت حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں' لیکن (اس کے باوجود) آپؑ ہمارے لیے پیمانے پورے بھر دیجیے''

اس دفعہ ہم جو چیزیں غلے کی قیمت ادا کرنے کے لیے لے کر آئے ہیں وہ بہت کم اور ناقص ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان سے غلے کی قیمت پوری نہیں ہو سکتی۔

﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ ''اور ہمیں خیرات بھی دیجیے۔''

اپنے انتہائی خراب حالات کی وجہ سے ہم چونکہ خیرات کے مستحق ہو چکے ہیں' اس لیے آپؑ سے درخواست ہے کہ اس دفعہ کچھ غلہ آپؑ ہمیں خیرات میں بھی دیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔''

چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے یہ ساری صورتِ حال بہت رقت انگیز تھی' اس لیے آپؑ مزید ضبط نہیں کر سکے اور آپؑ نے انہیں اپنے بارے میں بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

آیت ۸۹ ﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ﴾ ''آپؑ نے پوچھا: کیا تم لوگوں کو یاد ہے کہ تم نے کیا کیا تھا یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ جب کہ تم نادان تھے!''

آپؑ کا اپنے بھائیوں سے یہ سوال کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا حرف بہ حرف ایفا تھا جس کا ذکر سورت کے آغاز میں ان الفاظ میں ہوا تھا: ﴿وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾۔ یہ تب کی بات ہے جب وہ سب بھائی مل کر آپؑ کو باؤلی میں پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان الفاظ میں آپؑ کے دل پر الہام کیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب آپؑ اپنے بھائیوں کو یہ بات ضرور جتلائیں گے' اور یہ ایسے وقت اور ایسی صورتِ حال میں ہوگا جب یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگی۔

آیت ۹۰ ﴿قَالُوْٓا ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ﴾ ’’انہوں نے کہا: تو کیا آپؑ یوسفؑ ہیں؟ یوسفؑ نے فرمایا: ہاں! میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے‘‘

﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۰﴾ ’’اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ یقیناً جو شخص تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔‘‘

آیت ۹۱ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝۹۱﴾ ’’انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ نے آپؑ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔‘‘

یقیناً ہم خطا کار رہیں، بلاشبہ ظلم وزیادتی کے مرتکب ہم ہی ہوئے تھے۔

آیت ۹۲ ﴿قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ﴾ ’’یوسفؑ نے فرمایا: آج کے دن تم لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔‘‘

یہ اس قدر معمولی بات نہیں تھی جسے اس ایک فقرے میں ختم کر دیا جاتا، مگر حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت کے ترفع اور اخلاق کی عظمت کی دلیل ہے کہ آپؑ نے اپنے ان خطا کار بھائیوں کو فوراً غیر مشروط طور پر معاف کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے مخالفین، جن کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور سنگین تھی، کو معاف کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے اسی قول کا تذکرہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ((اَنَا اَقُوْلُ كَمَا قَالَ اَخِيْ يُوْسُفُ : لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ)) ’’میں آج (تمہارے بارے میں) وہی کہوں گا جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے (اپنے بھائیوں سے) کہا تھا: (جاؤ) تم پر آج کوئی گرفت نہیں ہے!‘‘

﴿يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۹۲﴾ ’’اللہ تمہیں معاف کرے، اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۹۳ ﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ﴾ ’’تم میری یہ قمیص لے جاؤ اور (جا کر) اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو، آپؑ کی بصارت لوٹ آئے گی۔‘‘

﴿وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۳﴾ ’’اور تم لے آؤ میرے پاس اپنے تمام اہل خانہ کو۔‘‘

آیات ۹۴ تا ۱۰۱

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝۹۴ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝۹۵ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ

اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى
يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ۝ؕ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى
الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ
حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ
الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۝ رَبِّ
قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫
اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۝

آیت ۹۴ ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۝﴾ ’’اور جب قافلہ چلا (مصر سے تو) ان کے والد نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے‘ اگر تم لوگ یہ نہ کہو کہ میں سٹھیا گیا ہوں۔‘‘

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ جونہی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اسی لمحے کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی خوشبو پہنچ گئی۔ مگر اس سے پہلے ایک طویل عرصے تک آپؑ نے اپنے بیٹے کے ہجر میں رو رو کر اپنی آنکھیں سفید کر لیں‘ مگر یہ خوشبو نہیں آئی۔ اس سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ کوئی نبی ہو یا ولی‘ کسی معجزے یا کرامت کا ظہور کسی بھی شخصیت کا ذاتی کمال نہیں ہے‘ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ وہ جس کو‘ جس وقت جو علم چاہے عطا فرما دے یا اس کے ہاتھوں جو چاہے دکھا دے۔ جیسے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبویؐ میں خطبہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے شام کے علاقے میں واقع اس میدانِ جنگ کا نقشہ دکھا دیا جہاں اُس وقت اسلامی افواج برسرِ پیکار تھیں‘ اور آپؓ نے فوج کے کمانڈر ساریہ کو ایک حربی تدبیر اختیار کرنے کی باآوازِ بلند تلقین فرمائی۔ جناب ساریہ نے میدانِ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی اور آپؓ کی ہدایت پر عمل کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اختیار تھا کہ جب چاہتے ایسا منظر دیکھ لیتے۔

آیت ۹۵ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ۝﴾ ’’انہوں (گھر والوں) نے کہا: اللہ کی قسم! آپؑ تو اپنے اسی پرانے خبط ہی میں مبتلا ہیں۔‘‘

آپؑ کو شروع ہی سے یہ وہم ہے کہ یوسفؑ زندہ ہے اور آپؑ کو اس کے دوبارہ ملنے کا یقین ہے۔ یہ آپؑ کے ذہن پر اسی وہم کے غلبے کا اثر ہے جو آپؑ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہی پرانے خیالات یوسف کی خوشبو بن کر آپ کے دماغ میں آ رہے ہیں۔

آیت ۹۶ ﴿فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ﴾ ’’تو جب آیا بشارت دینے والا

اور اُس نے ڈالا اس (قمیص) کو یعقوبؑ کے چہرے پر تو آپؑ پھر سے ہو گئے دیکھنے والے۔''

یوسف کی قمیص چہرے پر ڈالتے ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت لوٹ آئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے زندگی کا سب سے اندوہناک غم بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے ہی کی صورت میں سامنے آیا تھا جب برادرانِ یوسف نے اس پر خون لگا کر ان کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اب زندگی کی سب سے بڑی خوشی بھی یوسفؑ کے کُرتے ہی کی صورت میں نمودار ہوگئی۔

﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ ۚۙ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''آپؑ نے فرمایا: کیا میں تم سے کہتا نہیں تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جو تم نہیں جانتے؟''

آیت ۹۷ ﴿قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَاۤ اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیۡنَ ﴿۹۷﴾﴾ ''انہوں نے کہا: ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجیے' یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔''

آیت ۹۸ ﴿قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹۸﴾﴾ ''آپؑ نے فرمایا: عنقریب میں مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے' یقیناً وہی ہے بخشش والا' بہت رحم کرنے والا۔''

یہاں پر ''سَوۡفَ'' کا لفظ بہت اہم ہے۔ یعنی آپؑ نے فوری طور پر ان کے لیے استغفار نہیں کیا بلکہ وعدہ کیا کہ میں عنقریب تم لوگوں کے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اپنے بیٹوں کے بارے میں آپؑ کے دل میں رنج اور غصہ برقرار تھا۔ شاید آپؑ کا خیال ہو کہ میں یوسفؑ سے مل کر ساری تفصیلات معلوم کروں گا' اس کے بعد جب تمام معاملات کی صفائی ہو جائے گی تو پھر میں اپنے رب سے ان کے لیے معافی کی درخواست کروں گا۔

آیت ۹۹ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰی یُوۡسُفَ اٰوٰۤی اِلَیۡہِ اَبَوَیۡہِ﴾ ''پھر جب وہ سب یوسفؑ کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو''

کنعان سے چل کر بنی اسرائیل کا یہ پورا خاندان جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچا تو آپؑ نے خصوصی اعزاز کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے پاس امتیازی نشستیں پیش کیں۔

﴿وَقَالَ ادۡخُلُوۡا مِصۡرَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیۡنَ ﴿ؕ۹۹﴾﴾ ''اور کہا کہ اب آپ لوگ مصر میں داخل ہو جائیں' اللہ نے چاہا تو پورے امن وچین کے ساتھ (یہاں رہیں)۔''

اب آپ لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر اللہ نے چاہا تو یہاں آپؑ کے لیے امن وچین اور سکون و راحت ہی ہے۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَرَفَعَ اَبَوَیۡہِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَہٗ سُجَّدًا ۚ﴾ ''اور آپؑ نے اپنے والدین کو اونچے تخت پر بٹھایا' اور وہ سب کے سب یوسفؑ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔''

یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ شریعتِ محمدی ﷺ میں جہاں دین کی تکمیل ہوگئی وہاں توحید

کا معاملہ بھی آخری درجے میں تکمیل کو پہنچا دیا گیا۔ چنانچہ یہ سجدۂ تعظیمی اب حرامِ مطلق ہے۔ جو لوگ اپنے بزرگوں یا قبروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ صریح شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات سے آج اس کے لیے کوئی دلیل اخذ کرنا قطعاً درست نہیں۔

﴿وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور یوسفؑ نے کہا: ابا جان! یہ ہے تعبیر اُس خواب کی جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا''

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب کا ذکر آیت ۴ میں ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس میں گیارہ بھائی ستاروں کی مانند جبکہ والدین سورج اور چاند کے حکم میں ہیں۔

﴿قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا﴾ ''میرے رب نے اس کو سچا کر دکھایا۔''

﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ﴾ ''اور اُس نے مجھ پر بہت احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکلوایا''

﴿وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾ ''اور آپ لوگوں کو (یہاں) لے آیا صحرا سے''

آپ لوگوں کو صحرا کی پُر مشقت زندگی سے نجات دلا کر یہاں مصر کے متمدن اور ترقی یافتہ ماحول میں پہنچا دیا' جہاں زندگی کی ہر سہولت میسر ہے۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ﴾ ''اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈال دی تھی۔''

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۱۰۰﴾ ''یقیناً میرا ربّ غیر محسوس طور پر تدبیر کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یقیناً وہی ہے ہر شے کا علم رکھنے والا' حکمت والا۔''

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق باریک بینی سے تدبیر کرتا ہے اور اس کی تدبیر بالآخر کامیاب ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں:

آیت ۱۰۱ ﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ ''اے میرے ربّ! تُو نے مجھے حکومت بھی عطا کی ہے اور مجھے خوابوں کی تعبیر (یا معاملہ فہمی) کا علم بھی سکھایا ہے۔''

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''اے وہ ہستی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' تُو ہی میرا کارساز ہے' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۱﴾ ''مجھے وفات دیجیو فرمانبرداری کی حالت میں اور مجھے شامل کر دیجیو اپنے صالح بندوں میں۔''

آیات ۱۰۲ تا ۱۱۱

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ
يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا
مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ
مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى
اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ
نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي
الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ
شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

آیت ۱۰۲ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ﴾ ”یہ ہے غیب کی خبروں میں سے جو ہم وحی کرتے ہیں (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف۔“

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ”اور آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے اتفاقِ رائے کیا تھا اپنے معاملے پر اور جب وہ لوگ سازش کر رہے تھے۔“

آیت ۱۰۳ ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ”اور بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، چاہے آپ کتنی ہی خواہش رکھیں۔“

ان منکرینِ حق نے اپنی طرف سے ایک سوال کیا تھا، ہم نے اس کا مفصل جواب دے دیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس قدر عمدہ اور خوبصورت جواب پا کر وہ لوگ ایمان بھی لے آئیں گے۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ان میں سے اکثر لوگ آپ ﷺ کی شدید خواہش کے باوجود بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ اس پر ان سے کوئی اجر تو نہیں مانگ رہے، یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے ایک یاددہانی ہے۔“

آیت ۱۰۵ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ”اور کتنی ہی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر سے یہ گزرتے رہتے ہیں، لیکن یہ اُن سے اعراض

ہی کرتے ہیں۔‘‘

یہ لوگ زمین و آسمان کی وسعتوں میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں کو بار بار دیکھتے ہیں مگر کبھی ان پر غور کر کے سبق حاصل نہیں کرتے۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ ’’اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس طرح کہ (کسی نہ کسی نوع کا) شرک بھی کرتے ہیں۔‘‘

یہ آیت ہمارے لیے بہت زیادہ لائق توجہ ہے اور ہم سب کو اس پر بہت غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔ شرک کا معاملہ ان لوگوں کا تو بالکل واضح ہے جو ایک اللہ کے ساتھ بے شمار دوسرے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مختلف ناموں سے اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ خود کو موحّد سمجھتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ امکانی حد تک موحّد ہوتے بھی ہیں' بسا اوقات غیر شعوری طور پر وہ بھی کسی نہ کسی نوع کے شرک میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کو سمجھنے کے لیے بڑی گہری بصیرت کی ضرورت ہے' اور ایسی بصیرت اور ایسا علم حاصل کرنا ہر صاحب شعور مسلمان پر فرض ہے تاکہ وہ خود کو اس مہلک اور تباہ کن گناہ سے بچا سکے۔

شرک کو قرآن مجید میں بدترین گناہ اور سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس گناہ کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورۃ النساء میں وہ آیت (۴۸ اور ۱۱۶) دو مرتبہ آئی ہے جس میں شرک کا ارتکاب کرنے والے فرد کے لیے معافی اور مغفرت کے کسی بھی امکان کو سختی سے رد کر دیا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ —— اس اعتبار سے میں یہاں پر ایک دفعہ پھر ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ’’حقیقت و اقسام شرک‘‘ کے موضوع پر میری چھ گھنٹے کی تقاریر کی ریکارڈنگ آپ ضرور سنیں (اب اسی نام سے کتاب بھی دستیاب ہے' جس کا مطالعہ کر لیں) اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام کیا ہیں؟ ماضی میں شرک کی کیا صورتیں تھیں اور آج کے دور کا سب سے بڑا شرک کون سا ہے؟ شرک فی الذات کیا ہے؟ شرک فی الصفات کیا ہے؟ شرک فی الحقوق کیا ہے؟ نظریاتی شرک کیا ہے؟ سائنس میں یہ شرک کس طور سے آیا ہے؟ قوم پرستی' مادہ پرستی' نفس پرستی اور دولت پرستی کس اعتبار سے شرک کے زمرے میں آتی ہے؟ کون کون سے بڑے شرک ہیں جن میں آج ہمارے ملوث ہونے کا امکان ہے؟ شرک کے بارے میں یہ تمام تفصیلات جاننا ایک بندۂ مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

آیت ۱۰۷ ﴿اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ﴾ ’’کیا وہ اس سے بے خوف ہو چکے ہیں کہ آ دھمکے اُن پر ڈھانپ لینے والی آفت اللہ کے عذاب کی‘‘

﴿اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ’’یا (اُن کو یہ ڈر بھی نہیں رہا کہ) آ جائے اُن پر قیامت اچانک اور انہیں اس کا احساس تک نہ ہو!‘‘

آیت ۱۰۸ ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے' میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں' پوری بصیرت کے ساتھ' میں بھی اور وہ

لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔‘‘

یعنی میرا اس راستے کو اختیار کرنا اور پھر اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا' یونہی کوئی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف نہیں ہے' بلکہ میں اپنی بصیرتِ باطنی کے ساتھ' پوری سوجھ بوجھ اور پورے شعور کے ساتھ اس راستے پر خود بھی چل رہا ہوں اور اس راستے کی طرف دوسروں کو بھی بلا رہا ہوں۔ اسی طرح میرے پیروکار بھی کوئی اندھے بہرے مقلد نہیں ہیں بلکہ پورے شعور کے ساتھ میری پیروی کر رہے ہیں۔

آج کے دور میں اس شعوری ایمان کی بہت ضرورت ہے۔ اگرچہ blind faith بھی اپنی جگہ بہت قیمتی چیز ہے اور یہ بھی انسان کی زندگی اور زندگی کی اقدار میں انقلاب لا سکتا ہے' لیکن آج ضرورت چونکہ نظام بدلنے کی ہے اور نظام پر معاشرے کے intelligentsia کا تسلط ہے' اس لیے جب تک اس طبقے کے اندر شعور اور بصیرت والا ایمان پیدا نہیں ہوگا' یہ نظام تبدیل نہیں ہو سکتا۔

﴿وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ’’اور اللہ پاک ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

آیت ۱۰۹ ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى ؕ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) ہم نہیں بھیجتے رہے آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں ہی کو بستیوں والوں میں سے' جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔‘‘

یعنی آپ ﷺ سے پہلے مختلف ادوار میں اور مختلف علاقوں میں جو انبیاء و رسل آئے وہ سب آدمی ہی تھے اور ان ہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔

﴿اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ﴾ ’’تو کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔‘‘

یہ انہی اقوام کے انجام کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر انباء الرسل کے تحت قرآن میں بار بار آیا ہے۔

﴿وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ’’اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟‘‘

اگلی آیت مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کے بارے میں بہت سی آراء ہیں۔ میرے نزدیک جو رائے صحیح تر ہے' صرف وہ یہاں بیان کی جا رہی ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿حَتّٰۤى اِذَا اسۡتَيۡـئَسَ الرُّسُلُ﴾ ’’یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے‘‘

یعنی متعلقہ قوم میں جس قدر فطرتِ سلیمہ کی استعداد (potential) تھی اس لحاظ سے نتائج سامنے آ چکے۔ ان میں سے جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ ایمان لا چکے اور مزید کسی کے ایمان لانے کی توقع نہ رہی۔ بالفاظِ دیگر اِس چاٹی میں سے جس قدر مکھن نکلنا تھا نکل چکا' اب اسے مزید بلونے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا۔

﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ ''اور لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا تھا''

یہاں ظَنُّوْٓا کا فاعل متعلقہ قوم کے لوگ ہیں' یعنی اب تک جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے وہ مزید دلیر ہو گئے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ سب کچھ واقعی جھوٹ تھا۔ کیونکہ اگر سچ ہوتا تو اتنے عرصے سے ہمیں جو عذاب کی دھمکیاں مل رہی تھیں وہ پوری ہو جاتیں۔ ہم ایمان بھی نہیں لائے اور عذاب بھی نہیں آیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ اور عذاب کے یہ ڈراوے سب جھوٹ ہی تھا۔

﴿جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ﴾ ''تو ان کو ہماری مدد آ پہنچی''

یعنی انبیاء و رسل کی دعوت اور حق و باطل کی کشمکش کے دوران ہمیشہ ایسا ہوا کہ جب دونوں طرف کی سوچ اپنی اپنی آخری حد تک پہنچتی (پیغمبر سمجھتے کہ اب مزید کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا اور منکرین سمجھتے کہ اب کوئی عذاب وغیرہ نہیں آئے گا' یہ سب ڈھونگ تھا) تو عین ایسے موقع پر نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے پاس ہماری طرف سے مدد پہنچ جاتی۔

﴿فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰﴾ ''پس بچا لیا گیا ان کو جن کو ہم نے چاہا۔ اور ہمارا عذاب پھیرا نہیں جا سکتا مجرم قوم سے۔''

یعنی اپنے انبیاء و رسل کے لیے ہماری یہ مدد منکرینِ حق پر عذاب کی صورت میں آتی اور اس عذاب سے جسے ہم چاہتے بچا لیتے' لیکن اس سلسلے کی اٹل حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقع پر مجرمین پر ہمارا عذاب آ کر ہی رہتا ہے۔ اُن کی طرف سے اس کا رخ کسی طور سے موڑا نہیں جا سکتا۔

آیت ۱۱۱ ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ﴾ ''یقیناً ان (سابقہ اقوام) کے واقعات میں ہوش مند لوگوں کے لیے عبرت ہے۔''

﴿مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ''یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جسے گھڑ لیا گیا ہو' بلکہ یہ تو تصدیق (کرتے ہوئے آیا) ہے اُس کی جو اس سے پہلے موجود ہے''

یعنی یہ واقعات تورات میں بھی ہیں اور قرآن انہی واقعات کی تصدیق کر رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے سلسلے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بہت عمدگی کے ساتھ تورات اور قرآن کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے حسنِ بیان اور اس کے حکیمانہ انداز کا معیار اس قدر بلند ہے کہ تورات میں اس کا عُشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تورات تو گم ہو گئی تھی۔ بعد میں حافظے کی مدد سے جو تحریریں مرتب کی گئیں' ان میں ظاہر ہے وہ معیار تو پیدا نہیں ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تورات میں تھا۔

﴿وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱﴾ ''اور (اس میں) تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو (اس پر) ایمان لاتے ہیں۔''

یعنی وہ علم جو اس دنیا میں انسان کے لیے ضروری ہے اور وہ راہنمائی جو دُنیوی زندگی میں اسے درکار ہے سب کچھ اس قرآن میں موجود ہے۔

بارك الله لی ولكم فی القرآن العظيم ونفعنی واياكم بالآيات والذِّكر الحكيم oo

سُورۃُ الرَّعْد

تمہیدی کلمات

سورۃ الرعد سے مکی مدنی سورتوں کے زیر مطالعہ گروپ کے دوسرے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس ذیلی گروپ میں اس سورت کے علاوہ سورۂ ابراہیم اور سورۃ الحجر شامل ہیں۔ یہ تینوں سورتیں نسبتاً چھوٹی ہیں' جبکہ پہلے ذیلی گروپ میں شامل تینوں سورتیں ان کے مقابلے میں طویل تھیں۔ سورۃ الرعد اور سورۂ ابراہیم کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے' ان دونوں کے مضامین میں بھی مشابہت ہے اور طوالت میں بھی یہ تقریباً برابر ہیں' البتہ سورۃ الحجر منفرد ہے۔ جہاں تک سورۃ الرعد کے موضوع کا تعلق ہے یہ سورت ''التذکیر بِآلَاءِ اللّٰہ'' پر مشتمل ہے۔ اس میں اقوامِ گزشتہ کا تذکرہ کسی رسول یا قوم کا نام لیے بغیر بالکل سرسری انداز میں آیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

آیات ۱ تا ۷

الٓمّٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ
رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ
وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ۬
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَيَقُوْلُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ع

آیت ۱ ﴿الٓمّٓرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ﴾ ''ا ل م ر۔ یہ (اللہ کی) کتاب کی آیات ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) جو چیز آپ پر نازل کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (یا ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔''

آیت ۲ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے اٹھایا ہے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھتے ہو''

اس کائنات کے اندر جو بلندیاں ہیں انہیں ستونوں یا کسی طبعی سہارے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باہمی کشش کا ایک عظیم الشان نظام وضع کیا گیا ہے جس کے تحت تمام کہکشائیں ستارے اور سیّارے اپنے اپنے مقام پر رہ کر اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ﴾ ''پھر وہ متمکّن ہوا عرش پر اور اُس نے (مسلسل) کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو۔''

﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ﴾ ''ہر ایک چل رہا ہے ایک وقتِ معیّن کے لیے۔''

یعنی اس کائنات کی ہر چیز متحرک ہے چل رہی ہے یہاں پر سکون اور قیام کا کوئی تصور نہیں۔ دوسرا اہم نکتہ جو یہاں بیان ہوا وہ یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر شے کی عمر یا مہلت مقرر ہے۔ ہر ستارے ہر سیّارے ہر نظامِ شمسی اور ہر کہکشاں کی مہلت زندگی مقرر و معیّن ہے۔

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②﴾ ''وہ تدبیر فرماتا ہے اپنے امر کی اور تفصیل بیان کرتا ہے اپنی آیات کی تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔''

آیت ۳ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ﴾ ''اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور بنائے اس میں لنگر (یعنی پہاڑ) اور ندیاں۔''

اللہ تعالیٰ نے زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اس پر پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ دیے ہیں اور پانی کی فراہمی کے لیے دریا اور ندیاں بہا دی ہیں۔

﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ''اور اُس نے ہر طرح کے پھلوں میں جوڑے بنائے''

جوڑے بنانے کے اس قانون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذاریات آیت ۴۹ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ......﴾ ''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے......''۔ گویا یہ زوجین (نر اور مادہ) کی تخلیق اور ان کا قاعدہ وقانون اللہ تعالیٰ نے اس عالم خلق کے اندر ایک باقاعدہ نظام کے طور پر رکھا ہے۔

یہاں پر پھلوں کے حوالے سے اشارہ ہے کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ کا باقاعدہ نظام موجود ہے۔ کہیں نر اور مادہ پھول الگ الگ ہوتے ہیں اور کہیں ایک ہی پھول کے اندر ایک حصہ نر اور ایک حصہ مادہ ہوتا ہے۔

﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ﴾ ''وہ ڈھانپ دیتا ہے دن پر رات کو۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۴ ﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ﴾ ''اور زمین میں قطعات ہیں ایک دوسرے سے متصل اور باغات انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت' جڑوں سے ملے ہوئے بھی اور الگ الگ بھی' انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے''

﴿وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ﴾ ''(اس کے باوجود) ہم کسی کو کسی پر فضیلت دے دیتے ہیں ذائقے میں۔''

ایک ہی زمین میں ایک ہی جڑ سے کھجور کے دو درخت اُگتے ہیں' دونوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے' لیکن دونوں کے پھلوں کا اپنا اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔''

یہ التذکیر بِاٰلآءِ اللّٰہ کا انداز ہے' جس میں بار بار اللہ کی قدرتوں' نشانیوں اور نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

آیت ۵ ﴿وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ﴾ ''اور اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو قابلِ تعجب ہے ان کا یہ قول کہ کیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو وجود میں آئیں گے؟''

یعنی کفّار کا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر تعجب کرنا' بذاتِ خود باعثِ تعجب ہے۔ جس اللہ نے پہلی مرتبہ تم لوگوں کو تخلیق کیا' پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز پُر حکمت طریقے سے بنائی اُس کے لیے یہ تعجب کرنا کہ وہ ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کرے گا' یہ سوچ اور یہ نظریہ اپنی جگہ بہت ہی مضحکہ خیز اور باعثِ تعجب ہے۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا۔''

دوبارہ جی اٹھنے کے عقیدے سے ان کا یہ انکار دراصل اللہ کے وجود کا انکار ہے۔ اُس کی قدرت اور اس کے عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہونے کا انکار ہے۔

﴿وَاُولٰۗىِٕكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ ''اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں' اور یہی جہنمی ہیں' اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۶ ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ ’’اور یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کے لیے بھلائی سے پہلے‘‘

کفارِ مکہ حضور ﷺ سے بڑی جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ لے آئیں ہم پر وہ عذاب جس کے بارے میں آپؐ ہمیں روز روز دھمکیاں دیتے ہیں۔

﴿وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ﴾ ’’حالانکہ ان سے پہلے (بہت سی) مثالیں گزر چکی ہیں۔‘‘

اللہ کے عذاب کی بہت سی عبرت ناک مثالیں گزشتہ اقوام کی تاریخ کی صورت میں ان کے سامنے ہیں۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ﴾ ’’اور یقیناً آپ کا رب لوگوں کے حق میں معاف کرنے والا ہے ان کے ظلم کے باوجود۔‘‘

یہ اُس کی رحمت اور شانِ غفاری کا مظہر ہے کہ ان کے مطالبے کے باوجود اور ان کے شرک و ظلم میں اس حد تک بڑھ جانے کے باوجود عذاب بھیجنے میں تاخیر فرما رہا ہے۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶﴾ ’’اور یقیناً آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے۔‘‘

آیت ۷ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ’’اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص پر کوئی نشانی اس کے ربّ کی طرف سے؟‘‘

مشرکینِ مکہ بار بار اسی دلیل کو دہراتے تھے کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو کوئی حسّی معجزہ کیوں نہیں دیا گیا؟

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ تو بس خبردار کر دینے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے۔‘‘

جس طرح ہم نے ہر قوم کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں اسی طرح آپؐ کو بھی ہم نے اِن لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے۔ آپؐ کے ذمہ ان کی تبشیر‘ تنذیر اور تذکیر ہے۔ آپ ﷺ اپنا یہ فرض ادا کرتے رہیں۔

آیات ۸ تا ۱۸

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ
شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ
اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ السجدۃ
مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ
لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ
وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ
السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاۗءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ
كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ڛ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاۗءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ
فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ
وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع ۱۱ ۸

آیت ۸ ﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى﴾ ”اللہ خوب جانتا ہے کہ ہر مادہ کیا اٹھائے ہوئے ہے“
ہر مادہ چاہے وہ انسان ہے یا حیوان‘ اس کے رحم میں جو کچھ ہے اللہ کے علم میں ہے۔

﴿وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ﴾ ”اور (وہ جانتا ہے) جس قدر رحم سکڑتے ہیں یا بڑھتے ہیں۔“
جب حمل ٹھہر جاتا ہے تو رحم سکڑتا ہے اور جب بچہ بڑھتا ہے تو اس کے بڑھنے سے رحم پھیلتا ہے۔ ایک ایک مادہ کے اندر ہونے والی اس طرح کی ایک ایک تبدیلی کو اللہ خوب جانتا ہے۔

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾﴾ ”اور ہر چیز اُس کے ہاں اندازے کے مطابق ہے۔“
اس کائنات کا پورا نظام ایک طے شدہ حکمت عملی کے تحت چل رہا ہے جہاں ہر چیز کی مقدار اور ہر کام کے لیے قاعدہ اور قانون مقرر ہے۔

آیت ۹ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾﴾ ”وہ جاننے والا ہے غیب اور ظاہر کا‘ (وہ) بہت بڑا‘ بہت بلندی والا ہے۔“

آیت ۱۰ ﴿سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾﴾ ”(اُس کے علم میں) برابر ہیں تم میں سے جو بات کو (دل میں) چھپائیں اور جو اسے (بلند

آواز سے) ظاہر کریں اور وہ جو رات کی تاریکی میں چھپے ہوئے ہوں اور جو دن کی روشنی میں چلتے پھرتے ہوں۔''

غیاب کی صورت ہو یا ظہور کا عالم اللہ کے علم کے سامنے سب برابر ہے۔ ہر چیز اور اس کی ہر کیفیت ہر آن اس کے سامنے حاضر و موجود ہے۔

آیت ۱۱ ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (پہرے دار مقرر) ہیں' وہ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اللہ کے حکم سے۔''

یہ مضمون اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام (آیت ۶۱) میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تمہارے اوپر محافظ بھیجتا ہے۔ اللہ کے مقرر کردہ یہ فرشتے اللہ کی مشیّت کے مطابق ہر وقت انسان کی حفاظت کرتے رہتے ہیں' حتیٰ کہ اس کی موت کا وقت آ پہنچتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا' جب تک کہ وہ خود نہیں بدل دیتے اُس (کیفیت) کو جو اُن کے دلوں میں ہے۔''

آپ اپنی باطنی کیفیت کو بدلیں گے' اس کے لیے محنت کریں گے تو اللہ کی طرف سے بھی آپ کے معاملے میں تبدیلی کر دی جائے گی۔ مولانا ظفر علی خان نے اس آیت کی ترجمانی ان خوبصورت الفاظ میں کی ہے: ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪﴾ ''اور جب اللہ کسی قوم کے لیے کسی بری شے (عذاب) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کو لوٹانے والا کوئی نہیں ہے' اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔''

آیت ۱۲ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫﴾ ''وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی (کی چمک) خوف سے بھی اور امید سے بھی' اور وہ اٹھاتا ہے بڑے بوجھل بادل۔''

گہرے بادلوں کی گرج چمک میں خوف کے سائے بھی ہوتے ہیں اور امید کی روشنی بھی کہ شاید اس بارش سے فصلیں لہلہا اٹھیں اور ہماری قحط سالی خوشحالی میں بدل جائے۔ یعنی ایسی صورت حال میں خوف و رجاء کی کیفیت ایک ساتھ دلوں پر طاری ہوتی ہے۔

آیت ۱۳ ﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ﴾ ''اور تسبیح کرتی ہے کڑک اُس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے''

یہ گرج اور کڑک کی آواز دراصل اللہ کی تسبیح و تحمید ہی کا ایک انداز ہے۔

﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور وہ بھیجتا ہے کڑک دار بجلیاں' پھر وہ گرا دیتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے''

﴿وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾﴾ ''اور وہ (اُس وقت) اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ﴾ ''اُسی کا پکارنا حق ہے۔''

یعنی اللہ ہی ایک ہستی ہے جس کو پکارنا' جس سے دعا کرنا برحق ہے' کیونکہ ایک وہی ہے جو تمہاری پکار کو سنتا ہے' تمہاری حاجت کو جانتا ہے' تمہاری حاجت روائی کرنے پر قادر ہے' اس لیے اس کو پکارنا حق بھی ہے اور سودمند بھی۔ اسے چھوڑ کر کسی اور کو پکارو گے' چاہے وہ کوئی فرشتہ ہو' ولی ہو یا نبی' کوئی تمہاری پکار اور فریاد کو نہیں سنے گا' اور جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے' تمہاری ہر ایسی پکار اکارت جائے گی۔ اس فقرے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ''اُسی کی دعوت حق ہے''۔ یعنی جس چیز کی دعوت وہ دے رہا ہے' جس راستے کی طرف وہ بلا رہا ہے وہی حق ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ ''اور جن کو یہ لوگ پکار رہے ہیں اُس کے سوا' وہ ان کی دعا کو کسی طرح بھی قبول نہیں کرتے''

وہ ان کی کوئی بھی دادرسی نہیں کر سکتے۔

﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ﴾ ''مگر جیسے کوئی پھیلا دے اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ وہ اُس کے مُنہ تک پہنچ جائے' حالانکہ وہ اس (کے مُنہ) تک پہنچنے والا نہیں ہے۔''

جیسے اپنے ہاتھ پھیلا کر پانی کو اپنے منہ کی طرف بلانا ایک کارِ عبث ہے' اسی طرح کسی غیر اللہ کو پکارنا' اُس کے سامنے گڑگڑانا اور اس سے دادرسی کی امید رکھنا بھی کارِ عبث ہے۔

﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور کافروں کی دعا تو بالکل بے کار ہے۔''

یہ لوگ جو اللہ کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں ان کی یہ پکار لا حاصل ہے' ایک تیر بے ہدف اور صدا بہ صحرا ہے۔

آیت ۱۵ ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾﴾ ''اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے' آمادگی کے ساتھ بھی اور مجبوراً بھی' اور اُن کے سائے بھی صبح و شام (اُسی کو سجدہ کرتے ہیں)۔''

صبح کے وقت جب سورج نکلتا ہے اور سائے زمین پر لمبے ہو کر پڑے ہوتے ہیں وہ اس حالت میں اللہ کو سجدہ کر رہے ہوتے ہیں اور اسی طرح شام کو غروبِ آفتاب کے وقت بھی یہ سائے حالت سجدہ میں ہوتے ہیں۔

آیت ۱۶ ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ﴾ ''(ان سے) پوچھئے کون ہے آسمانوں اور زمین کا مالک؟ کہیے اللہ ہی ہے!''

﴿قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ﴾ ''کہیے کیا تم نے

اُس کو چھوڑ کر ایسے حمایتی بنا لیے ہیں جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟"

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ﴾ "(ان سے) پوچھئے کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی؟"

﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ "کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے تخلیق کی ہے اُس کی تخلیق کی طرح' تو یہ تخلیق اُن پر مشتبہ ہوگئی ہے؟"

یعنی ان مشرکین کا معاملہ تو یوں لگتا ہے جیسے اُن کے معبودوں نے بھی کچھ مخلوق پیدا کر رکھی ہے اور کچھ مخلوق اللہ کی ہے۔ اب وہ بے چارے اس شش و پنج میں پڑے ہوئے ہیں کہ کون سی مخلوق کو اللہ سے منسوب کریں اور کس کس کو اپنے ان معبودوں کی مخلوق مانیں! جب ایسا نہیں ہے اور وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کا خالق اور مالک اللہ ہے تو پھر اللہ کو اکیلا اور واحد معبود ماننے میں وہ کیوں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہیں؟

﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾﴾ "کہہ دیجیے کہ اللہ ہی خالق ہے ہر شے کا' اور وہ ہے یکتا' سب پر حاوی۔"

آیت ۱۷ ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ "وہ آسمان سے پانی برساتا ہے' پھر تمام ندیاں بہنے لگتی ہیں اپنی اپنی وسعت کے مطابق"

قرآن چونکہ حجاز میں نازل ہو رہا تھا اس لیے اس میں زیادہ تر مثالیں بھی اسی سرزمین سے دی گئی ہیں۔ اس مثال میں بھی علاقہ حجاز کے پہاڑی سلسلوں اور وادیوں کا ذکر ہے' کہ جب بارش ہوتی ہے تو ہر وادی میں اُس کی وسعت کے مطابق سیلابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی وادی کا catchment area زیادہ ہے تو وہاں زیادہ زوردار سیلاب آ جاتا ہے اور جس کا کم ہے وہاں تھوڑا سیلاب آ جاتا ہے۔

﴿فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ﴾ "پھر اٹھا لاتا ہے سیلاب اُبھرتے جھاگ کو۔"

پانی جب زور سے بہتا ہے تو اس کے اوپر جھاگ سا بن جاتا ہے۔ لیکن اس جھاگ کی کوئی حقیقت اور وقعت نہیں ہوتی۔

﴿وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ﴾ "اور جن (دھاتوں) کو یہ لوگ آگ پر تپاتے ہیں زیور یا دوسری چیزیں بنانے کے لیے ان پر بھی اسی طرح کا جھاگ اُبھرتا ہے۔"

﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۭ﴾ "اسی طرح اللہ حق و باطل کو ٹکراتا ہے۔"

اس کا دوسرا ترجمہ یوں ہوگا: "اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔"

﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ﴾ "تو جو جھاگ ہے وہ خشک ہو کر زائل ہو جاتا ہے۔"

جھاگ کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہوتی' اصل نتائج کے اعتبار سے اس کا ہونا یا نہ ہونا گویا برابر ہے۔

﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ''اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں۔''

سیلاب کا پانی زمین میں جذب ہو کر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے جبکہ جھاگ ضائع ہو جاتا ہے' اسی طرح پگھلی ہوئی دھات کے اوپر پھولا ہوا جھاگ اور میل کچیل فضول چیز ہے' اصل خالص دھات اس جھاگ کے نیچے کٹھالی کی تہہ میں موجود ہوتی ہے جس سے زیور یا کوئی دوسری قیمتی چیز بنائی جاتی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝۱۷﴾ ''اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔''

یہ آیت کارل مارکس کے dialectical materialism کے فلسفے کے حوالے سے بہت اہم ہے۔اس فلسفے کا جتنا حصہ درست ہے وہ اس آیت میں موجود ہے۔دورِ جدید کے یہ جتنے بھی نظریے (theories) ہیں ان میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ سچائی موجود ہے۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ہو یا فرائیڈ اور مارکس کے نظریات' ان میں سے کوئی بھی سو فیصد غلط نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان نظریات میں غلط اور درست خیالات گڈ مڈ ہیں۔ جہاں تک مارکس کے نظریہ جدلیاتی مادیت (dialectical materialism) کا تعلق ہے اس کے مطابق کسی معاشرے میں ایک خیال یا نظریہ جنم لیتا ہے جس کو thesis کہا جاتا ہے۔اس کے ردِعمل کے طور پر اینٹی تھیسس (antithesis) وجود میں آتا ہے۔ پھر یہ تھیسس اور اینٹی تھیسس ٹکراتے ہیں اور ان کے ٹکرانے سے ایک نئی شکل پیدا ہوتی ہے جسے سِن تھیسس (synthesis) کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ اس نظریہ کی بہتر شکل ہوتی ہے مگر یہ بھی اپنی جگہ کامل نہیں ہوتی' اس کے اندر بھی نقائص موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اِسی سن تھیسس کی کوکھ سے ایک اور اینٹی تھیسس جنم لیتا ہے۔ان کا پھر آپس میں اسی طرح ٹکراؤ ہوتا ہے اور پھر ایک نیا سن تھیسس وجود میں آتا ہے۔ یہ عمل (process) اسی طرح بتدریج آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔اس تصادم میں جو چیز فضول' غلط اور بیکار ہوتی ہے وہ ضائع ہوتی رہتی ہے' مگر جو علم اور خیال معاشرے اور نسل انسانی کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔

دورِ جدید کے بیشتر نظریے (theories) ایسے لوگوں کی تخلیق ہیں جن کے علم اور سوچ کا انحصار کلی طور پر مادے پر تھا۔ یہ لوگ روح اور اس کی حقیقت سے بالکل نابلد تھے۔ بنیادی طور پر یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کے اخذ کردہ نتائج اکثر و بیشتر غلط اور گمراہ کن تھے۔ بہرحال اس سارے عمل (process) میں غلط اور باطل خیالات و مفروضات خود بخود چھٹتے رہتے ہیں اور نسل انسانی کے لیے مفید علوم کی تطہیر (purification) ہوتی رہتی ہے۔سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۸ میں یہ حقیقت اس طرح واضح کی گئی ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ﴾ ''ہم دے مارتے ہیں حق کو باطل پر' تو وہ باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے' پھر وہ (باطل) غائب ہو جاتا ہے''۔حق و باطل اور خیر و شر کی اس کش مکش کے ذریعے سے گویا نسلِ انسانی تدریجاً تمدن اور ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے رفتہ رفتہ بہتری کی طرف آ رہی ہے۔

علامہ اقبال کے مطابق نسلِ انسانی کے لیے کامل بہتری یا حتمی کامیابی اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کی تعمیل میں پوشیدہ ہے جس کا کامل عملی نمونہ اس دنیا میں پندرہ سو سال پہلے نبی آخر الزماں ﷺ نے پیش کیا تھا۔ارتقاءِ فکر

انسانی کے سفر کے نام پر انسانی تمدن کے چھوٹے بڑے تمام قافلے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی مینارۂ نور (light house) کی طرف رواں دواں ہیں۔ اگر کسی ماحول میں روشنی کی کوئی کرن اجالا بکھیرتی نظر آتی ہے تو وہ اسی منبعِ نُور کی مرہونِ منّت ہے۔ اور اگر کسی ماحول کے حصے کی تاریکیاں ابھی تک گہری ہیں تو جان لیجیے کہ وہ اپنی اس فطری اور حتمی منزل سے ہنوز دور ہے۔ اس سلسلے میں اقبال کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو — زانکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مُصطفٰے او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مُصطفٰے است

آیت ۱۸ ﴿لِلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّہِمُ الۡحُسۡنٰی ؕ﴾ ”جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا ان کے لیے بھلائی ہے۔“

﴿وَ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَہٗ لَوۡ اَنَّ لَہُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا وَّ مِثۡلَہٗ مَعَہٗ لَافۡتَدَوۡا بِہٖ ؕ﴾ ”اور جنہوں نے اُس کی دعوت کو قبول نہیں کیا' اگر ان کے پاس ہو جو کچھ ہے زمین میں سب کا سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی تو وہ (یہ سب کچھ) ضرور بدلے میں دے ڈالیں۔“

﴿اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡحِسَابِ ۬ۙ وَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمِہَادُ ﴿۱۸﴾﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔“

یعنی ان کے حساب کا جو نتیجہ نکلنے والا ہے وہ ان کے حق میں بہت برا ہوگا۔

آیات ۱۹ تا ۲۶

اَفَمَنۡ یَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ کَمَنۡ ہُوَ اَعۡمٰی ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا
الۡاَلۡبَابِ ﴿ۙ۱۹﴾ الَّذِیۡنَ یُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ وَ لَا یَنۡقُضُوۡنَ الۡمِیۡثَاقَ ﴿ۙ۲۰﴾ وَ الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ
اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ وَ یَخَافُوۡنَ سُوۡٓءَ الۡحِسَابِ ﴿ؕ۲۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ
وَجۡہِ رَبِّہِمۡ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً وَّ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَۃِ
السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عُقۡبَی الدَّارِ ﴿ۙ۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ
وَ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ﴿ۚ۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا
صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ ﴿ؕ۲۴﴾ وَ الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ
اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ اللَّعۡنَۃُ وَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾
اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ وَ فَرِحُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا فِی
ع ۳ الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

آیت ۱۹ ﴿اَفَمَنۡ یَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ کَمَنۡ ہُوَ اَعۡمٰی ؕ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کیا

وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے' بھلا اُس جیسا ہوسکتا ہے جو اندھا ہے؟''

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ ''یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔''

آیت ۲۰ ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴾ ''وہ لوگ جو اللہ کے (ساتھ کیے گئے) عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو توڑتے نہیں ہیں۔''

قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ میں بھی ہم ان سے ملتے جلتے یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾۔ اللہ کے ساتھ کیے گئے معاہدوں میں سے ایک تو وہ عہد الست ہے (بحوالہ الاعراف: ۱۷۲) جو ہم نے عالم ارواح میں اللہ کے ساتھ کیا ہے' پھر ہر بندۂ مؤمن کا میثاق شریعت ہے کہ میں اللہ کے تمام احکامات کی تعمیل کروں گا۔ پھر اللہ کا مؤمن کے ساتھ کیا گیا وہ سودا بھی ایک عہد ہے جس کا ذکر سورۃ التوبۃ' آیت ۱۱۱ میں ہے اور جس کے مطابق اللہ نے مؤمنین کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ آیت زیر نظر میں یہ ان خوش قسمت لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے ساتھ کیے گئے تمام عہد درجہ بدرجہ پورے کرتے ہیں۔

آیت ۲۱ ﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴾ ''اور جو لوگ جوڑتے ہیں اُس کو جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے' اور جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بُرے حساب کا۔''

وہ لوگ قرابت کے رشتوں کو جوڑتے ہیں' یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں اور حسابِ آخرت کے نتائج کی برائی سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں کہ اس دن حساب کے نتائج منفی ہونے کی صورت میں کہیں ہماری شامت نہ آجائے۔

آیت ۲۲ ﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے' اور نماز قائم کی' اور خرچ کیا اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا تھا پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی''

﴿وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴾ ''اور وہ بھلائی سے بُرائی کو دُور کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن کے لیے دارِ آخرت کی کامیابی ہے۔''

وہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے' بلکہ کوئی شخص اگر ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ جواباً اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں تاکہ اس کے اندر اگر نیکی کا جذبہ موجود ہے تو وہ جاگ جائے۔ (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!)

آیت ۲۳ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴾ ''(آخرت کا گھر) وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے' جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو بھی صالح ہوں گے ان کے آباء' ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے' اور ہر دروازے سے جنت کے فرشتے ان کے سامنے حاضر ہوں گے۔''

آیت ۲۴ ﴿سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ ﴿۲۴﴾﴾ ’’(اور کہیں گے) سلامتی ہو آپ پر بسبب اس کے جو آپ لوگوں نے صبر کیا‘ تو کیا ہی اچھا ہے یہ آخرت کا گھر!‘‘

جنت میں اپنے آباء و اَجداد اور اہل و عیال میں سے صالح لوگوں کی معیت گویا اللہ کی طرف سے اپنے نیک بندوں کے لیے ایک اعزاز ہو گا‘ اور اس کے لیے اگر ضرورت ہوئی تو ان کے ان رشتہ داروں کے درجات بھی بڑھا دیے جائیں گے۔ مگر یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اہل جنت کے جو قرابت دار کفار اور مشرکین تھے‘ ان کے لیے رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی‘ بلکہ اس رعایت سے صرف وہ اہل ایمان مستفیض ہوں گے جو ’’صالحین‘‘ کی baseline پر پہنچ چکے ہوں گے۔ یعنی سورۃ النساء‘ آیت ۶۹ میں جو مدارج بیان ہوئے ہیں ان کے اعتبار سے جو مسلمان کم سے کم درجے کی جنت میں داخلے کا مستحق ہو چکا ہو گا‘ اس کے مدارج اس کے کسی قرابت دار کی وجہ سے بڑھا دیے جائیں گے جو جنت میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہو گا۔ مثلاً ایک شخص کو جنت میں بہت اعلیٰ مرتبہ عطا ہوا ہے‘ اب اس کا باپ ایک صالح مسلمان کی baseline پر پہنچ کر جنت میں داخل ہونے کا مستحق تو ہو چکا ہے مگر جنت میں اس کا درجہ بہت نیچے ہے‘ تو ایسے شخص کے مراتب بڑھا کر اسے اپنے بیٹے کے ساتھ اعلیٰ درجے کی جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

آیت ۲۵ ﴿وَالَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۙ﴾ ’’اور (اس کے برعکس) وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو اس کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان (رشتوں) کو جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔‘‘

قبل ازیں سورۃ البقرۃ‘ آیت ۲۷ میں بھی ہم بعینہٖ یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿اَلَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ وہاں اس حوالے سے کچھ وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

﴿اُولٰٓئِکَ لَہُمُ اللَّعۡنَۃُ وَلَہُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے بُرا گھر (جہنم) ہے۔‘‘

آیت ۲۶ ﴿اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ﴾ ’’اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا رزق دیتا ہے۔‘‘

﴿وَفَرِحُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾﴾ ’’اور یہ لوگ مگن ہیں دنیا کی زندگی پر‘ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے تھوڑے سے فائدے کے۔‘‘

جو لوگ اُخروی زندگی کے انعامات کے اُمیدوار نہیں ہیں ان کی جُہد و کوشش کی جولان گاہ یہی دنیوی زندگی ہے۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں اسی زندگی کی آسائشوں کے حصول میں صَرف ہوتی ہیں اور وہ اس کی زیب و زینت

پر فریفتہ اور اس میں پوری طرح مگن ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اس طرزِ عمل پر بہت خوش اور مطمئن ہوتے ہیں' حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل وحقیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔

آیات ۲۷ تا ۳۱

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿ۖ۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿ۭ۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿ۧ۳۱﴾ ع ۴

آیت ۲۷ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ﴾ ''اور کہتے ہیں یہ کافر لوگ کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص پر کوئی نشانی اس کے ربّ کی طرف سے؟''

مشرکینِ مکہ کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو' بار بار ان کی اسی بات اور اسی دلیل کا ذکر ہو رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر کوئی حسّی معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اپنی طرف ہدایت اُسی کو دیتا ہے جو خود (اس کی طرف) رجوع کرے۔''

جو لوگ خود ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' وہ انہیں نعمتِ ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔''

دل اور روح کے لیے تسکین کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ کا ذکر ہے اس لیے کہ انسان کی روح اس کے دل کی مکین ہے اور روح کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرمائیں کہ روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے''۔ لہٰذا جس

طرح انسانی جسم کی حیات کا منبع (source) یہ زمین ہے اور جسم کی نشو ونما اور تقویت کا سارا سامان زمین ہی سے مہیا ہوتا ہے اسی طرح انسانی روح کا منبع ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور اس کی نشو ونما اور تقویت کے لیے غذا کا سامان بھی وہیں سے آتا ہے۔ چنانچہ روح امر اللہ ہے اور اس کی غذا ذکر اللہ اور کلام اللہ ہے۔

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔''

دنیوی مال ومتاع اور سامانِ عیش و آسائش کی بہتات سے نفس اور جسم کی تسکین کا سامان تو ہوسکتا ہے' یہ چیزیں دل کے سکون واطمینان کا باعث نہیں بن سکتیں۔ دل کو یہ دولت نصیب ہوگی تو اللہ کے ذکر سے ہوگی۔

آیت ۲۹ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مبارک باد ہے اور لوٹنے کا بہت اچھا مقام ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے آپ کو بھیجا ہے ایک ایسی امت میں جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ تلاوت کر کے سنائیں ان لوگوں کو وہ (کتاب) جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف درآں حالیکہ یہ لوگ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں۔''

اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام ''الرحمٰن'' عرب میں پہلے سے متعارف تھا مگر مشرکین مکہ ''اللہ'' ہی کو جانتے اور مانتے تھے' اس لیے وہ اس نام سے بدکتے تھے اور عجیب انداز میں پوچھتے تھے کہ یہ رحمٰن کون ہے؟ (الفرقان: ٦٠)

﴿قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ میرا رب ہے' اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔''

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾﴾ ''اُسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ﴾ ''اور اگر ہوتا کوئی ایسا قرآن جس کے ذریعے سے پہاڑ چل پڑتے' یا زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے یا کلام کرتے اس کے ذریعے مُردے (تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے)۔''

یہاں پھر حسی معجزوں کے بارے میں مشرکین کے مطالبے کا جواب دیا جا رہا ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم نے کوئی ایسا قرآن اتارا ہوتا جس کی تاثیر سے طرح طرح کے حسی معجزات کا ظہور ہوتا تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ یہ قرآن ہر اُس شخص کے لیے سراپا معجزہ ہے جو واقعی ہدایت کا خواہش مند ہے۔ یہ طالبانِ حق کے دلوں کو گداز کرتا ہے' ان کی روح کو تازگی بخشتا ہے' ان کے لاشعور کے اندر خوابیدہ ایمانی حقائق کو جگاتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ہدایت کا تمام سامان اس قرآن کے اندر موجود پاتے ہیں۔

﴿بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ﴾

’’بلکہ اختیار تو کُل کا کُل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا اہل ایمان اس پر مطمئن نہیں ہو جاتے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟‘‘

اہل ایمان کو تو یہ یقین ہے نا کہ اگر اللہ چاہتا تو دنیا کے تمام انسانوں کو ہدایت دے سکتا تھا' اور اگر اُس نے ایسا نہیں کیا تو یہ ضرور اسی کی مشیت ہے۔ لہٰذا اس یقین سے اُن کو تو دل جمعی اور اطمینان حاصل ہو جانا چاہیے۔

﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’اور جو کافر ہیں ان کو برابر پہنچتی رہے گی ان کے اعمال کے سبب کوئی نہ کوئی آفت' یا ان کے گھروں کے قریب اترتی رہے گی' یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۳۱﴾ ’’یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔‘‘

ان لوگوں کے کرتوتوں کی پاداش میں ان پر کوئی نہ کوئی آفت اور مصیبت نازل ہوتی رہے گی۔ وہ مسلسل خوف کی کیفیت میں مبتلا رہیں گے' یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے۔

آیات ۳۲ تا ۳۷

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ اَفَمَنْ هُوَ قَاۗىِٕمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّــــُٔـوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ۧ ع ۶ / ۱۱

آیت ۳۲ ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا' تو میں نے ڈھیل دی (کچھ عرصہ کے لیے) کافروں کو' پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔‘‘

﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲﴾ ’’تو کیسا رہا میرا عذاب!‘‘

ذرا تصور کریں قومِ نوحؑ‘ قومِ ہودؑ، قومِ صالحؑ‘ قومِ لوطؑ‘ قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون کے انجام کا اور پھر سوچیں کہ ان نافرمان قوموں کی جب گرفت ہوئی تو وہ کس قدر عبرتناک تھی۔

آیت ۳۳ ﴿اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ﴾ ’’تو کیا وہ ہستی جو ہر جان سے محاسبہ کرنے والی ہے جو اُس نے کمائی کی ہے (اوروں کی طرح ہوسکتی ہے؟)‘‘

اللہ تعالیٰ ہر آن ہر شخص کے ساتھ موجود ہے اور اس کی ایک ایک حرکت اور اس کے ایک ایک عمل پر نظر رکھتا ہے۔ کیا ایسی قدرت کسی اور کو حاصل ہے؟

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ﴾ ’’اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا لیے ہیں۔‘‘

انہوں نے ایسی بصیر‘ خبیر اور عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہستی کے مقابلے میں کچھ معبود گھڑ لیے ہیں‘ جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ﴾ ’’آپؐ کہیے! ذرا ان کے نام تو بتاؤ! کیا تم اللہ کو جتانا چاہتے ہو وہ شے جو وہ نہیں جانتا زمین میں؟‘‘

یعنی اللہ جو اس قدر علیم اور بصیر ہستی ہے کہ اپنے ہر بندے کے ہر خیال اور ہر فعل سے واقف ہے‘ تو تم لوگوں نے جو بھی معبود بنائے ہیں کیا اُن کے پاس اللہ سے زیادہ علم ہے؟ کیا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو جس سے وہ ناواقف ہے؟

﴿اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ﴾ ’’یا تم صرف سطحی سی بات کرتے ہو؟‘‘

یعنی یونہی جو منہ میں آتا ہے تم لوگ کہہ ڈالتے ہو اور ان شریکوں کے بارے میں تمہارے اپنے دعوے کھوکھلے ہیں۔ تمہارے ان دعووں کی بنیادوں میں یقین کی پختگی نہیں ہے۔ ان کے بارے میں تمہاری ساری باتیں سطحی نوعیت کی ہیں‘ عقلی اور منطقی طور پر تم خود بھی اُن کے قائل نہیں ہو۔

﴿بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ﴾ ’’بلکہ ان کافروں کے لیے ان کی مکّاریاں مزیّن کر دی گئی ہیں‘ اور وہ روک دیے گئے ہیں (سیدھے) راستے سے۔‘‘

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۳۳﴾ ’’اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔‘‘

اب گویا ان کے دل اُلٹ دیے گئے ہیں‘ ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے اور ان کے اعمال کو دیکھتے ہوئے اللہ نے ان کی گمراہی کے بارے میں آخری فیصلہ دے دیا ہے۔ اب ان کو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

آیت ۳۴ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ﴾ ’’ان کے لیے عذاب ہے دنیا کی زندگی میں بھی‘ اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔‘‘

﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۳۴﴾ ’’اور نہیں ہوگا کوئی بھی ان کو اللہ سے بچانے والا۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِیۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ﴾
''مثال اُس جنت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقیوں سے' اس کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی' اس کے پھل بھی ہمیشہ قائم رہنے والے ہوں گے اور اس کے سائے بھی۔''

﴿تِلۡكَ عُقۡبَى الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا ۖ وَّعُقۡبَى الۡكٰفِرِیۡنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾﴾ ''یہ ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی' اور کافروں کا انجام تو آگ ہے۔''

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ﴾ ''اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ خوش ہو رہے ہیں اس (قرآن) سے جو (اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے''

یہ مدینہ کے اہل کتاب میں سے نیک سرشت لوگوں کا ذکر ہے۔ اُن کو جب خبریں ملتی تھیں کہ مکہ میں آخری نبی ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے تو وہ ان خبروں سے خوش ہوتے تھے۔

﴿وَمِنَ الۡاَحۡزَابِ مَنۡ یُّنۡكِرُ بَعۡضَهٗ ؕ﴾ ''اور بعض گروہوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔''

﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشۡرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَیۡهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾﴾ ''آپ کہیے کہ مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں' اُسی کی طرف میں بلا رہا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ حُكۡمًا عَرَبِیًّا ؕ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا ہے عربی میں قولِ فیصل بنا کر۔''

''حکم'' بمعنی ''فیصلہ'' یعنی یہ قرآنِ عربی قولِ فیصل بن کر آیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الطارق میں فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ﴿۱۴﴾﴾ ''یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے اور کوئی بے ہودہ بات نہیں ہے۔''

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾﴾
''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آ چکا ہے تو نہیں ہوگا آپ کے لیے بھی اللہ کی طرف سے نہ کوئی حمایتی اور نہ کوئی بچانے والا۔''

آیات ۳۸ تا ۴۳

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّذُرِّیَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ یَّاۡتِیَ
بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ یَمۡحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ ۚۖ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ ﴿۳۹﴾
وَاِنۡ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

آیت ۳۸ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ﴾ ’’اور ہم نے بھیجا رسولوں کو آپؐ سے پہلے بھی اور ہم نے بنائیں ان کے لیے بیویاں بھی اور اولاد بھی۔‘‘

آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں وہ سب عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے (سوائے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے)‘ پھر انہوں نے نکاح بھی کیے اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝﴾ ’’اور کسی رسول کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) لے آتا مگر اللہ کے اِذن سے۔ ہر شے کے لیے ایک مقرر وقت لکھا ہوا ہے۔‘‘

آیت ۳۹ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝﴾ ’’اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے‘ اور اُسی کے پاس ہے اُمّ الکتاب۔‘‘

اُمّ الکتاب یعنی اصل کتاب اللہ کے پاس ہے۔ سورۃ الزخرف میں اس کے متعلق یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝﴾ ’’اور یہ اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس ہے جو بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔‘‘ آپ اسے لوحِ محفوظ کہیں‘ اُمّ الکتاب کہیں یا کتابِ مکنون کہیں‘ اصل قرآن اس کے اندر ہے۔ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے یہ اُس کی مُصدّقہ نقل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور مہربانی سے حضور ﷺ کی وساطت سے ہمیں دنیا میں عطا کر دیا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ ’’اور خواہ ہم دکھا دیں آپ کو اس کا کچھ حصہ جس کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں‘ یا ہم آپؐ کو وفات دے دیں‘‘

یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کی زندگی ہی میں ان کو عذابِ الٰہی میں سے کچھ حصہ مل جائے‘ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں ان پر ایسا وقت نہ آئے‘ بلکہ عذاب کے ظہور میں آنے سے پہلے ہم آپؐ کو وفات دے دیں۔

﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝﴾ ’’پس آپؐ کے ذمہ تو پہنچانا ہی ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے۔‘‘

آپ ﷺ پر ہمارا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری تھی‘ سو آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری احسن طریقہ سے ادا کر دی۔ اب اُن کو ہدایت دینا یا نہ دینا‘ اُن پر عذاب بھیجنا یا نہ بھیجنا اور ان کا حساب لینا‘ یہ سب کچھ ہمارے

ذمّے ہے اور ہم یہ فیصلے اپنی مشیّت کے مطابق کریں گے۔

آیت ۴۱ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آرہے ہیں اس کے کناروں سے؟''

﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے' کوئی نہیں پیچھے ڈالنے والا اس کے حکم کو' اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

یہ مضمون سورۃ الانبیاء میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں' تو کیا اب یہ غالب آنے والے ہیں؟'' یہ اُس دَور کی طرف اشارہ ہے جب مشرکینِ مکّہ نے مکّہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کی بھٹی پورے زور شور سے دہکا رکھی تھی اور وہ لوگ اس میں اپنے سارے وسائل اس اُمید پر جھونکے جا رہے تھے کہ ایک دن محمد ﷺ اور آپؐ کی اس تحریک کو نیچا دکھا کر رہیں گے۔ اس صورتِ حال میں انہیں مکہ کے مضافاتی علاقوں (اُمّ القریٰ وَ مَنْ حَوْلَهَا) کے معروضی حالات کے حوالے سے مستقبل کی ایک امکانی جھلک دکھائی جا رہی ہے کہ بے شک ابھی تک مکہ کے اندر تمہاری حکمت عملی کسی حد تک کامیاب ہے' لیکن کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ مکہ کے آس پاس کے قبائل کے اندر اس دعوت کے اثر و نفوذ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے مقابلے میں تمہارا حلقہ اثر روز بروز سکڑتا چلا جا رہا ہے۔ جیسے قبیلہ بنی غفار کے ایک نوجوان ابوذر رضی اللہ عنہ یہ دعوت قبول کر کے اپنے قبیلے میں ایک مبلغ کی حیثیت سے واپس گئے ہیں اور آپؓ کی وساطت سے یہ دعوت اس قبیلے میں بھی پہنچ گئی ہے۔ یہی حال اردگرد کے دوسرے قبائل کا ہے۔ ان حالات میں کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ یہ دعوت رفتہ رفتہ تمہارے چاروں طرف سے تمہارے گرد گھیرا تنگ کرتی چلی جا رہی ہے؟ اب وہ وقت بہت قریب نظر آ رہا ہے جب تمہارے اردگرد کا ماحول اسلام قبول کر لے گا اور تم لوگ اس کے دائرہ اثر کے اندر محصور ہو کر رہ جاؤ گے۔

اس آیت میں جس صورتِ حال کا ذکر ہے اس کا عملی مظاہرہ ہجرت کے بعد بہت تیزی کے ساتھ سامنے آیا۔ حضور ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایک طرف قریشِ مکہ کے لیے ان کی تجارتی شاہراہوں کو مخدوش بنا دیا تو دوسری طرف مدینہ کے آس پاس کے قبائل کے ساتھ سیاسی معاہدات کر کے اس پورے علاقے سے قریش مکہ کے اثر و رسوخ کی بساط لپیٹ دی۔ مدینہ کے مضافات میں آباد بیشتر قبائل قریشِ مکہ کے حلیف تھے مگر اب ان میں سے اکثر یا تو مسلمانوں کے حلیف بن گئے یا انہوں نے غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیا۔ قریش مکہ کی معاشی ناکہ بندی (economic blockade) اور سیاسی انقطاع (political isolation) کے لیے رسول اللہ ﷺ کے یہ اقدامات اس قدر مؤثر تھے کہ اس کے بعد انہیں اپنے اردگرد سے سکڑتی ہوئی زمین بہت واضح انداز میں دکھائی دینے لگی۔

دراصل فلسفۂ سیرت کے اعتبار سے یہ بہت اہم موضوع ہے مگر بہت کم لوگوں نے اس پر توجہ دی ہے۔ میں

نے اپنی کتاب ''منہج انقلابِ نبوی ﷺ'' میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ﴾ ''اور جو ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی بڑی چالیں چلی تھیں''

اپنے اپنے دَور میں منکرینِ حق نے انبیاء ورسل کی دعوتِ حق کو روکنے کے لیے سازشوں کے خوب جال پھیلائے تھے اور بڑی بڑی منصوبہ بندیاں کی تھیں۔

﴿فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِيۡعًا ؕ﴾ ''لیکن ساری کی ساری تدبیریں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تدبیروں اور سازشوں کا مکمل طور پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کی مشیّت کے خلاف ان کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔

﴿يَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ ؕ وَسَيَعۡلَمُ الۡكُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَى الدَّارِ ۝۴۲﴾ ''وہ جانتا ہے ہر جان جو کچھ کماتی ہے۔ اور عنقریب معلوم ہو جائے گا ان کافروں کو کہ دارِ آخرت کی کامیابی کس کے لیے ہے!''

دارِ آخرت کی بھلائی اور اس کا آرام کس کے لیے ہے' انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

آیت ۴۳ ﴿وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ﴾ ''اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپؐ (اللہ کے) رسول نہیں ہیں۔''

﴿قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۙ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان''

اللہ جانتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں اور اُس کا جاننا میرے لیے کافی ہے۔

﴿وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ ۝۴۳﴾ ''اور جن کے پاس کتاب کا علم ہے (وہ بھی اس پر شاہد ہیں)۔''

میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ میں اُس کا رسول ہوں اور پھر ہر اُس شخص کی گواہی جو کتابِ آسمانی کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تو جانتا ہی ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور میرا معاملہ اُسی کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ یہ اہل کتاب بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اہل کتاب کے اس معاملے کو البقرۃ: ۱۴۶ اور الانعام: ۲۰ میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: ﴿يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ﴾ کہ یہ آپ ﷺ کو بحیثیت رسول ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى وايّاكم بالآيات والذّكر الحكيم ○○

سُورَةُ اِبْرٰهِيْم

تمہیدی کلمات

سورۃ ابراہیم کا سورۃ الرعد کے ساتھ جوڑے کا تعلق ہے۔ ان دونوں سورتوں میں کئی ایسی آیات ہیں جو سورۃ البقرۃ کی بعض آیات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں۔ سورۃ الرعد میں کسی نبی یا رسول کا ذکر نام کے ساتھ نہیں آیا' اسی طرح سورۃ ابراہیم میں بھی انبیاء ورسل علیہم السلام کا تذکرہ قدرے مختلف انداز میں آیا ہے۔ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چند آیات میں کرنے کے بعد زمانہ قبل کے سب انبیاء ورسل علیہم السلام کا ذکر جمع کے صیغے میں ایک ساتھ کیا گیا ہے' جبکہ آخر میں اختصار کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام بھی آپؑ سے منسوب ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۴

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ① اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ② الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ③ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

آیت ۱ ﴿الٓرٰ﴾ ا'ل'ر۔

اس مقام پر حروفِ مقطّعات کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ مکی سورتوں کے اس سلسلے کے پہلے ذیلی گروپ کی تینوں سورتوں (یونس' ہود اور یوسف) کا آغاز الٓرٰ سے ہو رہا ہے' جبکہ دوسرے ذیلی گروپ کی پہلی سورۃ (الرعد) الٓمّٓرٰ سے اور دوسری دونوں سورتیں (ابراہیم اور الحجر) پھر الٓرٰ سے ہی شروع ہو رہی ہیں۔

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ ''(اے

نبی ﷺ!) یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف تا کہ آپ نکالیں لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف' اُن کے رب کے اذن سے"

قرآن کریم میں اندھیرے کے لیے لفظ "ظُلُمات" ہمیشہ جمع اور اس کے مقابلے میں "نُور" ہمیشہ واحد استعمال ہوا ہے۔ چونکہ کسی فرد کی ہدایت کے لیے فیصلہ اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے' اس لیے فرمایا کہ آپ ﷺ کا انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کا یہ عمل اللہ کے حکم اور اس کی منظوری سے ہوگا۔

﴿اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ﴿۱﴾﴾ "اُس ہستی کے راستے کی طرف جو سب پر غالب اور اپنی ذات میں خود محمود ہے۔"

آیت ۲ ﴿اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ "وہ اللہ جس کی ملکیت ہے ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔"

﴿وَ وَیۡلٌ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِ ۙ﴿۲﴾﴾ "اور بربادی ہے کافروں کے لیے ایک سخت عذاب سے۔"

آیت ۳ ﴿الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ﴾ "وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں"

یہ آیت ہم سب کو دعوت دیتی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے اور اپنی ترجیحات کا تجزیہ کرے کہ اس کی مہلتِ زندگی کے اوقات کار کی تقسیم کیا ہے؟ اس کی بہترین صلاحیتیں کہاں کھپ رہی ہیں؟ اور اس نے اپنی زندگی کا بنیادی نصب العین کس رخ پر متعین کر رکھا ہے؟ پھر اپنی مشغولیات میں سے دنیا اور آخرت کے حصے الگ الگ کر کے دیکھے کہ دُنیوی زندگی (مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ) کو سمیٹنے کی اس بھاگ دوڑ میں سے اصل اور حقیقی زندگی (خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی) کے لیے اس کے دامن میں کیا کچھ بچتا ہے؟

﴿وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۳﴾﴾ "اور وہ روکتے ہیں اللہ کے رستے سے اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔"

اللہ کے راستے سے روکنے کی مثالیں آج بھی آپ کو قدم قدم پر ملیں گی۔ مثلاً ایک نوجوان کو اگر اللہ کی طرف سے دین کا شعور اور متاعِ ہدایت نصیب ہوئی ہے اور وہ اپنی زندگی کو اسی رخ پر ڈالنا چاہتا ہے تو اس کے والدین اور دوست احباب اس کو سمجھانے لگتے ہیں' کہ تم اپنے کیریئر کو دیکھو' اپنے مستقبل کی فکر کرو' یہ تمہارے دماغ میں کیا فتور آ گیا ہے؟ غرض وہ کسی نہ کسی طرح سے اسے قائل کر کے اپنے اسی رستے پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جس پر وہ خود اپنی زندگیاں برباد کر رہے ہیں۔

آیت ۴ ﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَہُمۡ ؕ﴾ "اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو

مگر اُس کی قوم کی زبان ہی میں تاکہ وہ ان کے لیے (اللہ کے احکام) اچھی طرح واضح کر دے۔‘‘

یعنی ہر قوم کی طرف مبعوث رسول پر وحی اُس قوم کی اپنی ہی زبان میں آتی تھی تاکہ بات کے سمجھنے اور سمجھانے میں کسی قسم کا ابہام نہ رہ جائے‘ اور ابلاغ کا حق ادا ہو جائے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی تو عبرانی زبان میں دی گئی جو آپؑ کی قوم کی زبان تھی۔

﴿فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ ’’پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔‘‘

اس کا ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے اسے جو چاہتا ہے گمراہ ہونا اور ہدایت دیتا ہے اس کو جو چاہتا ہے ہدایت حاصل کرنا۔

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴﴾ ’’اور وہ زبردست ہے‘ کمال حکمت والا۔‘‘

آیات ۵ تا ۸

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ
اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ ع ۱۳
لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

آیت ۵ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’اور (اسی طرح) ہم نے بھیجا تھا موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ کہ نکالو اپنی قوم کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف اور انہیں خبردار کرو اللہ کے دنوں کے حوالے سے۔‘‘

یہ ’’التذکیر بایّام اللّٰہ‘‘ کی وہی اصطلاح ہے جس کا ذکر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے قبل ازیں بار بار آ چکا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنی مشہور کتاب ’’الفوز الکبیر‘‘ میں مضامین قرآن کی تقسیم کے سلسلے میں ’’التذکیر بایّام اللّٰہ‘‘ کی یہ اصطلاح استعمال کی ہے‘ یعنی اللہ کے ان دنوں کے حوالے سے لوگوں کو خبردار کرنا جن دنوں میں اللہ نے بڑے بڑے فیصلے کیے اور ان فیصلوں کے مطابق کئی قوموں کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ نے دوسری اصطلاح ’’التذکیر بِآلاء اللّٰہ‘‘ کی استعمال کی ہے‘ یعنی اللہ کی نعمتوں اور اس کی نشانیوں کے حوالے سے تذکیر اور یاد دہانی۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس انسان کے

لیے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہے۔"

صَبَّار اور شَکُور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ صبر اور شکر یہ دونوں صفات آپس میں ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کی ہیں۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کو ہر وقت ان میں سے کسی ایک حالت میں ضرور ہونا چاہیے اور اگر وہ ان میں سے ایک حالت سے نکلے تو دوسری حالت میں داخل ہو جائے۔ اگر اللہ نے اس کو نعمتوں اور آسائشوں سے نوازا ہے تو وہ شکر کرنے والا ہو اور اگر کوئی مصیبت یا تنگی اسے پہنچی ہے تو صبر کرنے والا ہو۔

حضرت صہیب بن سنان رومی ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ))(۱)

"مؤمن کا معاملہ تو بہت ہی خوب ہے' اس کے لیے ہر حال میں بھلائی ہے' اور یہ بات مؤمن کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اگر اسے کوئی آسائش پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے' پس یہ اُس کے لیے بہتر ہے' اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے' پس یہ اُس کے لیے بہتر ہے۔"

آیت ۶ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ "اور یاد کرو جب موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کی اُس نعمت کو یاد رکھو جب اُس نے تمہیں نجات دی آلِ فرعون سے"

﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ﴾ "وہ تمہیں مبتلا کیے ہوئے تھے بدترین عذاب میں' اور وہ لوگ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔"

﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝﴾ "اور اس میں یقیناً تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔"

آیت ۷ ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ "اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا"

اگر تم لوگ میرے احکام مانو گے اور میری نعمتوں کا حق ادا کرو گے تو میرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے' میں تم لوگوں کو اپنی مزید نعمتیں بھی عطا کروں گا۔

﴿وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝﴾ "اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔"

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الزھد والرقائق' باب المؤمن امرہ کلہ خیر۔

لیکن اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے‘ میری نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کرو گے اور میرے احکام سے روگردانی کرو گے تو یاد رکھو‘ میری سزا بھی بہت سخت ہوگی۔

آیت ۸ ﴿وَقَالَ مُوْسٰۤی اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝۸﴾ ’’اور موسیٰؑ نے کہا کہ اگر تم کفر کرو اور جو بھی لوگ زمین میں ہیں وہ (سب کے سب کافر ہو جائیں) تو یقیناً اللہ غنی اور اپنی ذات میں خود محمود ہے۔‘‘

وہ بے نیاز ہے‘ اس کو کسی کی احتیاج یا پروا نہیں۔ وہ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔

آیات ۹ تا ۱۷

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ لَا
یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا
بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝۹ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ
مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا
فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی
مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ
فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ
اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲ۧ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ ع ۲ ۱۴
مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۳ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ
الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ۝۱۴ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ
جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ۝۱۵ۙ مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۝۱۶ۙ یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ
وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ ۝۱۷

آیت ۹ ﴿اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ؕ﴾ ’’کیا تمہارے پاس آنہیں چکی ہیں خبریں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے‘ یعنی قومِ نوح اور عاد اور ثمود کی‘‘

﴿وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ ’’اور اُن کی جو اُن کے بعد ہوئے‘ انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔‘‘

﴿جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِيۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ﴾ ''ان کے پاس آئے ان کے رسولؑ واضح نشانیاں لے کر' تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے مونہوں میں ٹھونس لیں''

﴿وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ ۝۹﴾ ''اور کہا کہ ہم تو انکار کرتے ہیں اس کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو' اور تم ہمیں جس چیز کی دعوت دے رہے ہو اُس کے بارے میں ہم سخت الجھن میں ڈال دینے والے شک میں مبتلا ہیں۔''

یہاں تمام رسولوں کو ایک جماعت فرض کر کے اُن کا ذکر اکٹھے کیا جا رہا ہے' کیونکہ سب نے اپنی اپنی قوم کو ایک جیسی دعوت دی اور اُس دعوت کے جواب میں سب رسولوں کی قوموں کا ردِ عمل بھی تقریباً ایک جیسا تھا۔ ان سب اقوام نے اپنے رسولوں کی دعوت کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں تو ان باتوں کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات لاحق ہیں' جن کی وجہ سے ہم سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ''ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اللہ کی ذات کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟''

یہ searching question کا سا انداز ہے جس میں بات وہاں سے شروع کی جا رہی ہے جہاں تک خود فریق ثانی کو بھی اتفاق ہے۔ مذکورہ تمام اقوام کے کفار و مشرکین میں ایک عقیدہ ہمیشہ مشترک رہا ہے کہ وہ تمام لوگ نہ صرف اللہ کو مانتے تھے بلکہ اسے زمین و آسمان کا خالق بھی تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ جس قوم کے لوگوں نے بھی اپنے رسولؑ کی دعوت کو شکوک و شبہات کی بنا پر رد کرنا چاہا ان کو ہمیشہ یہی جواب دیا گیا۔ یعنی سب سے پہلے اللہ کی ذات کا معاملہ ہمارے تمہارے درمیان واضح ہونا چاہیے کہ تمہیں اللہ کی ذات کے بارے میں شک ہے یا اس کے خالق ارض و سماوات ہونے میں؟

﴿يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَغۡفِرَ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''وہ (اللہ) تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور ایک وقتِ معیّن تک تمہیں مہلت دے۔''

﴿قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہیں آپ لوگ مگر ہماری ہی طرح کے انسان۔''

﴿تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱۰﴾ ''آپ چاہتے ہیں کہ روک دیں ہمیں ان (کی پرستش) سے جن کو پوجتے تھے ہمارے آباء' تو لائیے آپ ہمارے سامنے کوئی کھلا معجزہ!''

سب قوموں کے لوگوں کا یہ جواب بھی ایک جیسا تھا' سب نے رسولوں کے انسان ہونے پر اعتراض کیا اور سب نے حسّی معجزہ طلب کیا۔

آیت ۱۱ ﴿قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ

عِبَادِهٖ ؕ﴾ ''اُن کے رسولوں نے ان سے کہا کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تمہاری ہی طرح کے انسان' لیکن اللہ احسان فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔''

یہ اللہ کی مرضی کا معاملہ ہے' وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے۔ اس نے ہمیں اپنی رسالت کے لیے چُن لیا ہے' ہماری طرف وحی بھیجی ہے اور ہمیں مامور کیا ہے کہ ہم آپ لوگوں کو خبردار کریں اور اس کے احکام آپ تک پہنچائیں۔

﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱﴾ ''اور ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے اہلِ ایمان کو۔''

آیت ۱۲ ﴿وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ﴾ ''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر توکّل نہ کریں حالانکہ اُس نے ہمیں ہمارے راستوں کی ہدایت بخشی ہے۔''

اللہ نے ہمیں اپنے تقرب کے طریقے اور اپنی طرف آنے کے راستے بتائے ہیں' یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس پر توکّل نہ کریں؟

﴿وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲﴾ ''اور ہم صبر ہی کریں گے اس ایذا پر جو تم ہمیں پہنچا رہے ہو' اور اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے تمام توکّل کرنے والوں کو۔''

آیت ۱۳ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ﴾ ''اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہوئے تھے اپنے رسولوں سے''

رسولوں کی جماعت اور ان کی قوموں کے درمیان ہونے والے سوالات و جوابات کا تذکرہ جاری ہے۔ یعنی اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے رسولوں سے متعلقہ اقوام کے لوگوں نے کہا:

﴿لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ﴾ ''ہم لازماً نکال باہر کریں گے تمہیں اپنی زمین سے یا تمہیں لوٹنا ہوگا ہمارے دین میں۔''

﴿فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳﴾ ''تو وحی کی ان کی طرف ان کے رب نے کہ ہم ان ظالموں کو اب لازماً ہلاک کر دیں گے۔''

آیت ۱۴ ﴿وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ﴾ ''اور ہم آباد کریں گے زمین میں تم لوگوں کو ان کے بعد۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی طرف وحی بھیجی کہ اب تمام کافروں کو ہلاک کر دیا جائے گا اور اس کے بعد رسولؐ اور ان کے ساتھ بچ جانے والے تمام اہل ایمان کو پھر سے زمین میں آباد کرنے کا سامان کیا جائے گا۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴﴾ ''یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے اور میری وعید سے ڈرتے ہیں۔''

جو لوگ عذاب کی وعیدوں سے ڈرتے ہیں اور روزِ محشر اللہ کی عدالت میں کھڑے ہونے کے تصور سے لرز جاتے ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ⑮﴾ ''اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور نامراد ہو کر رہا ہر سرکش ضدی۔''

جو لوگ کفر و شرک پر ڈٹے رہتے وہ اس بات پر بھی اپنے رسولؑ سے اصرار کرتے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان آخری فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ پھر جب اللہ کی طرف سے وہ آخری فیصلہ عذابِ استیصال کی صورت میں آتا تو اس کے نتیجے میں سرکش اور ہٹ دھرم قوم کو نیست و نابود کر دیا جاتا۔ ایسے منکرینِ حق کی تباہی و بربادی کا نقشہ قرآن حکیم میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ﴾ (الاعراف: ۹۲) ''وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں'' اور ﴿فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ﴾ (الاحقاف: ۲۵) یعنی وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے دیار و امصار میں صرف اُن کے محلات و مساکن ہی نظر آتے تھے جبکہ اُن کے مکینوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اور یہ سب کچھ تو ان لوگوں کے ساتھ اس دنیا میں ہوا' جبکہ آخرت کی بڑی سزا اُس کے علاوہ ہے جس کو جھیلتے ہوئے ان میں سے ہر ایک سرکش ضدی اس طرح نشانِ عبرت بنے گا:

آیت ۱۶ ﴿مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ⑯﴾ ''اُس کے پیچھے جہنم ہے اور اس کو پلایا جائے گا پیپ والا پانی۔''

آیت ۱۷ ﴿يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ﴾ ''وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پینے کی کوشش کرے گا لیکن اسے حلق سے اتار نہیں پائے گا''

﴿وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ﴾ ''اور اُسے ہر طرف سے موت (آتی ہوئی نظر) آئے گی لیکن مر نہیں سکے گا۔''

شدید تکلیف میں موت انسان کو راحت پہنچا دیتی ہے۔ بعض بیمار ایسے ہوتے ہیں کہ تکلیف کی شدت میں ایڑیاں رگڑ رہے ہوتے ہیں اور موت ان کے لیے راحت کا سامان بن جاتی ہے۔ لیکن جہنم ایسی جگہ ہے کہ جہاں انسان کو موت نہیں آئے گی۔ سورۂ طٰہٰ میں اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۷۴﴾ ''نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ جی پائے گا''۔ اہلِ جہنم شدید خواہش کریں گے کہ موت آ جائے اور ان کا قصہ تمام ہو جائے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو گی۔

﴿وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ⑰﴾ ''اور اس کے بعد اُس کے لیے ایک اور سخت عذاب ہو گا۔''

یعنی اس سختی میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا' عذاب کی شدت درجہ بدرجہ بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

آیات ۱۸ تا ۲۱

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ

لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ
بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ
اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ﴿۲۱﴾ ع ۳ ۹ ۱۵

آیت ۱۸ ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۣاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ﴾
''مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اپنے ربّ کے ساتھ (ایسی ہے) کہ ان کے اعمال ہوں راکھ کی مانند‘ جس پر زوردار ہوا چلے آندھی کے دن۔''

اللہ کے ہاں کسی بھی نیک عمل کی قبولیت کے لیے ایمان لازمی اور بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے رب کا کفر کرتے ہیں ان کے نیک اعمال کو یہاں راکھ کے ایسے ڈھیر سے تشبیہہ دی گئی ہے جس پر تیز آندھی چلی اور اس کا ایک ایک ذرہ منتشر ہو گیا۔ یعنی بظاہر تو وہ ڈھیر نظر آتا تھا مگر اللہ کے ہاں اس کی کچھ بھی حیثیت باقی نہ رہی۔ یہ بہت اہم مضمون ہے اور قرآن کریم میں مختلف مثالوں کے ساتھ اسے تین بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت ۳۹ میں کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہہ دی گئی ہے اور سورۃ الفرقان کی آیت ۲۳ میں منکرین آخرت کے اعمال کو ﴿هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ یعنی ''ہوا میں اڑتے ہوئے ذرات'' کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

دراصل ہر انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق نیکی کا ایک تصور رکھتا ہے‘ کیونکہ نیکی ہر انسان کی روح کی ضرورت ہے‘ مگر نیکی کا تعلق چونکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی قبولیت کے ساتھ ہے‘ چنانچہ اس کے لیے معیار بھی وہی قابلِ قبول ہوگا جو اللہ نے خود قائم کیا ہے‘ اور وہ معیار سورۃ البقرۃ کی آیت البر کی روشنی میں یہ ہے:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ
وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿﴾

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو‘ بلکہ اصل نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر‘ یومِ آخرت پر‘ فرشتوں پر‘ کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور اس نے خرچ کیا مال اس کی محبت کے باوجود قرابت داروں‘ یتیموں‘ محتاجوں‘ مسافروں اور مانگنے والوں پر اور گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کے جب کوئی عہد کر لیں۔ اور صبر کرنے والے فقر و فاقہ میں‘ تکالیف میں اور حالتِ جنگ میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی حقیقت میں متقی ہیں۔''

اگر نیکی اس معیار کے مطابق ہے تو پھر یہ واقعی نیکی ہے‘ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو نیکی کی شکل میں دھوکہ‘ سراب‘ اور فریب ہے‘ نیکی نہیں ہے۔ دراصل جب انسان کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا نیکی کا تصور بھی مسخ ہو جاتا ہے۔ نیکی چونکہ ایک برے سے برے انسان کے بھی ضمیر کی ضرورت ہے اس لیے بجائے اس کے کہ ایک برا انسان اپنی اصلاح کر کے اپنے اعمال و کردار کو نیکی کے مطلوبہ معیار پر لے آئے‘ وہ الٹا نیکی کے معیار کو گھسیٹ کر اپنے خیالات ونظریات کی گندگی کے ڈھیر کے اندر اس کی جگہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں چور‘ ڈاکو اور لٹیرے صدقہ وخیرات کرتے اور خدمت خلق کے بڑے بڑے کام کرتے نظر آتے ہیں اور جسم فروش عورتیں مزاروں پر دھمال ڈالتی اور نیاز بانٹتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اپنے ضمیر کی تسکین کا سامان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے پیشے میں قدرے قباحت کا عنصر پایا جاتا ہے تو کیا ہوا‘ اس کے ساتھ ساتھ ہم نیکی کے فلاں فلاں کام بھی تو کرتے ہیں!

اسی طرح جب مذہبی مزاج رکھنے والے لوگوں کی فطرت مسخ ہوتی ہے تو وہ کبیرہ گناہوں کی طرف سے بے حس اور صغائر کے بارے میں بہت حساس ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ صغائر کے بارے میں تو بڑے زوردار مباحثے اور مناظرے کر رہے ہوتے ہیں‘ مگر کبائر کو وہ لائق اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔ اس پس منظر میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ پہلے کبائر سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے اور پھر اس کے بعد صغائر کی طرف توجہ کی جائے۔ بہر حال قیامت کے دن بے شمار ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے زعم میں بہت زیادہ نیکیاں لے کر آئے ہوں گے‘ مگر اللہ کے نزدیک ان کی نیکیوں کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہوگی۔

﴿لَا یَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا عَلٰی شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ ﴿۱۸﴾﴾ ”انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا اُس میں سے جو کمائی انہوں نے کی ہوگی۔ یہی تو ہے دُور کی گمراہی۔“

ان کو زعم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں بہت نیک کام کیے تھے‘ خدمت خلق کے بڑے بڑے پراجیکٹ شروع کر رکھے تھے‘ مگر اُس دن وہاں ان میں سے کوئی نیکی بھی ان کے کام آنے والی نہیں ہوگی۔

آیت ۱۹ ﴿اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟“

﴿اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡہِبۡکُمۡ وَ یَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۱۹﴾﴾ ”اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے (ہلاک کردے) اور ایک نئی مخلوق کو لے آئے۔“

اس کی قدرت‘ قوتِ تخلیق اور تخلیقی مہارت ختم تو نہیں ہوگئی‘ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ختم کردے اور جب چاہے کوئی نئی مخلوق پیدا کردے۔

آیت ۲۰ ﴿وَّ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیۡزٍ ﴿۲۰﴾﴾ ”اور یہ کام اللہ پر کوئی بھاری نہیں ہے۔“

آیت ۲۱ ﴿وَ بَرَزُوۡا لِلّٰہِ جَمِیۡعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا کُنَّا لَکُمۡ تَبَعًا فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا مِنۡ عَذَابِ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ﴾ ”اور وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے سب کے سب‘ تو کہیں گے

کمزور لوگ متکبرین سے کہ ہم آپ لوگوں کے پیروکار تھے‘ تو کیا آپ اللہ کے عذاب میں سے ہمارے لیے کچھ کمی کر سکتے ہیں؟‘‘

کمزور لوگ طاقتور لوگوں سے‘ جنہیں وہ دنیا میں اپنے سردار اور لیڈر مانتے تھے‘ کہیں گے کہ ہم آپ کے فرمانبردار تھے‘ آپ کا ہر حکم مانتے تھے‘ آپ کی خدمت کرتے تھے‘ آپ کے جھنڈے اٹھاتے تھے‘ آپ کے لیے زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے‘ تو کیا آپ ہماری اُن خدمات کے عوض آج اس عذاب سے ہمیں کچھ رعایت دلا سکتے ہیں؟

﴿قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ﴾ ’’وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم تمہیں بھی ہدایت کی راہ دکھاتے۔‘‘

وہ کورا جواب دے دیں گے کہ ہم خود گمراہ تھے‘ سو ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا۔

﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾﴾ ’’اب ہمارے حق میں برابر ہے‘ خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں‘ ہمارے لیے خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔‘‘

اب تو یکساں ہے‘ خواہ ہم بے قراری کا مظاہرہ کریں‘ چیخیں چلائیں یا صبر کریں‘ ہمارے لیے کوئی مفر نہیں‘ ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

آیات ۲۲ تا ۲۳

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

آیت ۲۲ ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ ’’اور شیطان کہے گا (اُس وقت) جب فیصلہ چُکا دیا جائے گا‘‘

جب تمام بنی نوع انسان کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا اور اہلِ جنت کو جنت کی طرف اور اہلِ جہنم کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا تو شیطان کہے گا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ﴾ ’’(دیکھو لوگو!) اللہ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا سچا وعدہ‘ اور میں نے بھی تم سے وعدے کیے تھے تو میں نے تم سے (اپنے وعدوں کی) خلاف ورزی کی۔‘‘

﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ ’’لیکن میرے پاس تم پر کوئی اختیار نہیں تھا‘‘

میں تم پر کسی قسم کا جبر نہیں کر سکتا تھا اور تمہیں زبردستی برائی کی طرف نہیں لا سکتا تھا۔ یہ اختیار مجھے اللہ نے دیا ہی نہیں تھا۔

﴿اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ﴾ ''سوائے اس کے کہ میں نے تم لوگوں کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔''

میں نے تم لوگوں کو ورغلایا' معصیت کی دعوت دی' اللہ کی نافرمانیوں اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دی اور تم لوگوں نے میرا کہا مان لیا۔

﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ ''تو اب تم لوگ مجھے ملامت نہ کرو' بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سارے احکام تمہارے سامنے تھے' اس کے راستے کے تمام نشانات تم پر واضح تھے۔ ان سے روگردانی کر کے تم لوگوں نے اپنی مرضی سے میرے راستے کو اختیار کیا۔ میں تمہیں زبردستی کھینچ کر اس طرف نہیں لے کر آیا۔ چنانچہ آج مجھے کوسنے کے بجائے اپنے آپ کو لعن طعن کرو۔

﴿مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ﴾ ''اب نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں' نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔''

﴿اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''بلاشبہ میں انکار کرتا ہوں اس کا جو قبل ازیں تم مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہراتے رہے تھے۔''

تم نے دنیا میں جو کچھ بھی کیا تھا انتہائی غلط کیا تھا۔ تم لوگوں کو اللہ کے احکام پر عمل کرنا چاہیے تھا اور اُس کے وعدے پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ تم لوگ نہ صرف اللہ کے احکام کو پس پُشت ڈال کر میرا کہنا مانتے رہے بلکہ مجھے اس کے برابر کا درجہ بھی دیتے رہے۔ آج میں تمہارے ان سب اعتقادات سے اعلانِ براءت کرتا ہوں۔

﴿اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۲﴾ ''یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۲۳ ﴿وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝۲۳﴾ ''اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی' وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش اپنے رب کے حکم سے۔ وہاں ان کی ملاقات کی دعا (ایک دوسرے پر) سلام ہوگی۔''

آیات ۲۴ تا ۲۷

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ۝۲۴ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

يَتَذَكَّرُوْنَ۝۲۵ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۟اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ
قَرَارٍ۝۲۶ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ
الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۝۲۷ ع ۵

آیت ۲۴ ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ ’’کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان کی ہے کلمۂ طیّبہ کی!‘‘

کلمۂ طیّبہ سے عام طور پر تو کلمۂ توحید ’’لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ‘‘ مراد لیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ افضل الذکر ہے‘ لیکن یہاں کلمہ طیبہ سے توحید پر مبنی عقائد و نظریات‘ بھلائی کی ہر بات‘ کلامِ طیّب اور حق کی دعوت مراد ہے۔

﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۝۲۴﴾ ’’(اس کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک پاکیزہ درخت‘ اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں۔‘‘

آیت ۲۵ ﴿تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ﴾ ’’یہ (درخت) ہر فصل میں اپنا پھل لاتا ہے اپنے رب کے حکم سے۔‘‘

اس درخت کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں‘ اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور اس کا پھل بھی متواتر آ رہا ہے۔

﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝۲۵﴾ ’’اور اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت اخذ کریں۔‘‘

کوئی بھلائی کا کام ہو‘ نیکی کی دعوت ہو‘ راہِ حق کی کوئی تحریک ہو‘ جس نے بھی ایسی کسی نیکی کی ابتدا کی اس نے گویا اپنے لیے ایک بہت عمدہ پھلدار درخت لگا لیا۔ یہ درخت جب تک باقی رہے گا اپنے اثرات و ثمرات سے نہ معلوم کس کس کو فیض یاب کرے گا۔ جیسے کسی نے بھلائی کی دعوت دی اور اس دعوت کو کچھ لوگوں نے قبول کیا‘ انہوں نے اس دعوت کو مزید آگے پھیلایا‘ یوں اس نیکی کا حلقۂ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا اور نہ معلوم مستقبل میں ایسے نیک اثرات مزید کہاں کہاں تک پہنچیں گے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ‘ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ))(۱)

’’جس کسی نے اسلام میں کسی نیک کام کا آغاز کیا تو اُس کے لیے اس کام کا اجر بھی ہوگا اور بعد میں

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الزکاۃ‘ باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ او کلمۃ طیبۃ۔

جو کوئی بھی اس پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اس کو ملے گا' لیکن ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔
اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری شے کا آغاز کیا تو اس پر اس کا گناہ بھی ہو گا اور بعد میں جو کوئی بھی اس پر عمل کرے گا اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائے گا' مگر ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔''

آیت ۲۶ ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶﴾
''اور کلمۂ خبیثہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گھٹیا درخت (جھاڑ جھنکاڑ)' جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا جائے' اُس کے لیے کوئی قرار نہیں۔''

بھلائی اور اس کے اثرات کے مقابلے میں برائی' برائی کی دعوت اور برائی کے اثرات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت عمدہ' مضبوط اور پھلدار درخت کے مقابلے میں جھاڑ جھنکاڑ۔ نہ اس کی جڑوں میں مضبوطی' نہ وجود کو ثبات' نہ سایہ' نہ پھل۔ برائی بعض اوقات لوگوں میں رواج بھی پا جاتی ہے' انہیں بھلی بھی لگتی ہے اور اس کی ظاہری خوبصورتی میں لوگوں کے لیے وقتی طور پر کشش بھی ہوتی ہے۔ جیسے مالِ حرام کی کثرت اور چمک دمک لوگوں کو متاثر کرتی ہے مگر حقیقت میں نہ تو برائی کو ثبات اور دوام حاصل ہے اور نہ اس کے اثرات میں لوگوں کے لیے فائدہ!

آیت ۲۷ ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اللہ ثبات عطا کرتا ہے اہلِ ایمان کو قولِ ثابت کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

یہاں قولِ ثابت سے مراد ایمان ہے۔ آخرت پر پختہ ایمان رکھنے والا شخص دنیا کے اندر اپنے کردار اور نظریات میں مضبوط اور ثابت قدم ہوتا ہے۔ اس کے حوصلے' اس کے موقف اور اس کی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ استقامت بخشتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اسی طرح کا ثبات آخرت میں بھی عطا ہو گا۔

﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝۲۷﴾ ''اور گمراہ کر دیتا ہے اللہ ظالموں کو' اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔''

آیات ۲۸ تا ۳۴

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝۲۸ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۲۹ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۰ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝۳۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝۳۲ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝۳۳ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝۳۴ ع ۱۷

آیت ۲۸ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا کفر سے“

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کی نعمت سے نوازا تھا‘ مگر انہوں نے ہدایت ہاتھ سے دے کر ضلالت اور گمراہی خرید لی۔ اللہ‘ اس کے رسول اور اس کی کتاب سے کفر کر کے انہوں نے اللہ کی نعمت سے خود کو محروم کر لیا۔

﴿وَّاَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ﴿ۙ۲۸﴾﴾ ”اور انہوں نے اپنی قوم کو لا اتارا تباہی کے گھر میں۔“

جیسے سورۂ ہود‘ آیت ۹۸ میں فرعون کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ روزِ محشر وہ اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا آئے گا اور اس پورے جلوس کو لا کر جہنم کے گھاٹ اتار دے گا۔ اسی طرح تمام قوموں اور تمام معاشروں کے گمراہ لیڈر اپنے اپنے پیروکاروں کو جہنم میں پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

آیت ۲۹ ﴿جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾﴾ ”یہ (دارالبوار) جہنم ہے‘ وہ اس میں داخل ہوں گے‘ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔“

آیت ۳۰ ﴿وَجَعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ﴾ ”اور انہوں نے اللہ کے مدّ مقابل (شریک) ٹھہرا دیے ہیں تا کہ گمراہ کریں لوگوں کو اُس کے راستے سے۔“

یعنی انہوں نے جھوٹے معبودوں کا ڈھونگ اس لیے رچایا ہے تا کہ لوگوں کو اللہ کی بندگی سے ہٹا کر گمراہ کر دیں۔ ”اَنداد“ جمع ہے ’نِد‘ کی‘ اس کے معنی مدمقابل کے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا﴾ ”تو اللہ کے مدّ مقابل نہ ٹھہرایا کرو“۔ اس معاملے کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے محاورۃً عرض کیا: مَاشَاءَ اللّٰہُ وَمَا شِئْتَ ”جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں“ تو آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((أَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ))(۱) ”کیا تُو نے مجھے اللہ کا مدّمقابل بنا دیا؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے!“ یعنی مشیّت تو اللہ ہی کی ہے‘ جو ہوگا اسی کی مشیّت اور مرضی سے ہوگا۔ اختیار صرف اُسی کا ہے‘ اور کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

﴿قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِیۡرَکُمۡ اِلَی النَّارِ ﴿۳۰﴾﴾ ”آپؐ کہیے کہ (دنیا کی زندگی میں) تم فائدہ اٹھا لو‘ پھر یقیناً تمہارا لوٹنا آگ ہی کی طرف ہے۔“

آیت ۳۱ ﴿قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ”آپؐ کہیے میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں“

یہاں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اہلِ ایمان کو بالواسطہ حکم دیا جا رہا ہے اور یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے الفاظ سے اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب نہیں کیا

---

(۱) ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہابؒ نے ”کتاب التوحید“ میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((أَجَعَلْتَنِیْ وَاللّٰہَ عَدْلًا)) ”کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟“ (مرتب)

گیا۔ اس سلسلے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ پورے مکی قرآن میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے براہِ راست مسلمانوں سے خطاب نہیں کیا گیا۔ (سورۃ الحج میں ایک مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں مگر اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔) اس میں جو حکمت ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جہاں تک مجھے اس کی وجہ سمجھ میں آئی ہے وہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا طرزِ خطاب اُمت کے لیے ہے اور مکی دور میں مسلمان ابھی ایک اُمت نہیں بنے تھے۔ مسلمانوں کو اُمت کا درجہ مدینہ میں آکر تحویل قبلہ کے بعد ملا۔ پچھلے دو ہزار برس سے اُمتِ مسلمہ کے منصب پر یہودی فائز تھے۔ انہیں اس منصب سے معزول کر کے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو اُمت مسلمہ کا درجہ دیا گیا اور تحویلِ قبلہ اس تبدیلی کی ظاہری علامت قرار پایا۔ یعنی یہودیوں کے قبلہ کی حیثیت بطورِ قبلہ ختم کرنے کا مطلب یہ قرار پایا کہ انہیں اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کے ذریعے مسلمانوں سے خطاب اس کے بعد شروع ہوا۔

﴿وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝۳۱﴾ ”اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہیں خفیہ اور علانیہ' اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔“

یہ آیت سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۴ سے بہت ملتی جلتی ہے۔ وہاں بیع اور دوستی کے علاوہ شفاعت کی بھی نفی کی گئی ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط﴾۔ یعنی اُس دن سے پہلے پہلے ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کر لو جس میں نہ کوئی بیع ہوگی' نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کسی کی شفاعت فائدہ مند ہوگی۔

آیت ۳۲ ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ج﴾ ”اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی' پھر نکالا اس کے ذریعے سے پھلوں کی شکل میں تمہارے لیے رزق۔“

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝۳۲﴾ ”اور مسخر کر دیا تمہارے لیے کشتی کو کہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے' اور اس نے مسخر کر دیے تمہارے لیے دریا (اور نہریں وغیرہ)۔“

آیت ۳۳ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝۳۳﴾ ”اور مسخر کر دیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو' کہ مسلسل چل رہے ہیں' اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات کو اور دن کو۔“

ان تمام چیزوں کے گنوانے سے انسان کو یہ جتلانا مقصود ہے کہ زمین کے دامن اور آسمان کی وسعتوں میں اللہ کی تمام تخلیقات اور فطرت کی تمام قوتیں مسلسل انسان کی خدمت میں اس کی نفع رسانی کے لیے مصروفِ کار ہیں اور وہ اس لیے کہ اس کائنات میں انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو سب مخلوقات سے اعلیٰ ہے۔ اللہ نے یہ

بساطِ کون ومکان انسان ہی کے لیے بچھائی ہے اور باقی تمام اشیاء کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی ضروریات پوری کریں۔ یہی بات سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۹ میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ﴾ یعنی یہ زمین میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ نے تمہارے (انسانوں کے) لیے پیدا کیا ہے۔ اور ان چیزوں کو تمہاری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

آیت ۳۴ ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ﴾ ''اور اُس نے تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تم نے اُس سے مانگا۔''

یہ مانگنا شعوری بھی ہے اور غیر شعوری بھی۔ یعنی وہ تمام چیزیں بھی اللہ نے ہمارے لیے فراہم کی ہیں جن کا تقاضا ہمارا وجود کرتا ہے اور ہمیں اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے ان کی ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان کو پوری طرح شعور نہیں ہے کہ اسے کس کس انداز میں کس کس چیز کی ضرورت ہے اور اس کی ضرورت کی یہ چیزیں اسے کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دُنیوی زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اسباب ونتائج کے ایسے ایسے سلسلے پیدا کر دیے ہیں جن کا احاطہ کرنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اللہ نے بہت سی ایسی چیزیں بھی پیدا کر رکھی ہیں جن سے انسان کی ضرورتیں انجانے میں پوری ہو رہی ہیں۔ مثلاً ایک وقت تک انسان کو کب پتا تھا کہ کون سی چیز میں کون سا وٹامن پایا جاتا ہے۔ مگر وہ وٹامنز مختلف غذاؤں کے ذریعے سے انسان کی ضرورتیں اس طرح پوری کر رہے تھے کہ انسان کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ بہر حال اللہ ہمیں وہ چیزیں بھی عطا کرتا ہے جو ہم اس سے شعوری طور پر مانگتے ہیں اور وہ بھی جو ہماری زندگی اور بقا کا فطری تقاضا ہیں۔

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو نہیں گن سکو گے۔ یقیناً انسان بڑا ہی ظالم اور بہت ناشکرا ہے۔''

انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو گن سکے۔ کَفّار (ک کی زبر کے ساتھ) یہاں فَعّال کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے' یعنی ناشکری میں بہت بڑھا ہوا۔

آیات ۳۵ تا ۴۱

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ
اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا
لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی
الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ

اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾
ع رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾
۱۸

آیت ۳۵ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾﴾
''اور یاد کرو جب کہا ابراہیمؑ نے کہ اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو بنا دے امن کی جگہ اور بچائے رکھ مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ ہم بُتوں کی پرستش کریں۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کے پندرھویں رکوع کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ماقبل زمانہ کی جو تاریخ ہمیں معلوم ہوئی ہے اس کے مطابق اس دور کی سب سے بڑی گمراہی بُت پرستی تھی۔ آپؑ سے پہلے کی تمام اقوام اسی گمراہی میں مبتلا تھیں۔ آپؑ کی اپنی قوم کا اس سلسلے میں یہ حال تھا کہ انہوں نے ایک بہت بڑے بُت خانے میں بہت سے بُت سجا رکھے تھے۔ انہی بُتوں کا سورۃ الانبیاء میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو توڑا تھا۔ اس کے علاوہ آپؑ کی قوم ستاروں کی پُوجا بھی کرتی تھی' جبکہ نمرود نے انہیں سیاسی شرک میں بھی مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ اختیارِ مطلق کا دعویدار تھا اور جس چیز کو وہ چاہتا جائز قرار دیتا اور جس کو چاہتا ممنوع۔

آیت ۳۶ ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ﴾ ''اے میرے پروردگار! ان بُتوں نے (پہلے بھی) بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ تو جو کوئی میری پیروی کرے وہ تو بلاشبہ مجھ سے ہے''

میں نے خود کو ہر قسم کے شرک سے پاک کر لیا ہے' اب جو لوگ میری پیروی کریں' شرک سے دُور رہیں' توحید کے راستے پر چلیں' ایسے لوگ تو میرے ہی ساتھی ہیں' اُن کے ساتھ تو تیرا وعدہ پورا ہوگا۔

﴿وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور جو میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ تُو بخشنے والا مہربان ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت کے بارے میں ہم سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ چکے ہیں: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ﴿۷۵﴾﴾ کہ آپؑ بہت ہی نرم دل' حلیم الطبع اور ہر وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ چنانچہ جب گنہگاروں کا ذکر ہوا ہے تو آپؑ نے اللہ کی صفاتِ غفاری اور رحیمی کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ بالکل اسی انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی التجا کا ذکر سورۃ المائدۃ میں آیا ہے: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ یعنی پروردگار! اگر تو انہیں عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں' تو جس طرح چاہے انہیں عذاب دے' تیرا اختیار مطلق ہے۔ لیکن اگر تو انہیں معاف کر دے تو بھی تیرے اختیار اور تیری حکمت پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ہے۔

آیت ۳۷ ﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ﴾ ''اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد (کی ایک شاخ) کو آباد کر دیا ہے اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس''

اے ہمارے پروردگار! تیرے حکم کے مطابق میں نے یہاں تیرے اس محترم گھر کے پاس اپنی اولاد کو لا کر آباد کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں پہلے رَبِّ، رَبِّ (اے میرے پروردگار!) کا صیغہ آ رہا تھا مگر اب ''رَبَّنَا'' جمع کا صیغہ آ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آپؑ کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں پر عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ کے الفاظ سے اُن روایات کو بھی تقویت ملتی ہے جن کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ ابتدائی زمانہ میں گر گیا اور سیلاب کے سبب اس کی دیواریں وغیرہ بھی بہہ گئیں، صرف بنیادیں باقی رہ گئیں۔ ان ہی بنیادوں پر پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس کی تعمیر کی جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۷ میں ملتا ہے: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ﴾۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کر رہے ہیں:

﴿رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْۤ اِلَيْهِمْ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز قائم کریں، تو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے''

لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے محبت پیدا ہو جائے، لوگ اطراف و جوانب سے اُن کے پاس آئیں، تاکہ اس طرح اُن کے لیے یہاں رہنے اور بسنے کا بندوبست ہو سکے۔

﴿وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝۳۷﴾ ''اور ان کو رزق عطا کر پھلوں سے، تاکہ وہ شکر ادا کریں۔''

آیت ۳۸ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تُو خوب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں۔''

﴿وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۳۸﴾ ''اور اللہ پر تو کوئی شے مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔''

آیت ۳۹ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ﴾ ''کُل شکر اور کُل ثنا اُس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے عطا فرمائے، باوجود بڑھاپے کے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ (جیسے بیٹے)۔''

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۱ برس تھی اور اس کے کئی سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝۳۹﴾ ''یقیناً میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے بنا دے نماز قائم کرنے والا اور میری اولاد میں سے بھی''

یعنی مجھے توفیق عطا فرما دے کہ میں نماز کو پوری طرح قائم رکھوں اور پھر میری اولاد کو بھی توفیق بخش دے

کہ وہ لوگ بھی نماز قائم کرنے والے بن کر رہیں۔

﴿رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾﴾ ”اے ہمارے پروردگار! میری اس دعا کو قبول فرما۔“

آیت ۴۱ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾﴾ ”اے ہمارے پروردگار! مجھے، میرے والدین اور تمام مؤمنین کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہو۔“

آیات ۴۲ تا ۵۲

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾
مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ
يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ
وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ
مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا
تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ
الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي
الْاَصْفَادِ ۚ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۙ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۧ﴿۵۲﴾ ع ۱۹

آیت ۴۲ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ﴾ ”اور آپ ہرگز نہ سمجھیں اللہ کو غافل اُس سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔“

﴿اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾﴾ ”یقیناً وہ انہیں مہلت دے رہا ہے اُس دن تک جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔“

آیت ۴۳ ﴿مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾﴾ ”وہ دوڑتے ہوں گے (محشر کی طرف) اپنے سروں کو اوپر اٹھائے، نہیں لوٹے گی ان کی طرف ان کی نگاہ، اور ان کے دل اُڑے ہوئے ہوں گے۔“

خوف اور دہشت کے سبب نظریں ایک جگہ جم کر رہ جائیں گی اور اِدھر اُدھر حرکت کرنا بھی بھول جائیں گی۔ یہ میدانِ حشر میں لوگوں کی کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

آیت ۴۴ ﴿وَ اَنۡذِرِ النَّاسَ یَوۡمَ یَاۡتِیۡہِمُ الۡعَذَابُ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) خبردار کر دیجیے لوگوں کو اُس دن سے جب ان پر عذاب آئے گا‘‘

﴿فَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَکَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ﴾ ’’تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی: اے ہمارے پروردگار! ہمیں مہلت دے دے بس تھوڑی سی مدت تک‘ ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔‘‘

﴿اَوَ لَمۡ تَکُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَکُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ﴿ۙ۴۴﴾﴾ ’’(جواب میں کہا جائے گا) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو پہلے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں ہے۔‘‘

کہ ہمارا اقتدار‘ ہماری یہ شان و شوکت‘ ہماری یہ جاگیریں‘ یہ سب کچھ ہماری بڑی سوچی سمجھی منصوبہ بندیوں کا نتیجہ ہے‘ انہیں کہاں سے زوال آئے گا!

آیت ۴۵ ﴿وَّ سَکَنۡتُمۡ فِیۡ مَسٰکِنِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ﴾ ’’اور تم آباد تھے ان ہی لوگوں کے مسکنوں میں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا‘‘

تمہارے آس پاس کے علاقوں میں وہ قومیں آباد تھیں جو ماضی میں اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں۔ قومِ عاد بھی اسی جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھی‘ قومِ ثمود کے مساکن بھی تمہیں دعوتِ عبرت دیتے رہے‘ قومِ مدین کا علاقہ بھی تم سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا اور قومِ لوط کے شہروں کے آثار سے بھی تم لوگ خوب واقف تھے۔

﴿وَ تَبَیَّنَ لَکُمۡ کَیۡفَ فَعَلۡنَا بِہِمۡ وَ ضَرَبۡنَا لَکُمُ الۡاَمۡثَالَ ﴿۴۵﴾﴾ ’’اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا‘ اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔‘‘

ان کے حالات پوری طرح کھول کر تم لوگوں کو سنا دیے گئے تھے۔ یہ تذکیر بایام اللہ کی تفصیلات کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور اس سلسلے میں حضور ﷺ سے اسی سورت کی آیت ۵ میں خصوصی طور پر فرمایا گیا: ﴿وَ ذَکِّرۡہُمۡ بِاَیّٰىمِ اللّٰہِ ؕ﴾ ’’کہ آپؐ اللہ کے دنوں (اقوامِ گزشتہ کے واقعاتِ عذاب) کے حوالے سے ان لوگوں کو خبردار کریں۔

آیت ۴۶ ﴿وَ قَدۡ مَکَرُوۡا مَکۡرَہُمۡ﴾ ’’اور انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں‘‘

اے قریشِ مکہ! جس طرح آج تم ہمارے نبی ﷺ کے خلاف اپنی چالیں چل رہے ہو‘ اسی طرح تم سے پہلے والے لوگوں نے بھی کچھ کمی نہیں کی تھی۔ جہاں تک ان کا بس چلا تھا انہوں نے اپنی چالیں چلی تھیں۔ قومِ نوحؑ‘ قومِ ہودؑ‘ قومِ صالحؑ اور قومِ لوطؑ کے سرداروں نے اپنے رسولوں کے خلاف جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا اس کی تفصیلات ہم تمہیں سنا چکے ہیں۔ اور قومِ شعیبؑ کے سرداروں کی مجبوری کا ذکر بھی ہم کر چکے ہیں جو تم لوگوں کی مجبوری سے ملتی جلتی تھی۔ یعنی ان کا بے چارگی سے یہ کہنا کہ اگر تمہارا قبیلہ تمہاری پشت پر نہ ہوتا تو ہم اب تک تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے۔ چنانچہ ہمارے لیے اور ہمارے نبی ﷺ کے لیے تمہاری یہ چالیں‘ یہ سازشیں اور یہ

ریشہ دوانیاں کوئی انہونی نہیں ہیں۔ البتہ تم لوگ اپنی پیشرو اقوام کے واقعات کے آئینے میں اپنے مستقبل اور انجام کی جھلک دیکھنا چاہو تو صاف دیکھ سکتے ہو۔ تم لوگ اندازہ کر سکتے ہو کہ تم سے پہلے ان مشرکینِ حق کی چالیں کس حد تک کامیاب ہوئیں اور تم تجزیہ کر سکتے ہو کہ ہر بار حق و باطل کی کش مکش کا آخری نتیجہ کیا نکلا۔

﴿وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ ؕ وَاِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ﴿۴۶﴾﴾ ''اور اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں اُن کی تمام چالیں۔ اور ان کی چالیں ایسی تو نہ تھیں کہ اُن سے پہاڑ ٹل جاتے۔''☆

اللہ تعالیٰ ان کی تمام چالوں کا احاطہ کیے ہوئے تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے خلاف ان کا کوئی منصوبہ کامیاب ہو جاتا۔ بہر حال ان کی چالیں اور منصوبہ بندیاں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ ایسی نہیں تھیں کہ اُن کے سبب پہاڑ اپنی جگہ بدلنے پر مجبور ہو جاتے۔

آیت ۴۷ ﴿فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ﴾ ''تو آپ یہ مت سمجھیں کہ اللہ اپنے اس وعدے کے خلاف کرے گا جو اُس نے اپنے رسولوں سے کیا۔''

یہاں پر رسول کے بجائے رُسل جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے' یعنی تمام رسولوں کے ساتھ اللہ کا یہ مستقل وعدہ رہا کہ تمہاری مدد کی جائے گی اور آخری کامیابی تمہاری ہی ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ المجادلہ کی آیت ۲۱ میں فرمایا گیا:
﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيۡ ؕ﴾ یعنی اللہ نے طے کیا ہوا ہے' لکھ کر رکھا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے۔ درمیان میں کچھ اونچ نیچ ہوگی' تکلیفیں بھی آئیں گی' آزمائشوں کا سامنا بھی کرنا ہوگا' مگر فتح ہمیشہ حزب اللہ ہی کی ہوگی۔ آزمائشوں کے ان مراحل کے بارے میں سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَيۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۵﴾﴾

''اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے' تو آپؐ صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیں۔''

اس کے بعد سورۃ البقرۃ میں ہی فرمایا:

﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾

''کیا تم سمجھتے ہو کہ یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں جیسی (مشکلات) تو پیش

☆ اس آیت کا یہ ترجمہ ''وَاِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ'' میں ''اِنۡ'' کو نافیہ مان کر کیا گیا ہے اور یہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے کے موافق ہے۔ بعض مفسرین نے ''اِنۡ'' شرطیہ اور واؤ اصلیہ مان کر ترجمہ یوں کیا ہے: ''اگرچہ ان کی یہ چالیں ایسی (زبردست) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔'' (اضافہ از مرتب)

آ ئی ہی نہیں۔ اُن کو تو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچی تھیں اور وہ ہلا ڈالے گئے تھے‘ یہاں تک کہ پیغمبر اور اُن کے ساتھ جو مؤمنین تھے سب پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ آگاہ ہو جاؤ! اللہ کی مدد قریب ہے۔‘‘

بہرحال اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں سے یہ پختہ وعدہ رہا ہے کہ حق و باطل کی اس کش مکش میں بالآخر فتح انہی کی ہوگی اور انہیں جھٹلانے والوں کو اُن کے سامنے سزا دی جائے گی۔ یہ ساری باتیں تفصیل سے قرآن میں بیان کی جا چکی ہیں تاکہ ان لوگوں کو کوئی شک نہ رہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۴۷﴾﴾ ’’یقیناً اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا۔‘‘

آیت ۴۸ ﴿یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ وَ السَّمٰوٰتُ﴾ ’’جس دن زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے سوا (کسی اور شکل میں) اور آسمانوں کو بھی (بدل دیا جائے گا)‘‘

یہ روزِ محشر کے منظر کی طرف اشارہ ہے۔ اس سلسلے میں قبل ازیں بھی کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق یوں لگتا ہے جیسے محشر کا میدان اسی زمین کو بنایا جائے گا۔ اس کے لیے زمین کی شکل میں مناسب تبدیلی کی جائے گی‘ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ سورۃ الفجر میں اس تبدیلی کی ایک صورت اس طرح بتائی گئی ہے: ﴿اِذَا دُکَّتِ الۡاَرۡضُ دَکًّا دَکًّا ﴿۲۱﴾﴾ ’’جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ہموار کر دیا جائے گا‘‘۔ پھر سورۃ الانشقاق میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ﴿۳﴾﴾ ’’اور جب زمین کو کھینچا جائے گا‘‘۔ اس طرح تمام تفصیلات کو جمع کر کے جو صورت حال ممکن ہوتی محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ زمین کے تمام نشیب و فراز کو ختم کر کے اسے بالکل ہموار بھی کیا جائے گا اور وسیع بھی۔ اس طرح اسے ایک بہت بڑے میدان کی شکل دے دی جائے گی۔ جب زمین کو ہموار کیا جائے گا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے‘ زمین کے پچکنے سے اس کے اندر کا سارا لاوا باہر نکل آئے گا اور سمندر بھاپ بن کر اُڑ جائیں گے۔ اسی طرح نظامِ سماوی میں بھی ضروری ردّ و بدل کیا جائے گا‘ جس کے بارے میں سورۃ القیامہ میں اس طرح بتایا گیا ہے: ﴿وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ﴿۹﴾﴾ یعنی سورج اور چاند کو یکجا کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم!

حال ہی میں ایک صاحب نے ’’The Machanics of the Doom's Day‘‘ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ صاحب ماہر طبیعیات ہیں۔ میں نے اس کتاب کا پیش لفظ بھی لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کی طرف اس سے پہلے توجہ نہیں کی گئی۔ اس لحاظ سے ان کی یہ باتیں یقیناً قابل غور ہیں۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ قیامت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وقت پوری کائنات ختم ہو جائے گی‘ بلکہ یہ واقعہ صرف ہمارے نظامِ شمسی میں رونما ہوگا۔ جس طرح اس کائنات کے اندر کسی گلیکسی یا کسی گلیکسی کے کسی حصے کی موت واقع ہوتی رہتی ہے اسی طرح ایک وقت آئے گا جب ہمارا نظامِ شمسی تباہ ہو جائے گا اور تباہ ہونے کے بعد کچھ اور شکل اختیار کر لے گا۔ ہماری زمین بھی چونکہ اس نظام کا حصہ ہے‘ لہٰذا اس پر بھی ہر چیز تباہ ہو جائے گی‘ اور یہی قیامت ہوگی۔ واللہ اعلم!

﴿وَ بَرَزُوۡا لِلّٰہِ الۡوَاحِدِ الۡقَہَّارِ ﴿۴۸﴾﴾ ’’اور یہ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے سامنے جو واحد و قہار ہے۔‘‘

سورۃ الفجر میں اس وقت کا منظر بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۱﴾ وَجِایۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ......﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس وقت نزول فرمائے گا' فرشتے بھی قطار در قطار آئیں گے اور جہنم بھی سامنے پیش کر دی جائے گی......'' اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے کی کیفیت کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے' لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اس نزول کی کیفیت کیا ہوتی ہے' اسی طرح آج ہم نہیں جان سکتے کہ روزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ زمین پر نزول فرمائے گا تو اس کی کیفیت کیا ہوگی۔ ممکن ہے تب اس کی حقیقت ہم پر منکشف کر دی جائے۔

آیت ۴۹ ﴿وَتَرَی الۡمُجۡرِمِیۡنَ یَوۡمَئِذٍ مُّقَرَّنِیۡنَ فِی الۡاَصۡفَادِ ﴿۴۹﴾﴾ ''اور تم دیکھو گے مجرموں کو اُس روز کہ وہ جکڑے ہوئے ہوں گے باہم زنجیروں میں۔''

آیت ۵۰ ﴿سَرَابِیۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ وَّتَغۡشٰی وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾﴾ ''ان کے کرتے ہوں گے گندھک کے اور ڈھانپے ہوئے ہوگی ان کے چہروں کو آگ۔''

آیت ۵۱ ﴿لِیَجۡزِیَ اللّٰهُ کُلَّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۵۱﴾﴾ ''تاکہ اللہ بدلہ دے دے ہر جان کو جو کچھ بھی اُس نے کمایا۔ یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

اُس دن اللہ تعالیٰ کو اتنے زیادہ لوگوں کا حساب لیتے ہوئے دیر نہیں لگے گی۔

آیت ۵۲ ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ ''یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کے لیے''

اس قرآن اور اس کے احکام کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ پر ڈالی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کر دی ہے۔ اب یہ ذمہ داری آپ ﷺ کی اُمت کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے کہ وہ یہ پیغام تمام انسانوں تک پہنچائے۔

﴿وَلِیُنۡذَرُوۡا بِهٖ﴾ ''تاکہ وہ اس کے ذریعے سے خبردار کر دیے جائیں''

یعنی اس قرآن کے ذریعے سے تمام انسانوں کی تذکیر و تنذیر کا حق ادا ہو جائے۔ اس حوالے سے سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ کے یہ الفاظ بھی یاد کر لیجیے: ﴿وَاُوۡحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِهٖ وَمَنۢۡ بَلَغَ ؕ﴾ ''یہ قرآن میری طرف سے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کر دوں اس کے ذریعے سے تمہیں بھی اور (ہر اُس شخص کو) جس تک بھی یہ پہنچ جائے۔''

﴿وَلِیَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور تاکہ وہ جان لیں کہ صرف وہی معبود ہے اکیلا' اور اس لیے کہ نصیحت اخذ کریں عقل والے لوگ۔''

بارك اللّٰه لی ولکم فی القرآنِ العظیم' ونفعنی وایاکم بالایات والذکر الحکیم○○

سُورۃُ الحِجْر

تمہیدی کلمات

اسلوب کے اعتبار سے سورۃ الحجر اپنے گروپ کی باقی تینوں سورتوں سے بالکل منفرد ہے' بالکل اسی طرح جس طرح پچھلے ذیلی گروپ میں سورۂ یوسف باقی دونوں سورتوں سے منفرد تھی۔ چنانچہ اس ذیلی گروپ کی پہلی دونوں سورتوں (الرعد اور ابراہیم) کا نہ صرف مزاج اور اسلوب ایک سا ہے بلکہ دونوں میں نسبتِ زوجیت بھی ہے' جبکہ سورۃ الحجر کا مزاج' انداز اور اسلوب ان دونوں سورتوں سے مختلف ہے۔

اسلوب میں ایک بنیادی فرق تو آیات کی طوالت کے سلسلے میں ہے۔ دوسری دونوں سورتوں کی آیات کے مقابلے میں سورۃ الحجر کی آیات نسبتاً چھوٹی ہیں۔ سورۃ الرعد کے چھ رکوع ہیں اور اس کی آیات ۴۳ ہیں۔ گویا اوسطاً ایک رکوع میں سات آیات ہیں۔ اسی طرح سورۂ ابراہیم کے سات رکوع ہیں اور اس کی ۵۲ آیات ہیں۔ یعنی اس کے ایک رکوع میں بھی اوسطاً تقریباً سات آیات ہی ہیں۔ اب جب ہم اس حوالے سے سورۃ الحجر کو دیکھتے ہیں تو اس کے چھ رکوع میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی ایک رکوع میں اوسطاً ۱۶ آیات ہیں۔ آیات کے چھوٹے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا اسلوب مکی دور کی ابتدائی سورتوں سے ملتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ الحجر ابتدائی چار سال میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

سورتوں کے اسلوب کے بارے میں ایک بنیادی نکتہ بہت اہم ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی آیات چھوٹی اور ردھم (rhythm) بہت تیز ہے۔ ان میں صوتی آہنگ اور غنائیت بھی بہت واضح ہے۔ جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں کے مزاج اور اسلوب میں اس لحاظ سے ہمیں بتدریج تبدیلی نظر آتی ہے اور یہ تبدیلی مدنی دور میں جا کر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے جہاں آیات نسبتاً طویل ہیں اور ردھم بہت دھیما۔ چنانچہ مدنی دور میں آیت دَین' آیت الکرسی اور آیت البر جیسی غیر معمولی طوالت کی حامل آیات بھی ہیں جو ابتدائی دور کی بعض سورتوں سے بھی زیادہ طویل ہیں۔ سورتوں کے اس اسلوب کی مثال ایک ایسے دریا کی سی ہے جو پہاڑوں سے نکلتا ہے اور بتدریج سفر کرتے ہوئے میدانی علاقے میں پہنچتا ہے۔ پہاڑی علاقے میں اس کا بہاؤ بہت تیز اور پاٹ مختصر ہوتا ہے' لیکن میدانی علاقے میں آ کر اس کے بہاؤ میں ٹھہراؤ اور پاٹ میں وسعت آ جاتی ہے۔ جیسے دریائے سندھ' جو پہاڑی علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک ندی کا منظر پیش کرتا ہے' میدانی علاقوں میں دریا خان وغیرہ کے قریب اس کا پانی میلوں میں پھیلا نظر آتا ہے۔

اس مثال کے مطابق ابتدائی دور کی سورتوں کا رِدھم تیز اور آیات محکم ہیں' اِن کے مضامین میں جامعیت

اور گہرائی زیادہ ہے‘ جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں یہ مضامین بتدریج پھیلتے گئے ہیں اور پھر اس نسبت سے عبارت کا رِدھم بھی مدہم ہوتا گیا ہے۔ اس تدریجی تبدیلی کے حوالے سے دیکھیں تو مکی دور کی آخری سورتوں میں بھی ہمیں وہ رِدھم نمایاں محسوس نہیں ہوتا جو ابتدائی زمانے کی سورتوں‘ مثلاً سورۂ قٓ‘ سورۃ النجم‘ سورۃ الرحمٰن‘ سورۃ الواقعہ اور سورۃ الملک میں نظر آتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورۃ الحجر کو مصحف کے وسط میں اور ایسی سورتوں کے درمیان میں کیوں رکھا گیا ہے جن کا زمانہ نزول بعد کا ہے‘ تو اس کا واضح اور حتمی جواب تو یہی ہے کہ اس معاملے کا تعلق توقیفی امور سے ہے اور اس کی اصل حکمت بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں میری ایک اپنی رائے ہے جس کا اظہار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں‘ اور وہ یہ کہ یہاں ایک جیسی مکی سورتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو گیارہویں پارے سے شروع ہو کر اٹھارہویں پارے تک چلا گیا ہے۔ ان سورتوں میں ایک جیسے مضامین تکرار کے ساتھ آ رہے ہیں۔ چنانچہ اس یکسانیت کو ختم کرنے اور ایک طرح کا تنوع پیدا کرنے کے لیے ابتدائی دور کی ایک سورت کو یہاں پر رکھا گیا ہے۔ ورنہ مزاج اور اسلوب کے اعتبار سے سورۃ الحجر کی بہت زیادہ مشابہت سورۃ الشعراء کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم!

یہاں پر سورۃ الحجر کی ایک آیت کو تیرہویں پارے میں اور باقی سورت کو چودھویں پارے میں دیکھ کر پاروں کی تقسیم کی بنیاد اور اس کے طریق کار کے بارے میں بھی سوال اٹھتا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر یہ بات اہم ہے کہ یہ تقسیم صحابہؓ کے زمانے میں نہیں تھی‘ بلکہ بعد میں کی گئی‘ اور بغرضِ تلاوت قرآن مجید کو تیس برابر اجزاء میں تقسیم کر دیا گیا‘ تاکہ روزانہ ایک پارے کی تلاوت سے مہینے بھر میں قرآن ختم کر لیا جائے۔ بہرحال اس تقسیم میں کوئی خاص حکمت نظر نہیں آتی اور نہ ہی اس میں مضمون کے تسلسل کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس تقسیم میں جابجا سورتوں کی فصیلیں ٹوٹتی نظر آتی ہیں۔ کئی مقامات پر کسی سورۃ کی چند آیات ایک پارے میں اور باقی سورۃ اگلے پارے میں شامل کی گئی ہے۔ جیسے سورۂ ہود کی ابتدائی پانچ آیات گیارہویں پارے میں ہیں جبکہ باقی پوری سورت بارہویں پارے میں ہے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کی منازل کی تقسیم صحابہؓ کے دور میں ہوئی اور اس تقسیم میں بڑا حسن نظر آتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۱۵

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ○ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ۲ ذَرۡہُمۡ یَاۡکُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡہِہِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ۳ وَ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَ لَہَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۴ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّۃٍ اَجَلَہَا وَ مَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ۵ وَ قَالُوۡا یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ اِنَّکَ لَمَجۡنُوۡنٌ ؕ۶ لَوۡ مَا تَاۡتِیۡنَا بِالۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ۷

الجزء الرابع عشر (۱۴)

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ
لَحٰفِظُوْنَ ۹ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۱۰ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۱۲ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ ۱۳ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۱۴ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ
اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۱۵ ع ۱

آیت ۱ ﴿الٓرٰ﴾ ”ا ل ر۔“

حروفِ مقطعات کا یہ سلسلہ سورۂ یونس سے شروع ہوا تھا۔ پانچ سورتوں کے آغاز میں الٓرٰ کے حروف ہیں اور ایک سورۃ (الرعد) میں الٓمّٓرٰ۔ یہ اس سلسلہ کی چھٹی اور آخری سورت ہے۔

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۱﴾ ”یہ (اللہ کی) کتاب اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں۔“

آیت ۲ ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۲﴾ ”ایک وقت خواہش کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔“

ایک وقت آئے گا کہ ان لوگوں کے لیے ان کا کفر موجبِ حسرت بن جائے گا۔

آیت ۳ ﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا﴾ ”(اے نبی ﷺ!) چھوڑ دیجیے ان کو یہ کھا پی لیں اور فائدہ اٹھالیں“

زمین میں جو مہلت انہیں ملی ہوئی ہے اس میں خوب مزے کر لیں۔

﴿وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ ”اور (لمبی لمبی) امیدیں ان کو غافل کیے رکھیں“

اَلْھٰی، یُلْھِیْ، اِلْھَاءً کے معنی ہیں غافل کر دینا۔ سورۃ التکاثر میں فرمایا گیا: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۲﴾ ”غافل کیے رکھا تمہیں کثرت کی خواہش کے مقابلے نے، یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں“۔ انسان کے لمبے لمبے منصوبے بنانے کو ”طولِ اَمل“ کہتے ہیں۔ جب انسان اس گورکھ دھندے میں پڑ جائے تو خواہشوں اور آرزوؤں کا یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا، مگر زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: ((مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی))(۱) یعنی اگر کوئی شے کم ہے لیکن آپ کو کفایت کر جائے، آپ کی ضرورت اس سے پوری ہو جائے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو آپ کی ضرورت سے زیادہ ہو اور آپ کو اپنے خالق اور مالک کی یاد سے غافل کر دے۔

اگر مال و دولت کی ریل پیل ہے، رزق اور سامانِ آسائش کی فراوانی ہے، کبھی کوئی حاجت پریشان نہیں کرتی، کوئی محرومی، کوئی نارسائی اللہ کی یاد تازہ کرنے کا سبب نہیں بنتی، تو ایسی حالت میں رفتہ رفتہ انسان کے بالکل غافل ہو جانے کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ اتنا ملے جس سے ضرورت پوری ہو جائے

(۱) مسند احمد، ح ۲۰۷۲۸۔ راوی: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔

اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ لیکن اس قدر فراوانی نہ ہو کہ غفلت غلبہ پا لے۔

﴿فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾﴾ ''تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

آیت ۴ ﴿وَمَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَلَہَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾﴾ ''اور ہم نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا' مگر اس کے لیے ایک معیّن نوشتہ تھا۔''

ہر قوم پر آنے والے عذاب کا ایک وقت معیّن تھا جو پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

آیت ۵ ﴿مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّۃٍ اَجَلَہَا وَمَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۵﴾﴾ ''کوئی اُمت نہ تو اپنے وقتِ معین سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔''

آیت ۶ ﴿وَقَالُوۡا یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ اِنَّکَ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۶﴾﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر (اُس کے بقول) یہ ذکر نازل ہوا ہے (ہمارے نزدیک) تم تو یقیناً دیوانے ہو۔'' معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!! —— مجنون ''جن'' سے مشتق ہے۔ عربی میں جن کے معنی مخفی چیز کے ہیں۔ اسی معنی میں رحمِ مادر میں بچے کو جنین کہا جاتا ہے' کیونکہ وہ نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے لفظ ''جنت'' بھی اسی مادہ سے ہے اور اس سے مراد ایسی زمین ہے جو درختوں اور گھاس وغیرہ سے پوری طرح ڈھکی ہوئی ہو۔ سورۃ الانعام آیت ۷۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے: ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَیۡہِ الَّیۡلُ﴾ یعنی جب رات کی تاریکی نے اسے ڈھانپ لیا۔ چنانچہ مجنون اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جس پر جن کے اثرات ہوں' آسیب کا سایہ ہو اور اس کو بھی جس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات وحی کے بالکل ابتدائی دور میں کہی گئی تھی اور اس کے کہنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس طرح کے خیالات کا اظہار معاندانہ انداز میں نہیں بلکہ ہمدردی میں کر رہے تھے۔ یعنی جب ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ غارِ حرا میں ان کے پاس فرشتہ آیا ہے تو بہت سے لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بدروح وغیرہ کا اثر ہو گیا ہے۔ چونکہ نبوت ملنے اور فرشتہ کے آنے کا دعویٰ ان کے لیے بالکل نئی بات تھی اس لیے ان کا واقعی یہ خیال تھا کہ اکیلے کئی کئی راتیں غارِ حرا میں رہنے کی وجہ سے ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی بدروح یا جن کے اثرات ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سورۂ نٓ (اس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے) جو کہ بالکل ابتدائی دور کی سورۃ ہے' اس میں ان لوگوں کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲﴾﴾ ''آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔''

آیت ۷ ﴿لَوۡ مَا تَاۡتِیۡنَا بِالۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۷﴾﴾ ''کیوں نہیں لے آتے ہمارے سامنے فرشتوں کو اگر تم سچے ہو؟''

اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ان باتوں کا جواب آ رہا ہے:

آیت ۸ ﴿مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ اِلَّا بِالۡحَقِّ﴾ ''ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ''

یعنی یہ لوگ فرشتوں کو بلانا چاہتے ہیں یا اپنی شامت کو؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عاد و ثمود اور قومِ لوط پر

فرشتے نازل ہوئے تو کس غرض سے نازل ہوئے! انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فرشتے جب کسی قوم پر نازل ہوتے ہیں تو آخری فیصلے کے نفاذ کے لیے نازل ہوتے ہیں۔

﴿وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧﴾ ''اور (اگر فرشتے نازل ہو گئے تو) پھر انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔''

آیت ۹ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨﴾ ''یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور بلا شبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

یہ آیت مبارکہ بہت اہم ہے۔ جہاں تک اس کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو یہ حکم تورات پر بھی صادق آتا ہے اور انجیل پر بھی۔ یعنی یہ دونوں کتابیں بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ قرآن میں اس کی بار بار تصدیق بھی کی گئی ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۴۴ میں تورات کے منزّل من اللہ ہونے کی تصدیق اس طرح کی گئی ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ﴾۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳ میں ان دونوں کتابوں کا ذکر فرمایا گیا: ﴿وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③﴾۔ لیکن اس آیت کے دوسرے حصے میں جو حکم آیا ہے وہ صرف اور صرف قرآن کی شان ہے۔ اس سے پہلے کسی الہامی کتاب یا صحیفۂ آسمانی کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سابقہ کتب کی ہدایات و تعلیمات حتمی اور ابدی نہیں تھیں۔ وہ تو گویا عبوری ادوار کے لیے وقتی اور عارضی ہدایات تھیں اور اس لحاظ سے انہیں ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اب جبکہ ہدایت کامل ہو گئی تو اسے تا ابد محفوظ کر دیا گیا۔

یہ آیت ختم نبوت پر بھی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ کے مطابق قرآن میں ہدایت درجۂ کاملیت تک پہنچ گئی اور آیت زیر نظر کے مطابق وہ ابدی طور پر محفوظ بھی ہو گئی تو وحی کے جاری رہنے کی ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ چنانچہ قادیانیوں کے پاس اِن دونوں قرآنی حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد (اور ان کے لیے انہیں تسلیم کیے بغیر چارا بھی نہیں) وحی کے جاری رہنے کے جواز کی کوئی عقلی و منطقی دلیل باقی نہیں رہ جاتی۔ وحی کی ضرورت ان دونوں میں سے کسی ایک صورت میں ہی ہو سکتی ہے کہ یا تو ابھی ہدایت کامل نہیں ہوئی تھی اور اس کی تکمیل کے لیے وحی کے تسلسل کی ضرورت تھی۔ یا پھر ہدایت کامل تو ہو گئی تھی مگر بعد میں غیر محفوظ ہو گئی یا گم ہو گئی اور اس وجہ سے پیدا ہو جانے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے وحی کی ضرورت تھی۔ بہرحال اگر ان دونوں میں سے کوئی صورت بھی درپیش نہیں ہے تو سلسلۂ وحی کے جاری رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) عبث کام نہیں کرتا کہ ضرورت کے بغیر ہی سلسلۂ وحی کو جاری کیے رکھے۔

یہاں دو دفعہ (زیر نظر آیت سے قبل آیت ۶ میں بھی) قرآن حکیم کے لیے ''الذکر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ ''ن'' کی آخری دو آیات میں بھی قرآن حکیم کے لیے یہ لفظ آیا ہے۔ ذکر کا مفہوم یاد دہانی ہے۔ قرآنی فلسفے کے مطابق قرآن مجید کا ''الذکر'' ہونا اس مفہوم میں ہے کہ ایمانی حقائق خصوصی طور پر اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا علم انسانی روح کے اندر موجود ہے' مگر اس علم پر ذُہول (بھول اور غفلت) کا پردہ طاری ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک وقت میں انسان کو ایک چیز یاد ہوتی ہے مگر بعد میں یاد نہیں رہتی۔ اس کا مطلب یہ

ہے کہ اس چیز کے بارے میں معلومات اس کی یادداشت کے تہہ خانے میں دب جاتی ہیں۔ پھر بعد میں کسی وقت جونہی کوئی چیز ان معلومات سے متعلق سامنے آتی ہے تو انسان کے ذہن میں وہ بھولی بسری معلومات پھر سے تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ذہن میں موجود معلومات کو پھر سے تازہ کرنے والی چیز گویا یاددہانی (reminder) کا کام کرتی ہے۔ مثلاً ایک دوست سے آپ کی سالہا سال سے ملاقات نہیں ہوئی اور اس کا خیال بھی کبھی نہیں آیا' مگر ایک دن اچانک اس کا دیا ہوا ایک قلم یا رومال سامنے آنے سے اس دوست کی یاد یکدم ذہن میں تازہ ہو گئی۔ اس قلم یا رومال کی حیثیت گویا ایک نشانی (یا آیت) کی ہے جس سے آپ کے ذہن میں ایک بھولی بسری یاد پھر سے تازہ ہو گئی۔

اسی طرح اللہ کی ذات کا علم انسانی روح میں خفتہ (dormant) حالت میں موجود ہے۔ اس علم کو پھر سے جگا کر تازہ کرنے اور اس پر پڑے ہوئے ذہول اور نسیان کے پردوں کو ہٹانے کے لیے آیاتِ آفاقیہ' آیاتِ انفسیہ اور آیاتِ قرآنیہ گویا یاددہانی کا کام دیتی ہیں اور اللہ کی یاد کو انسان کے ذہن میں تازہ کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن کو الذکر (یاددہانی) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ شِيَعِ الۡاَوَّلِيۡنَ۝۱۰﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے' پہلی جماعتوں میں۔''

شِیَع' شِیۡعَة کی جمع ہے اور اس کے معنی الگ ہو کر پھیلنے والے گروہ کے ہیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی نسلیں بڑھتی گئیں تو ان کے قبیلے اور گروہ علیحدہ ہوتے گئے اور یوں تقسیم ہو ہو کر روئے زمین پر پھیلتے گئے۔ اردو الفاظ ''اشاعت'' اور ''شائع'' بھی اسی مادہ سے مشتق ہیں' چنانچہ ان الفاظ میں بھی پھیلنے اور پھیلانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ۝۱۱﴾ ''اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی بھی رسول' مگر وہ اس کے ساتھ استہزا ہی کرتے رہے۔''

آیت ۱۲ ﴿كَذٰلِكَ نَسۡلُكُهٗ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ۝۱۲﴾ ''اسی طرح ہم اس کو چبھو دیتے تھے مجرموں کے دلوں میں۔''

حق کی دعوت اپنی تاثیر کی وجہ سے ہمیشہ مخاطبین کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ انبیاء کی دعوت کو ٹھکراتے رہے' وہ اس کی حقانیت کو خوب پہچان لینے کے بعد ٹھکراتے رہے۔ اس لیے کہ حق کو حق تسلیم کرنے سے اُن کے مفادات پر زد پڑتی تھی۔

آیت ۱۳ ﴿لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَقَدۡ خَلَتۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ۝۱۳﴾ ''(تو اے نبی ﷺ!) یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور پہلے لوگوں کی سنت گزر چکی ہے۔''

انبیاء و رسل کے مخاطبین کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے۔ جس طرح ہم نے اپنے رسول محمد ﷺ پر یہ ''الذکر'' نازل کیا ہے اسی طرح پہلے بھی ہم اپنے رسولوں پر کتابیں اور صحیفے نازل کرتے رہے ہیں' مگر ان کی

قوموں کے لوگ اکثر انکار ہی کرتے رہے۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭﴾ ''اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول بھی دیتے اور وہ اس پر چڑھنے لگتے۔''

آیت ۱۵ ﴿لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮﴾ ''تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظر بندی کر دی گئی ہے' بلکہ ہم پر تو جادو کر دیا گیا ہے۔''

آیات ۱۶ تا ۲۵

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ⑰
اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ⑱ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ
وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ
بِرٰزِقِيْنَ ⑳ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉑ وَاَرْسَلْنَا
الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ㉒ وَاِنَّا لَنَحْنُ
نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ㉓ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ㉔ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ㉕ ع

آیت ۱۶ ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯﴾ ''اور ہم نے آسمان میں بُرج بنائے ہیں اور ہم نے اسے (آسمانوں کو اور بُرجوں کو) مزیّن کر دیا ہے دیکھنے والوں کے لیے۔''

ان برجوں کی اصل حقیقت کا ہمیں علم نہیں ہے' اس لحاظ سے یہ آیت بھی آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ البتہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کی بہار وہ دلکش منظر پیش کرتی ہے جس سے ہر دیکھنے والے کی آنکھ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

آیت ۱۷ ﴿وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ⑰﴾ ''اور ہم نے حفاظت کی ہے اس کی ہر شیطانِ مردود سے۔''

یہ گویا ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہے کہ ان ستاروں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں۔ اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں انسان کی جدید تحقیق ماضی قریب میں ہوئی ہے لیکن ابھی بھی اس سلسلے میں انسانی علم بہت محدود ہے۔ وائرس اور بیکٹیریا کے بارے میں کچھ ہی عرصہ پہلے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ بھی کوئی مخلوق ہے۔ اس وسیع وعریض کائنات میں یقیناً بہت سے ایسے حقائق ہوں گے جن کے بارے میں اب بھی انسان کچھ نہیں جانتا۔ بہر حال اب تک جتنی مخلوقات کے بارے میں ہمیں علم ہے ان میں صرف تین قسم کی مخلوقات ایسی ہیں جن میں خود شعوری (self consciousness) پائی جاتی ہے' یعنی ملائکہ' جنات اور انسان۔ ان میں سے پہلے ملائکہ کو پیدا کیا گیا' پھر جنّات کو اور پھر انسان کو۔ گویا انسان اس

کائنات کی تخلیق کے اعتبار سے Recent دور کی مخلوق ہے۔ البتہ انسانوں کی ارواح اسی دور میں پیدا کی گئیں جب ملائکہ کو پیدا کیا گیا۔ بہر حال خود شعوری صرف ان تین قسم کی مخلوقات میں ہی پائی جاتی ہے' باقی جو بھی مخلوقات اس کائنات میں موجود ہیں' چاہے وہ خشکی اور سمندر کے جانور ہوں یا ہوا میں اڑنے والے پرندے' ان میں شعور تو ہے مگر خود شعوری نہیں ہے۔

جنّات کی تخلیق چونکہ آگ سے ہوئی ہے لہٰذا ان کے اندر مخفی قوت (potential energy) انسانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ میرا گمان ہے کہ جنات کو سورج کی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور اس لحاظ سے انہیں پورے نظامِ شمسی کے دائرے میں آمد و رفت کی طاقت اور استعداد حاصل ہے اور اس کے لیے انہیں کسی راکٹ یا مشینی ذرائع کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اسی استعداد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ عالمِ بالا سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور تدبیرات کی ترسیل کے دوران ملائکہ سے کچھ خبریں اُچکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر وہ ایسی خبریں انسانوں میں اپنے دوست دار عامل اور کاہن لوگوں کو بتاتے ہیں تاکہ وہ اپنی دکانیں چمکا سکیں۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایوانِ صدر سے احکام کی ترسیل و تقسیم کے دوران کوئی شخص متعلقہ اہلکاروں سے ان احکام کے بارے میں خبریں حاصل کر کے قبل از وقت ان لوگوں تک پہنچا دے جو ان کے ذریعے سے اپنی دکانیں چمکانا چاہتے ہیں۔

جنّات کو نظامِ شمسی کی حدود پھلانگنے سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں میزائل نصب کر رکھے ہیں۔ جب بھی کوئی جن اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ممنوعہ علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر میزائل پھینکا جاتا ہے جسے ہم شہابِ ثاقب کہتے ہیں۔ اس پورے نظام پر ہم ''کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا'' کے اصول کے تحت یقین رکھتے ہیں جو ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ بہر حال سائنسی ترقی کے سبب کائنات کے بارے میں اب تک سامنے آنے والی معلومات اور ایجادات کے ساتھ بھی ان قرآنی معلومات کا کسی نہ کسی حد تک تطابق (corroboration) موجود ہے۔

آیت ۱۸ ﴿اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ ''ماسوائے اس کے کہ جو کوئی چوری چھپے سننا چاہے''

جیسے ایک فرشتہ کچھ احکام لے کر آ رہا ہو اور کوئی جن اس سے کوئی سُن گُن لینے کی کوشش کرے۔ فرشتے نُوری ہیں اور جن ناری مخلوق ہیں' چنانچہ نُور اور نار کے درمیان زیادہ بُعد نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ عزازیل (ابلیس) کا بھی ایک جن ہونے کے باوجود فرشتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔

﴿فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ⑱﴾ ''تو اُس کا پیچھا کرتا ہے ایک انگارہ چمکتا ہوا''

ایسی خلاف ورزی کی صورت میں اس جن پر میزائل پھینکا جاتا ہے۔ یہ میزائل اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لیے ستاروں میں نصب کر رکھے ہیں۔

آیت ۱۹ ﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾ ''اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں ہم نے لنگر ڈال دیے''

زمین کے یہ لنگر پہاڑ ہیں جن کے بارے میں قرآن بار بار کہتا ہے کہ یہ زمین کی حرکت کو متوازن

رکھنے (Isostasy) کا ایک ذریعہ ہیں۔

﴿وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ﴾ ''اور اس میں اُگا دی ہم نے ہر شے ٹھیک اندازے کے مطابق۔''

کائنات کے اس خدائی نظام میں ہر چیز کی مقدار اور تعداد اس حد تک ہی رکھی گئی ہے جس حد تک اس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی چیز اس مقررہ حد سے بڑھے گی تو وہ اس نظام میں خلل کا باعث بنے گی۔ مثلاً بعض مچھلیوں کے انڈوں کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے۔ یہ تمام انڈے اگر مچھلیاں بن جائیں تو چند ہی سالوں میں ایک مچھلی کی اولاد اس زمین کے حجم سے بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جائے۔ بہرحال اس کائنات کے نظام کو درست رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز کو ایک طے شدہ اندازے اور ضرورت کے مطابق رکھا گیا ہے۔

آیت ۲۰ ﴿وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ وَمَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ بِرٰزِقِيۡنَ﴾ ''اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے لیے اس میں ذرائع معاش اور (ان کے لیے بھی) جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔''

کچھ مخلوق تو ایسی ہے جس کی روزی اور کھانے پینے کا انتظام بظاہر انسانوں کی ذمہ داری ہے' جیسے پالتو جانور' مگر بہت سی مخلوقات ایسی ہیں جن کے رزق کی ذمہ داری انسانوں پر نہیں ہے' مگر اللہ ان سب کو ان کے حصے کا رزق بہم پہنچا رہا ہے۔

آیت ۲۱ ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی شے مگر ہمارے پاس ہیں اس کے خزانے''

کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ ہمارے خزانے اور وسائل لامحدود ہیں' لیکن:

﴿وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ﴾ ''ہم نہیں نازل کرتے اس میں سے مگر ایک طے شدہ اندازے کے مطابق۔''

اُن لامتناہی اور لامحدود خزانوں سے صرف ضرورت کے مطابق اشیاء دنیا میں بھیجی جاتی ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں بڑے بڑے گوداموں سے ضرورت کے مطابق چیزوں کی ترسیل کی جاتی ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَاَرۡسَلۡنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ﴾ ''اور ہم بھیجتے ہیں ہوائیں جو بوجھل ہوتی ہیں (یا بوجھل کرنے والی ہوتی ہیں)''

لَوَاقِحَ کا مفہوم پہلے تو یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور بارش کا سبب بنتی ہیں' لیکن اب جدید سائنسی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ polen grains بھی ہواؤں کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں جن سے پھولوں کی فرٹیلائزیشن ہوتی ہے' جس کے نتیجے میں فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یوں یہ سارا نباتاتی نظام بھی ہواؤں کی وجہ سے چل رہا ہے۔

﴿فَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسۡقَيۡنٰكُمُوۡهُ﴾ ''پس ہم نے اتارا آسمان سے پانی پھر وہ تم لوگوں کو پلایا۔''

پانی مبدأ حیات ہے۔ زمین پر ہر طرح کی زندگی کے وجود کا منبع اور سرچشمہ بھی پانی ہے اور پھر پانی پر ہی زندگی کی بقا کا انحصار بھی ہے۔ پانی کی اس اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم و ترسیل کا ایک لگا بندھا نظام وضع کیا ہے جسے آج کی سائنس نے واٹر سائیکل کا نام دیا ہے۔ واٹر سائیکل کا یہ عظیم الشان نظام اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہے۔ سمندروں سے ہواؤں تک بخارات پہنچا کر بارش اور برفباری کا انتظام' گلیشیرز کی شکل میں بلند و بالا پہاڑوں پر واٹر سٹوریج کا اہتمام' پھر چشموں' ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے سے اس پانی کی وسیع و عریض میدانی علاقوں تک رسائی اور زیر زمین پانی کا عظیم الشان ذخیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ وہ واٹر سائیکل ہے جس پر پوری دنیا میں ہر قسم کی زندگی کا دارومدار ہے۔

﴿وَمَآ اَنۡتُمۡ لَہٗ بِخٰزِنِیۡنَ﴿۲۲﴾﴾ ''اور تم اس کے جمع کرنے والے نہیں ہو۔''

یہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم پانی کے اس ذخیرے کو جمع کرتے۔

آیت ۲۳ ﴿وَاِنَّا لَنَحۡنُ نُحۡیٖ وَنُمِیۡتُ وَنَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ﴿۲۳﴾﴾ ''اور یقیناً ہم ہی ہیں جو زندہ بھی رکھتے ہیں اور موت بھی وارد کرتے ہیں اور ہم ہی وارث ہوں گے۔''

یہ کائنات اور اس کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ ایک وقت آئے گا جب ظاہری ملکیت کا بھی کوئی دعویدار باقی نہیں رہے گا۔

آیت ۲۴ ﴿وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِیۡنَ﴿۲۴﴾﴾ ''اور ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی اور جانتے ہیں پیچھے رہنے والوں کو بھی۔''

چونکہ یہ نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے کی سورت ہے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو حق کی اس دعوت پر فوراً لبیک کہیں گے اور آگے بڑھ کر قرآن کو سینوں سے لگائیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ ﴿وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ﴾ (التوبہ: ۱۰۰) کے مصداق کون لوگ ہوں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) قبولِ حق کے لیے ایک لمحے کی دیر نہیں لگائے گا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) بھی اس دعوت کو فوراً قبول کر لے گا۔ یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی تبلیغ سے طلحہ' زبیر' عبدالرحمٰن بن عوف اور سعید بن زید (رضی اللہ عنہم) جیسے لوگ فوراً ایمان لے آئیں گے' اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کون کون بدنصیب ہیں جو اس سعادت کو سمیٹنے میں پیچھے رہ جائیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿وَاِنَّ رَبَّکَ ہُوَ یَحۡشُرُہُمۡ ؕ اِنَّہٗ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ﴿۲۵﴾﴾ ''اور یقیناً آپ کا رب ہی ہے جو ان سب کو جمع کرے گا۔ یقیناً وہ کمال حکمت والا' خوب علم رکھنے والا ہے۔''

آیات ۲۶ تا ۴۸

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿ۚ۲۶﴾ وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۲۸﴾

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۲۹ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ
اَجْمَعُوْنَ۳۰ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ۳۱ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ
السّٰجِدِیْنَ۳۲ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۳۳ قَالَ
فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ۳۴ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۳۵ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی
یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۳۶ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۳۷ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ۳۸ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ
اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
الْمُخْلَصِیْنَ۴۰ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ۴۱ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا
مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ۴۲ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ۴۳ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ
بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ۴۴ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ۴۵ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ۴۶ ع۱۹
وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۴۷ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ
وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ۴۸

آیت ۲۶ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۲۶﴾ ’’اور یقیناً ہم نے بنایا ہے انسان کو سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے۔‘‘

حَمَاٍ مَّسْنُوْن سے سَنا ہوا گارا مراد ہے‘ جس سے بدبو بھی اُٹھ رہی ہو۔ اس رکوع میں یہ ثقیل اصطلاح تین مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ انسان کے مادۂ تخلیق کے حوالے سے قرآن میں جو مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں‘ ان پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے مرحلے پر تُراب یعنی مٹی کا ذکر ہے‘ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ......﴾ (الروم: ۲۰)۔ مٹی میں پانی مل کر گارا بن جائے تو اس گارے کو عربی میں ’’طِین‘‘ کہتے ہیں۔ لہٰذا انسان کی تخلیق کے سلسلے میں طین کا ذکر بھی قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ہم شیطان کا یہ قول پڑھ آئے ہیں: ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۱۲﴾ ’’مجھے تو نے بنایا آگ سے اور اس (آدم) کو بنایا مٹی سے‘‘۔ طین کے بعد ’’طین لازب‘‘ کا مرحلہ ہے۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ۱۱﴾ ’’طین لازب‘‘ اصل میں وہ گارا ہے جو عملِ تخمیر (fermentation) کی وجہ سے لیس دار ہو چکا ہو۔ عام طور پر گارے میں کوئی organic matter بھوسہ وغیرہ ملانے سے اس کی یہ شکل بنتی ہے۔ ’’طین لازب‘‘ کے بعد اگلا مرحلہ ’’حماٍ مسنون‘‘ کا ہے۔ اگر لیس دار گارا زیادہ دیر تک پڑا رہے اور اس میں سڑاند پیدا ہو جائے تو اس کو ’’حماٍ مسنون‘‘ کہا جاتا ہے۔ پھر اگر یہ سنا ہوا گارا (حماٍ مسنون) خشک ہو کر سخت ہو جائے تو یہ کھنکنے لگتا ہے۔ آپ نے کسی دریا کے ساحل کے قریب یا کسی دلدلی علاقے میں دیکھا ہو گا کہ زمین کے اوپر خشک پپڑی سی آ جاتی ہے‘ جس پر چلنے سے یہ آواز پیدا کر کے ٹوٹتی ہے۔ ایسی مٹی کے لیے قرآن نے ’’صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ‘‘ (الرحمٰن: ۱۴) کی اصطلاح استعمال کی ہے‘ یعنی ٹھیکرے جیسی کھنکھناتی مٹی۔

انسان کے مادہ تخلیق کے لیے مندرجہ بالا تمام الفاظ میں سے صرف ایک بنیادی لفظ ہی کفایت کرسکتا تھا کہ ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا' لیکن اس ضمن میں ان مختلف الفاظ (تُرَاب' طِین' طِین لازب' صَلصالٍ مِّن حمإٍ مسنون اور صَلصالٍ کالفَخَّار) کے استعمال میں یقیناً کوئی حکمت کارفرما ہوگی۔ ممکن ہے یہ تخلیق کے مختلف مراحل(stages) کا ذکر ہو اور اگر ایسا ہے تو نظریہ ارتقاء (Evolution Theory) کے ساتھ بھی اس کی تطبیق (corroboration) ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ انسان کی تخلیق اگر خصوصی طور پر بھی عمل میں آئی ہو تو ہوسکتا ہے کہ باقی حیوانات ارتقائی انداز میں پیدا کیے گئے ہوں۔ بہرحال زمین کی حیوانی حیات کے بارے میں سائنس بھی قرآن سے متفق ہے کہ یہ تمام مخلوق مٹی اور پانی سے بنی ہے۔ ادھر قرآن فرماتا ہے کہ مبدأ حیات پانی ہے اور اس سلسلے میں سائنس کا نظریہ بھی یہی ہے کہ ساحلی علاقوں میں مٹی اور پانی کے اتصال سے دلدل بنی' پھر اس دلدل کے اندر عمل تخمیر (fermentation) کے ذریعے سڑاند پیدا ہوئی تو وہاں ایلجی (Algai) یا امیبا (Amoeba) کی صورت میں نباتاتی یا حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ چنانچہ سائنسی تحقیق یہاں قرآن سے اتفاق کرتی نظر آتی ہے' گویا بع ''متفق گردیدرائے بوعلی با رائے من!''

آیت ۲۷ ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۝۲۷﴾ ''اور جنات کو ہم نے پیدا کیا تھا اس سے پہلے آگ کی لپٹ سے۔''

یہ لفظ ''سموم'' اردو میں بھی معروف ہے۔ موسم گرما میں صحرا میں چلنے والی تیز گرم ہوا کو بادِ سموم کہتے ہیں۔ آگ کے شعلے کا وہ حصہ جو بظاہر نظر آتا ہے اس کے گرد ہالے کی شکل میں اس کا وہ حصہ ہوتا ہے جو عام طور پر نظر نہیں آتا۔ شعلے کے اس نظر نہ آنے والے حصے کا درجہ حرارت نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں ''نارِ سموم'' سے مراد آگ کی وہی لپٹ یا لو مراد ہے جو شدید گرم ہوتی ہے اور اسی سے جنات کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں ایک نکتہ یہ بھی مدِنظر رہنا چاہیے کہ جنات کو اگرچہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے مگر وہ آگ نہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے مگر ہم مٹی نہیں ہیں۔ دوسری اہم بات یہاں یہ واضح ہوئی کہ جنّات کو انسانوں سے بہت پہلے پیدا کیا گیا تھا۔

آیت ۲۸ ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۝۲۸﴾ ''اور یاد کرو جب کہا تھا آپؐ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں ایک بشر کو سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے۔''

یہاں پھر وہی ثقیل اصطلاح (صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ) استعمال ہوئی ہے۔ انسانی تخلیق کی ابتدا کے بارے میں ایک نکتہ یہ بھی لائقِ توجہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی تخلیق کے ان ابتدائی مراحل کا ذکر آیا ہے' وہاں لفظ آدم استعمال نہیں ہوا' بلکہ بشر اور انسان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پورے قرآن میں صرف سورۂ آل عمران کی آیت ۵۹ ایسی ہے جہاں اس ابتدائی تخلیق کے ضمن میں آدمؑ کا ذکر اس طرح آیا ہے: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝۵۹﴾ ''یقیناً عیسٰیؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے بنایا' پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔''

آیت ۲۹ ﴿فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ﴾ ''پھر جب میں اسے پوری طرح درست کر دوں''

کسی بھی تخلیق کے بعد اس کا تسویہ ضروری ہوتا ہے۔ پہلے بنیادی ڈھانچہ بنایا جاتا ہے اور پھر اس کی نوک پلک سنواری جاتی ہے۔ جیسے ایک عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کے بعد اس کی آرائش و زیبائش کی جاتی ہے اور رنگ و روغن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

﴿وَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور پھونک دوں میں اس میں اپنی روح میں سے' تو گر پڑنا اس کے لیے سجدے میں۔''

آیت ۳۰ ﴿فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''تو سجدہ کیا تمام فرشتوں نے مل کر۔''

کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ میں بہت تاکید پائی جاتی ہے کہ سب کے سب نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا' اور ان میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ رہا۔ جبرائیل' میکائیل' اسرافیل' عزرائیل سمیت سب جھک گئے' کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ فرشتوں کے ساتھ ذکر آنے کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ جیسے ابلیس بھی فرشتہ تھا' مگر وہ فرشتہ نہیں تھا' جیسا کہ سورۃ الکہف کی آیت ۵۰ میں ''کَانَ مِنَ الۡجِنِّ'' فرما کر واضح کر دیا گیا کہ وہ جنات میں سے تھا۔

آیت ۳۱ ﴿اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''سوائے ابلیس کے' اُس نے انکار کیا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے۔''

آیت ۳۲ ﴿قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اللہ نے فرمایا: اے ابلیس کیا ہوا تجھے کہ تو نہیں ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ؟''

آیت ۳۳ ﴿قَالَ لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾﴾ ''اُس نے کہا: میرے لیے روا نہیں ہے کہ سجدہ کروں اُس بشر کو جسے تُو نے پیدا کیا ہے سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے۔''

آیت ۳۴ ﴿قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ﴿۳۴﴾﴾ ''اللہ نے فرمایا: بس نکل جاؤ اس میں سے' تم یقیناً مردود ہو چکے ہو۔''

آدم کو سجدہ کرنے کے حکم الٰہی کا انکار کر کے تم راندۂ درگاہ ہو چکے ہو۔ اب یہاں سے فی الفور نکل جاؤ!

آیت ۳۵ ﴿وَّاِنَّ عَلَیۡکَ اللَّعۡنَۃَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور یقیناً تم پر لعنت رہے گی روزِ جزا تک۔''

آیت ۳۶ ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اس نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے مہلت دے دے اُس دن تک جب یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔''

آیت ۳۷ ﴿قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''اللہ نے فرمایا (جاؤ) تمہیں مہلت دے دی گئی۔''

آیت ۳۸ ﴿اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾﴾ ''وقتِ معیّن کے دن تک۔''

یعنی روزِ قیامت تک تم زندہ رہو گے۔ ویسے تو جنوّں کی عمریں انسانوں سے کافی زیادہ ہوتی ہوں گی مگر ایسا کوئی جن بھی نہیں ہے جو اس ابتدائی تخلیق کے وقت سے لے کر آج تک زندہ ہو' ما سوائے اس ایک جن کے جس

کا نام عزازیل ہے۔ باقی اس کی اولاد اور ذریت اپنی جگہ ہے۔

آیت ۳۹ ﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ ''اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے''

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ ابلیس اپنی اس گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہا ہے۔

﴿لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾﴾ ''میں یقیناً مزین کر دوں گا ان کے لیے زمین میں (دنیا کو) اور میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو۔''

کہ میں اولادِ آدم کے لیے زمین میں دنیا کی رونقوں اور اس کی آرائش و زیبائش کو اس حد تک پُرکشش بنا دوں گا کہ وہ اس میں گم ہو کر آپ کو اور آپ کے احکام کو بھول جائیں گے۔ اس طرح میں ان سب کو آپ کے سیدھے راستے سے گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔

آیت ۴۰ ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾﴾ ''سوائے تیرے اُن بندوں کے جن کو تُو ان میں سے (اپنے لیے) خالص کر لے۔''

مُخْلَصِین (لام کی زبر کے ساتھ) سے مراد وہ بندے ہیں جنہیں اللہ خاص اپنے لیے چُن لے یعنی اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندے۔ اللہ کے ایسے بندوں کے بارے میں شیطان کا اعتراف ہے کہ ان پر میرا زور نہیں چلے گا۔

آیت ۴۱ ﴿قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾﴾ ''اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے۔''

یعنی میرے اور تمہارے درمیان یہ معاملہ طے ہو گیا، تمہیں مہلت دے دی گئی۔ مجھ تک پہنچنے کا راستہ بالکل واضح ہے۔ تم اولادِ آدم کو اس راستے سے بہکانے کے لیے اپنا زور آزما لو۔

آیت ۴۲ ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ ''یقیناً میرے بندوں پر تجھے کچھ اختیار نہیں ہوگا''

یعنی صرف ''مُخلَصین'' ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ کسی انسان پر بھی تجھے اختیار نہیں ہوگا۔

﴿اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾﴾ ''سوائے اُن کے جو خود تیری پیروی کریں گمراہوں میں سے۔''

جو لوگ ''غاوین'' میں سے ہوں گے، خود ان کے اندر سرکشی ہوگی، وہ خود اپنی نفس پرستی کی طرف مائل ہو کر تیری پیروی کریں گے، ان کو لے جا کر تو گمراہی کے جس گڑھے میں چاہے پھینک دے اور جہنم کی جس وادی میں چاہے ان کو گرا دے، مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میرے کسی فرمانبردار بندے پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

آیت ۴۳ ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾﴾ ''اور یقیناً جہنم ہی ان سب کا موعود ٹھکانہ ہے۔''

جو لوگ بھی تیری پیروی کریں گے، ان سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے۔

آیت ۴۴ ﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾﴾ ''اس (جہنم) کے سات

دروازے ہیں' ان میں سے ہر دروازے کا ایک حصہ ہے مقرر شدہ۔"

جہنم کے ہر دروازے میں سے داخل ہونے والے جنوں اور انسانوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے۔ ممکن ہے دروازوں کی یہ تقسیم و تخصیص گناہوں کی نوعیت کے اعتبار سے ہو۔ واللہ اعلم!

اہل جہنم کے ذکر کے بعد اب اہل جنت کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ موازنے اور فوری تقابل (simultaneous contrast) کا یہ انداز و اسلوب قرآن میں ہمیں جگہ جگہ ملتا ہے۔

آیت ۴۵ ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۴۵﴾ "(اس کے برعکس) یقیناً متقی لوگ ہوں گے باغات اور چشموں میں۔"

آیت ۴۶ ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝۴۶﴾ "(ان سے کہا جائے گا کہ) تم داخل ہو جاؤ ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔"

یہاں تم ہر طرح سے امن میں رہو گے' تمہیں کسی قسم کا کوئی اندیشہ نہیں ہو گا۔

آیت ۴۷ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ "اور ہم نکال دیں گے ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کدورت ہو گی"

یہ مضمون بالکل انہی الفاظ میں سورۃ الاعراف (آیت ۴۳) میں بھی آ چکا ہے۔ اہل ایمان کی آپس کی رنجشیں' کدورتیں اور شکایتیں ختم کر کے ان کے دلوں کو ہر قسم کے تکدّر سے پاک کر دیا جائے گا۔

﴿اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۴۷﴾ "بھائی بھائی (بن کر وہ بیٹھے ہوں گے) تختوں پر آمنے سامنے۔"

جب کسی سے ناراضگی ہو تو آدمی آنکھیں چار نہیں کرتا' لیکن اہل جنت کے دل چونکہ ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہوں گے' اس لیے وہ آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہوں گے۔

آیت ۴۸ ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝۴۸﴾ "نہیں پہنچے گی انہیں اس میں کوئی تھکان' اور نہ ہی وہ اس میں سے نکالے جائیں گے۔"

اہل جنت کو جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکالے جانے کا کھٹکا نہیں ہو گا اور نہ ہی اس میں انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی ہو گی۔

آیات ۴۹ تا ۸۴

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۴۹ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝۵۰ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝۵۱ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝۵۲ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝۵۳ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝۵۴ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝۵۵ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ

اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾
اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ ع
اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾
وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا
يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۗءِ
مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَاۗءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ فَلَا
تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَاۗءِ
بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ
اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ ع
الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

آیت ۴۹ ﴿نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ!) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں یقیناً بہت بخشنے والا ' نہایت رحم کرنے والا ہوں۔“

آیت ۵۰ ﴿وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾﴾ ”اور یہ کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔“

یقیناً میں غفور اور رحیم ہوں' مگر دوسری طرف میرا عذاب بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص نڈر اور نچنت بھی نہ ہو جائے' بلکہ میرے بندوں کو ہر وقت ”بین الخوف والرجا“ کی کیفیت میں رہنا چاہیے۔ وہ میری رحمت اور مغفرت کی امید بھی رکھیں اور میرے عذاب سے ڈرتے بھی رہیں۔

آیت ۵۱ ﴿وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾﴾ ”اور انہیں ذرا بتایئے ابراہیمؑ کے مہمانوں کے بارے میں۔“

یہ واقعہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ہم سورۂ ہود کے ساتویں رکوع میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ”جب وہ داخل ہوئے آپؑ کے ہاں تو انہوں نے سلام کیا' آپؑ نے کہا کہ ہمیں تو تم سے خوف آ رہا ہے۔“

آپ کے اجنبی ہونے کی وجہ سے ہمیں آپ سے خدشہ ہے۔ لہٰذا بہتر ہو گا اگر آپ لوگ اپنی شناخت کروا دیں۔

آیت ۵۳ ﴿قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۵۳﴾ ''انہوں نے کہا کہ ڈریئے نہیں' ہم آپؑ کو ایک صاحبِ علم بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔''

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت اس سے چند برس قبل ہو چکی تھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ''غلام حلیم'' اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے ''غلام علیم'' کے الفاظ آتے ہیں۔

آیت ۵۴ ﴿قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۵۴﴾ ''آپؑ نے کہا کہ کیا تم مجھے خوشخبری دے رہے ہو باوجود اس کے کہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے' تو تم مجھے یہ کیسی خوشخبری دے رہے ہو!''

عَلٰی یہاں پر ''علی الرغم'' کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ میرے بڑھاپے کے باوجود تم مجھے جو بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو تو کہیں تم لوگوں کو کوئی مغالطہ تو نہیں ہو رہا؟

آیت ۵۵ ﴿قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۵۵﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم آپؑ کو حق کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں' تو آپؑ ناامید لوگوں میں سے نہ ہوں۔''

انہوں نے بتایا کہ ہم آپ کے ربّ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور یہ جو بشارت ہم نے آپؑ کو دی ہے یہ حقیقی اور قطعی بات ہے' بالکل ایسا ہی ہوگا۔

آیت ۵۶ ﴿قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ۵۶﴾ ''آپؑ نے کہا کہ کون ہوگا جو اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہو' سوائے گمراہوں کے!''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ستاسی (۸۷) برس کی عمر میں بیٹا عطا کیا۔ اسی طرح کا معاملہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ساری عمر بانجھ رہیں' مگر جب وہ دونوں میاں بیوی بہت بوڑھے ہو چکے تھے تو اللہ نے انہیں بیٹا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) عطا کیا۔

آیت ۵۷ ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۵۷﴾ ''آپؑ نے پوچھا: اے فرستادو! تمہاری کیا مہم ہے؟''

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ آپ لوگوں کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ آپ کو کیا مہم درپیش ہے؟

آیت ۵۸ ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۵۸﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہمیں بھیجا گیا ہے ایک مجرم قوم کی طرف۔''

آیت ۵۹ ﴿اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۵۹﴾ ''سوائے آلِ لوطؑ کے' ان سب کو ہم ضرور بچا لیں گے۔''

آیت ۶۰ ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۶۰﴾ ''سوائے اُن کی بیوی کے' ہم نے اندازہ ٹھہرا لیا ہے کہ وہ یقیناً پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔''

آیت ۶۱ ﴿فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۶۱﴾ ''تو جب لوطؑ کے گھر پہنچے وہ بھیجے ہوئے۔''

آیت ۶۲ ﴿قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ۝۶۲﴾ ''اُس (لوطؑ) نے کہا کہ یقیناً تم اجنبی لوگ ہو۔''

حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بالکل اجنبی لوگ ہیں' تو انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں' اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟

آیت ۶۳ ﴿قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ۝۶۳﴾ ''انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو آپؑ کے پاس وہ شے لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے۔''

حضرت لوط علیہ السلام جب اپنی قوم کو متنبہ کرتے تھے کہ اگر تم لوگ شرک سے اور اس فعل خبیث سے باز نہیں آؤ گے تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا' تو وہ آپؑ کا مذاق اڑاتے تھے' کیونکہ انہیں یقین نہیں تھا کہ ان پر واقعی عذاب آجائے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ آج ہم وہی عذاب لے کر آگئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں تھے۔

آیت ۶۴ ﴿وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ۝۶۴﴾ ''اور ہم آئے ہیں آپؑ کے پاس حق (قطعی فیصلے) کے ساتھ اور یقیناً ہم سچے ہیں۔''

آیت ۶۵ ﴿فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ﴾ ''تو آپؑ اپنے گھر والوں کو لے جایئے رات کے ایک حصے میں' اور آپؑ ان کے پیچھے پیچھے جایئے' اور آپ لوگوں میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے''

یعنی آپ لوگ صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے اب دوستی اور ہمدردی جیسے جذبات کا اظہار کسی بھی شکل میں نہیں ہونا چاہیے۔

﴿وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ۝۶۵﴾ ''اور آپؑ چلے جایئے جہاں آپؑ کو حکم ہوا ہے۔''

آیت ۶۶ ﴿وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ۝۶۶﴾ ''اور ہم نے لوطؑ کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔''

وہاں سے نکلنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو بتا دیا گیا کہ اس پوری قوم کو تہس نہس کر دیا جائے گا اور یہاں کوئی ایک متنفس بھی نہیں بچے گا۔

آیت ۶۷ ﴿وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۝۶۷﴾ ''اور آئے اہلِ شہر خوشیاں مناتے ہوئے۔''

حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر بدقماش قسم کے لوگوں نے خوشی خوشی آپؑ کے گھر پر یلغار کر دی۔

آیت ۶۸ ﴿قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ۝۶۸﴾ ''لوطؑ نے کہا: یہ میرے مہمان ہیں' چنانچہ تم لوگ مجھے رسوا نہ کرو۔''

آیت ۶۹ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ۝۶۹﴾ ''اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو مت کرو۔''

آیت ۷۰ ﴿قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۷۰﴾ ''انہوں نے کہا: کیا ہم نے آپؑ کو سب دنیا والوں

(کی حمایت میں کھڑے ہونے) سے منع نہیں کیا تھا؟‘‘

کیا ہم آپ کو منع نہیں کر چکے کہ آپ ہر کسی کی طرف داری کرتے ہوئے ہمارے معاملے میں دخل اندازی نہ کیا کریں۔ ہم جس کے ساتھ جو چاہیں کریں‘ آپ بیچ میں آنے والے کون ہوتے ہیں؟

آیت ۷۱ ﴿قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝﴾ ’’آپؑ نے کہا: یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔‘‘

قبل ازیں اس فقرے کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یعنی میری قوم کی بیٹیاں جو تمہارے گھروں میں موجود ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے لیے فطری ساتھی بنایا ہے۔ اس فقرے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؑ نے اتمام حجت کے لیے ان میں سے دو سرداروں کو یہاں تک کہہ دیا ہو کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو میں اپنی بیٹیوں کا نکاح تم سے کیے دیتا ہوں۔

آیت ۷۲ ﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝﴾ ’’قسم ہے آپؐ کی جان کی‘ وہ لوگ اپنی اس بدمستی میں بالکل اندھے ہو گئے تھے۔‘‘

عمہ کے مادہ میں دل کے اندھے پن کا مفہوم پایا جاتا ہے‘ یعنی ان لوگوں کے دل بھلائی اور برائی کی تمیز سے بالکل عاری ہو گئے تھے۔

آیت ۷۳ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝﴾ ’’تو انہیں آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے اجالا ہونے کے وقت۔‘‘

یعنی پو پھٹتے ہی ان پر اللہ کے عذاب کا کوڑا ایک زبردست چنگھاڑ کے ساتھ ٹوٹ پڑا۔

آیت ۷۴ ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝﴾ ’’پھر ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو بنا دیا اس کے نچلے والا‘ اور ہم نے برسائے ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے کنکر۔‘‘

یعنی ان آبادیوں کو پوری طرح تلپٹ کر دیا گیا اور ان پر سنگِ گِل کی بارش برسائی گئی۔

آیت ۷۵ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔‘‘

’’مُتوسّمین‘‘ سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقیہ‘ آیاتِ تاریخیہ‘ آیاتِ انفسیہ یا آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے حقیقت کو جاننا اور پہچاننا چاہیں۔ اسم (اصل مادہ ’’س م و‘‘ ہے‘ الف اس کے حروف اصلیہ میں سے نہیں ہے) کے معنی علامت کے ہیں۔ اردو میں لفظ ’’اسم‘‘ کو نام کے مترادف کے طور پر جانا جاتا ہے‘ اس لیے کہ کسی چیز یا شخص کا نام بھی ایک علامت کا کام دیتا ہے‘ جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ لہٰذا جو اصحابِ بصیرت علامتوں سے مُتوسّم (بابِ تفعّل) ہوتے ہیں‘ ان کے لیے ایسے واقعات میں سامانِ عبرت موجود ہے۔

آیت ۷۶ ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝﴾ ’’اور یہ بستیاں ایک سیدھی راہ پر واقع تھیں۔‘‘

قومِ لوطؑ کی یہ بستیاں اس شاہراہ عام پر واقع تھیں جو یمن (بحیرۂ عرب) اور شام (بحیرۂ روم) کے ساحلوں کو آپس میں ملاتی تھی۔ مشرقی ممالک (ہندوستان‘ چین‘ جاوا‘ ملایا وغیرہ) سے یورپ جانے کے لیے جو

سامان آتا تھا وہ یمن کے ساحل پر اتارا جاتا تھا اور پھر اس راستے سے تجارتی قافلے اسے شام اور فلسطین کے ساحل پر پہنچا دیتے تھے۔ اسی طرح یورپ سے مشرقی ممالک کے لیے آنے والا سامان شام کے ساحل پر اترتا تھا اور یہی قافلے اسے یمن کے ساحل پر پہنچانے کا ذریعہ بنتے تھے۔ اُس وقت نہر سویز بھی نہیں بنی تھی اور ''راس امید'' والا راستہ (Around the Cape of Good Hope) بھی دریافت نہیں ہوا تھا' جو واسکوڈے گاما نے ۱۴۹۸ء میں تلاش کیا۔ چنانچہ یہ شاہراہ اس زمانے میں مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی رابطے کا واحد ذریعہ تھی۔

آیت ۷۷ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اہلِ ایمان کے لیے۔''

آیت ۷۸ ﴿وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝﴾ ''اور بے شک بن والے بھی ظالم تھے۔''

''اصحاب الایکہ'' سے اہل مدین مراد ہیں۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی مگر یہاں اس قوم کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ کا نام نہیں لایا گیا۔ ان سب اقوام کا تذکرہ یہاں پر انباء الرسل کے انداز میں ہو رہا ہے۔

آیت ۷۹ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ ''تو ان سے بھی ہم نے انتقام لیا۔ اور یہ دونوں بستیاں بھی کھلے راستے پر واقع تھیں۔''

اس سے مراد وہی تجارتی شاہراہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے۔ یہ اصحابِ حجر کے مساکن سے بھی ہو کر گزرتی تھی جبکہ اہل مدین کی آبادیاں اور قومِ لوطؑ کی بستیاں بھی اسی شاہراہ پر واقع تھیں۔

آیت ۸۰ ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ ''اور (اسی طرح) حجر والوں نے بھی مرسلین کو جھٹلایا۔''

اصحاب الحجر سے مراد قومِ ثمود ہے۔ قومِ ثمود حجر کے علاقے میں آباد تھی اور ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے تھے۔ جیسے حضرت ہود علیہ السلام کی قومِ عاد کا ذکر ''احقاف'' کے حوالے سے بھی ہوا ہے (ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف) جو اس قوم کا علاقہ تھا' اسی طرح قومِ ثمود کا ذکر یہاں ''اصحاب الحجر'' کے نام سے ہوا ہے۔ یہاں پر ''مرسلین'' کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں پہلے بہت سے انبیاء آئے اور پھر آخر میں رسول کی حیثیت سے حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے۔

آیت ۸۱ ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝﴾ ''اور انہیں ہم نے اپنی آیات عطا کیں لیکن وہ ان سے اعراض ہی کرتے رہے۔''

قومِ ثمود کو بطور خاص اونٹنی کی صورت میں حسی معجزہ دکھایا گیا تھا کہ ایک چٹان شق ہوئی اور اس کے اندر سے ایک خوبصورت گابھن اونٹنی برآمد ہوگئی۔

آیت ۸۲ ﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝﴾ ''اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے' امن وسکون کے ساتھ۔''

قومِ ثمود کے یہ گھر آج بھی موجود ہیں اور دیکھنے والوں کو دعوتِ عبرت دے رہے ہیں۔ میں نے خود بھی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔

آیت ۸۳ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾﴾ ”تو انہیں آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے صبح کے وقت۔“

آیت ۸۴ ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾ ”تو کچھ کام نہ آسکا اُن کے جو وہ کماتے تھے۔“

وہ خوشحال قوم تھی مگر انہوں نے جو مال و اسباب جمع کر رکھا تھا وہ انہیں عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے کچھ بھی مفید ثابت نہ ہوسکا۔

اس سورۂ مبارکہ میں اب تک تین رسولوں کا ذکر ”انباء الرسل“ کے انداز میں ہوا ہے۔ ان میں سے حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہما السلام کا نام لیے بغیر ان کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے‘ جب کہ حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یہاں بھی قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے‘ بالکل اسی طرح جس طرح سورۂ ہُود میں آیا تھا۔

اس سورۃ کی آخری پندرہ آیات دعوتِ دین کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔

آیات ۸۵ تا ۹۹

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ
الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ
الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ
جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّىْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾
الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ
يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا
يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع ۶

آیت ۸۵ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ”اور ہم نے نہیں تخلیق کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ۔“

یہ کائنات ایک بامقصد تخلیق ہے‘ کوئی کھیل تماشا نہیں۔ ہندو مائتھالوجی کی طرز پر یہ کوئی رام کی لیلا نہیں ہے کہ رام جی جس کو چاہیں راجہ بنا کر تخت پر بٹھا دیں اور جسے چاہیں تخت سے نیچے پٹخ دیں‘ بلکہ یہ کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تخلیق بامعنی اور بامقصد ہے۔ اس حقیقت کو سورۂ آل عمران میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:
﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ ”اے ہمارے رب! تو نے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی‘ تیری ذات اس سے بہت اعلیٰ اور پاک ہے‘ لہٰذا ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔“

﴿وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ ''اور یقیناً قیامت آ کر رہے گی''

چونکہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز حق کے ساتھ تخلیق کی گئی ہے' لہٰذا اس حق کا منطقی تقاضا ہے کہ ایک یومِ حساب آئے' لہٰذا قیامت آ کر رہے گی۔ اس کائنات کا بغور جائزہ لینے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اس کی تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو منطقی سوال اٹھتا ہے کہ پھر انسان کو کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اور انسان کے اندر جو اخلاقی حس پیدا کی گئی ہے' اسے پیدائشی طور پر نیکی اور بدی کی جو تمیز دی گئی ہے یہاں دنیا میں اس سے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں؟ اس دنیا میں تو اخلاقیات کے اصولوں کے برعکس نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہاں چور ڈاکو اور لٹیرے عیش کرتے نظر آتے ہیں اور نیک سیرت لوگ فاقے کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا اس صورتِ حال کا منطقی تقاضا ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہو جس میں ہر شخص کا پورا پورا حساب ہو اور ہر شخص کو ایسا صلہ اور بدلہ ملے جو اس کے اعمال کے عین مطابق ہو۔

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝۸۵﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کریں۔''

یہ مجرم لوگ ہماری پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔ قیامت آئے گی اور یہ لوگ ضرور کیفرِ کردار کو پہنچیں گے' مگر ابھی ہم انہیں ڈھیل دینا چاہتے ہیں' مزید کچھ دیر کے لیے مہلت دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ فی الحال ان کی دل آزار باتیں برداشت کریں' ان کی معاندانہ سرگرمیوں کے جواب میں صبر کریں اور احسن انداز میں اس سب کچھ کو نظر انداز کر دیں۔ اس رویے اور ایسے طرزِ عمل سے آپ ﷺ کے درجات بلند ہوں گے۔

آیت ۸۶ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝۸۶﴾ ''یقیناً آپ کا رب پیدا کرنے والا' خوب جاننے والا ہے۔''

وہ جو پیدا کرنے والا ہے' اپنی مخلوق کو خوب جانتا بھی ہے۔ سورۃ الملک میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝۱۴﴾ ''کیا اُسی کے علم میں نہیں ہو گا جس نے پیدا کیا؟ بلکہ وہ تو نہایت باریک بین باخبر ہے''۔ کسی مشین کو بنانے والا اس کے تمام کل پرزوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔

آیت ۸۷ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝۸۷﴾ ''اور ہم نے آپ کو دی ہیں سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن۔''

اس پر تقریباً تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں سات بار بار دہرائے جانے والی آیات سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ حدیث میں سورۃ الفاتحہ کو نماز کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) (متفق علیہ) یعنی جو شخص (نماز میں) سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں۔ قبل ازیں سورۃ الفاتحہ کے مطالعے کے دوران ہم وہ حدیث قدسی بھی پڑھ چکے ہیں جس میں سورۃ الفاتحہ ہی کو نماز قرار دیا گیا ہے: ((قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ......)) (رواہ مسلم) اب جبکہ ہر نمازی اپنی نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کر رہا ہے تو اندازہ کریں کہ دنیا بھر میں ان سات آیات کی تلاوت کتنی مرتبہ ہوتی ہو گی۔ اس کے علاوہ آیت زیرِ نظر میں اس سورۃ کو ''قرآن عظیم'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یعنی اہمیت اور فضیلت کے اعتبار

سے سورۃ الفاتحہ قرآن عظیم کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس سورت کو اساس القرآن اور اُمّ القرآن قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے الکافیہ (کفایت کرنے والی) اور الشافیہ (شفا دینے والی) جیسے نام بھی دیے گئے ہیں۔

ایک حدیث کے مطابق سورۃ الفاتحہ جیسی کوئی سورت نہ تورات میں ہے' نہ انجیل میں اور نہ ہی قرآن میں۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ کی دلجوئی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ دیکھیں ہم نے آپؐ کو اتنا بڑا خزانہ عطا فرمایا ہے۔ ابوجہل اگر خود کو مالدار سمجھتا ہے' ولید بن مغیرہ اپنے زعم میں اگر بہت بڑا سردار ہے تو آپ (ﷺ) مطلق پروانہ کریں۔ ان لوگوں کی سوچ کے اپنے پیمانے ہیں۔ ان بدبختوں کو کیا معلوم کہ ہم نے آپؐ کو کتنی بڑی دولت سے نوازا ہے!

آیت ۸۸ ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ''آپؐ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس مال و متاع کی طرف جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے''

ابوجہل کی دولت و شوکت' ولید بن مغیرہ کے باغات اور ان جیسے دوسرے کافروں کی جاگیریں آپؐ کو ہرگز متاثر نہ کریں۔ آپؐ ان کی ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دنیا و مافیہا کی حیثیت اللہ کی نگاہ میں مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی تک نہ دیتا۔ چنانچہ ان کفار کو جو مال و متاع اس دنیا میں دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے۔ اہل ایمان کو بھی چاہیے کہ وہ بھی مال و دولتِ دنیا کو اسی نظر سے دیکھیں۔

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور آپؐ ان کی حالت پر غم نہ کریں''

یہ لوگ آپؐ کی دعوت کو ٹھکرا کر عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں۔ ان میں آپؐ کے قبیلے کے افراد بھی شامل ہیں اور ابولہب جیسے عزیز و اقارب بھی' مگر آپؐ اب ان لوگوں کے انجام کے بارے میں بالکل پریشان نہ ہوں۔

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۸﴾ ''اور اہل ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں۔''

اہل ایمان کے ساتھ آپ (ﷺ) شفقت اور مہربانی سے پیش آئیں۔ اِن لوگوں میں فقراء و مساکین بھی ہیں اور غلام بھی۔ یہ لوگ جب آپؐ کے پاس حاضر ہوں تو کمال تواضع سے ان کا استقبال کیجیے اور ان کی دلجوئی فرمایئے۔ اس سے قبل یہی بات اس انداز میں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: ٥٤)۔ سورۃ الشعراء میں بھی اس مضمون کو ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۱۵﴾ کہ اہل ایمان جو آپ (ﷺ) کی پیروی کر رہے ہیں' آپ اپنے کندھے ان کے لیے جھکا کر رکھیے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں والدین کے ادب و احترام کے سلسلے میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ ادب' محبت' عاجزی اور انکساری کا معاملہ کرے۔

آیت ۸۹ ﴿وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝۸۹﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ میں تو کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔''

میری اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو واضح طور پر خبردار کر دوں۔

آیت ۹۰ ﴿كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝۹۰﴾ ''جیسے کہ ہم نے نازل کیا ان تقسیم کرنے والوں پر۔''

آیت ۹۱ ﴿الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱﴾ ''جنہوں نے (اپنے) قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔''

اس آیت کے مفہوم کے سلسلے میں مفسرین نے مختلف آراء بیان کی ہیں۔ اس ضمن میں زیادہ قرین قیاس رائے یہ ہے کہ یہاں لفظ ''قرآن'' کا اطلاق تورات پر ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ سبا کی آیت ۳۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ یعنی کفار کہتے ہیں کہ نہ اس قرآن پر ایمان لاؤ اور نہ اس پر جو اس سے پہلے تھا۔ تو گویا تورات بھی قرآن ہی تھا اور یہود نے اپنے مفادات کے لیے اپنے اس قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ ان کے اس کارنامے کا تذکرہ سورۃ الانعام کی آیت ۹۱ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾ ''تم نے اس (تورات) کو ورق ورق کر دیا ہے' ان میں سے کسی حصے کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو۔''

آیت ۹۲ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۲﴾ ''تو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ کر رہیں گے۔''

اس آیت کا مضمون اور انداز وہی ہے جو اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ چکے ہیں: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶﴾ ''ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف رسولؑ کو بھیجا گیا اور ان سے بھی جن کو رسولؑ بنا کر بھیجا گیا''۔ چنانچہ اے نبی (ﷺ) یہ تھوڑے وقت کی بات ہے' ہم ان سے ایک ایک چیز کا حساب لے کر رہیں گے۔

آیت ۹۳ ﴿عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۳﴾ ''جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔''

آیت ۹۴ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹۴﴾ ''اب آپؐ علی الاعلان بیان کریں جس کا آپؐ کو حکم دیا جا رہا ہے اور ان مشرکوں کی ذرا پروا نہ کریں۔''

اس حکم کو رسول اللہ ﷺ کی دعوتی تحریک میں ایک نئے موڑ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے قبل آپ ﷺ اپنے قریبی ساتھیوں اور رشتہ داروں کو انفرادی طور پر دعوت دے رہے تھے' جیسے آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ ؓ سے بات کی' اپنے پرانے دوست حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو دعوت دی' اپنے چچازاد بھائی حضرت علی ؓ کو اعتماد میں لیا جو آپؐ کے زیر کفالت بھی تھے اور اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید ؓ سے بھی بات کی۔ آپ ﷺ کی اس انفرادی دعوت کا سلسلہ ابتدائی طور پر تقریباً تین سال پر محیط نظر آتا ہے۔ بعض لوگ اس دور کی دعوت کو ایک خفیہ (underground) تحریک سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ اعلانِ نبوت کے بعد آپ ﷺ کی سیرت میں کوئی دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں آپ ﷺ نے اپنی اس دعوت کو خفیہ رکھا ہو' مگر ایسا ضرور ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت فطری اور تدریجی انداز میں آگے بڑھی اور آہستہ آہستہ ارتقا پذیر ہوئی۔

اس دعوت کا آغاز گھر سے ہوا' پھر آپ ﷺ تعلق اور قرابت داری کی بنیاد پر مختلف افراد کو انفرادی انداز میں دعوت دیتے رہے اور پھر تقریباً تین سال کے بعد آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ اب آپ ﷺ علی الاعلان یہ دعوت

دینا شروع کر دیں۔ اس حکم کے بعد آپ ﷺ نے ایک دن عرب کے رواج کے مطابق کوہِ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو اونچی آواز سے اپنی طرف بلانا شروع کیا۔ عرب میں رواج تھا کہ کسی اہم خبر کا اعلان کرنا ہوتا تو ایک آدمی اپنا پورا لباس اتارتا' بالکل ننگا ہو کر کسی اونچی جگہ پر چڑھ جاتا اور ''وَاصَبَاحَا'' کا نعرہ لگاتا' کہ ہائے وہ صبح جو آیا چاہتی ہے! یعنی میں تم لوگوں کو آنے والی صبح کی خبر دینے والا ہوں! اس زمانے میں ایسی خبر عام طور پر کسی مخالف قبیلہ کے شب خون مارنے کے بارے میں ہوتی تھی کہ فلاں قبیلہ آج صبح سویرے تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کو ''نذیر عریاں'' کہا جاتا تھا۔ اس رواج کے مطابق (لباس اتارنے کی بیہودہ رسم کو چھوڑ کر) آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر ''وَاصَبَاحَا'' کا نعرہ لگایا۔ جس جس نے آپ ﷺ کی آواز سنی وہ بھاگم بھاگ آپ ﷺ کے پاس آ پہنچا کہ آپ ﷺ کوئی اہم خبر دینے والے ہیں۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کیا' جس کے جواب میں آپؐ کے بدبخت چچا ابولہب نے کہا: تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟☆ ''تمہارے لیے ہلاکت ہو (نعوذ باللہ) اس کام کے لیے تم نے ہمیں جمع کیا تھا؟'' دعوت کو ڈنکے کی چوٹ بیان کرنے کے اس حکم اور اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت نبوت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی۔

آیت ۹۵ ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾﴾ ''ہم آپؐ کی طرف سے کافی ہیں ان استہزا کرنے والوں (سے نمٹنے) کے لیے۔''

آپؐ ان کی مخالفت کی پروا نہ کریں' ہم ان سے اچھی طرح نمٹ لیں گے۔ یہ لوگ آپؐ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔

آیت ۹۶ ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود گھڑے بیٹھے ہیں۔ تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

ایسے لوگوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی اور وہ کن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

آیت ۹۷ ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾﴾ ''اور ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان کی باتوں سے۔''

علی الاعلان دعوت کی وجہ سے مخالفت کا ایک طوفان آپؐ پر امڈ آیا تھا۔ پہلے مرحلے میں یہ مخالفت اگرچہ زبانی طعن و تشنیع اور بدگوئی تک محدود تھی مگر بہت تکلیف دہ تھی۔ کسی نے مجنون اور کاہن کہہ دیا' کسی نے شاعر کا خطاب دے دیا۔ کوئی دور کی کوڑی لایا کہ آپؐ نے گھر میں ایک عجمی غلام چھپا رکھا ہے' اس سے معلومات لے کر ہم پر دھونس جماتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو واقعی سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ پر آسیب وغیرہ کے اثرات ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگ ازراہِ ہمدردی ایسی باتوں کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ نے اسی طرح آپ ﷺ سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ وہ قبیلے کا معمر بزرگ تھا۔ اس نے کہا: اے میرے بھتیجے' بڑے بڑے عاملوں

☆ ابولہب کے اس قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورۃ ''اللّھب'' نازل فرمائی' جس کی پہلی آیت میں ہی فرمایا: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۱﴾﴾ ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔'' (مرتب)

اور کاہنوں سے میرے تعلقات ہیں' آپ (ﷺ) کہیں تو میں ان میں سے کسی کو بلا لاؤں اور آپؐ کا علاج کراؤں؟ ان سب باتوں سے آپؐ کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور آپؐ کی اسی تکلیف اور دل کی گھٹن کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ ان لوگوں کی بیہودہ باتوں سے آپؐ کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۳۳ میں بھی گزر چکا ہے۔

آیت ۹۸ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾﴾ ''پس آپؐ تسبیح کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جایئے۔''

آپؐ اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہیں۔ اسی کے آگے جھکے رہیں اور اس طرح اپنے تعلق مع اللہ کو مزید مضبوط کریں۔ اللہ سے اپنے اس قلبی اور ذہنی رشتے کو جتنا مضبوط کریں گے اسی قدر آپ ﷺ کے دل کو سکون واطمینان ملے گا اور صبر واستقامت کے رستے پر چلنا اور ان سختیوں کو جھیلنا آپؐ کے لیے آسان ہوگا۔

آیت ۹۹ ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾﴾ ''اور اپنے رب کی بندگی میں لگے رہیں یہاں تک کہ یقینی شے وقوع پذیر ہو جائے۔''

عام طور پر یہاں ''یقین'' سے موت مراد لی گئی ہے۔ یعنی اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اس کی بندگی میں لگے رہیے اور اس سلسلے میں لمحہ بھر کے لیے بھی غفلت نہ کیجیے:

تا دمِ آخر دمے فارغ مباش
اندریں رہ مے تراش و مے خراش!

بعض لوگ یہاں ''یقین'' سے اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی مراد لیتے ہیں کہ کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے' اُس کی مدد اہلِ حق کے شامل حال ہو جائے اور انہیں کفار پر غلبہ حاصل ہو جائے۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى وايّاكم بالآيات والذّكر الحكيم ○○

سُوْرَۃُ النَّحْل

تمہیدی کلمات

سورۂ یونس سے شروع ہونے والے مکی سورتوں کے طویل سلسلے کی اب تک ہم چھ سورتوں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان چھ سورتوں کو بھی ہم نے تین تین سورتوں کے مزید دو ذیلی گروپس میں تقسیم کیا تھا۔ پہلے گروپ میں شامل تین سورتیں (یونس‘ ہُود اور یوسف) نسبتاً طویل ہیں‘ جبکہ دوسرے گروپ کی سورتیں (الرعد‘ ابراہیمؑ اور الحجر) نسبتاً چھوٹی ہیں۔ دوسرے گروپ کی اِن سورتوں میں پہلی دو یعنی سورۃ الرعد اور سورۂ ابراہیم میں نسبت زوجیت ہے جبکہ سورۃ الحجر بالکل منفرد نوعیت کی سورۃ ہے۔ اب سورۃ النحل سے مکی سورتوں کے اس طویل سلسلے کے تیسرے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں سورۃ النحل‘ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف شامل ہیں۔ یہ تینوں سورتیں بھی نسبتاً طویل ہیں۔ ان میں سورۃ النحل منفرد ہے جبکہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں جوڑے کا تعلق ہے۔

سورۃ النحل کا زمانۂ نزول مکہ کا آخری دور معلوم ہوتا ہے۔ اس سورۃ کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر بہت جامعیت کے ساتھ ہوا ہے اور اس کے مضامین کی سورۃ الانعام اور سورۃ الروم کے مضامین کے ساتھ گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۹

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱﴾ یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ
اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ
مُّبِیۡنٌ ﴿۴﴾ وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا ۚ لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۵﴾ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا جَمَالٌ
حِیۡنَ تُرِیۡحُوۡنَ وَ حِیۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ﴿۶﴾ وَ تَحۡمِلُ اَثۡقَالَکُمۡ اِلٰی بَلَدٍ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا بٰلِغِیۡہِ اِلَّا بِشِقِّ
الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۙ﴿۷﴾ وَّ الۡخَیۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡہَا وَ زِیۡنَۃً ؕ
وَ یَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾ وَ عَلَی اللّٰہِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ وَ مِنۡہَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ لَہَدٰىکُمۡ
ع اَجۡمَعِیۡنَ ٪﴿۹﴾

آیت ۱ ﴿اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ﴾ ”اللہ کا حکم آن پہنچا ہے‘ پس تم جلدی مت مچاؤ۔“

جب ہم نے اپنا رسولؐ بھیج دیا اور اس پر اپنا کلام بھی نازل کرنا شروع کر دیا ہے تو گویا فیصلہ کن وقت آن پہنچا ہے۔ اب معاملہ صرف مہلت کے دورانیے کا ہے کہ ہمارے رسول اور ہمارے پیغام کا انکار کرنے والوں کو مشیّتِ الٰہی کے مطابق کس قدر مہلت ملتی ہے۔ بہر حال اب جلدی مچانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کا عذاب بس اب آیا ہی چاہتا ہے‘ اس کے لیے اب بہت زیادہ وقت نہیں رہ گیا۔

﴿سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ①﴾ ”وہ پاک اور بلند و بالا ہے اُس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔“

آیت ۲ ﴿یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ②﴾ ”وہ اُتارتا ہے فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے‘ کہ خبردار کر دو (میرے بندوں کو) کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔“

بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ سے مراد اللہ کی وحی ہے۔ یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے اپنی وحی کے لیے چُن لیا اور آپ ﷺ کی طرف حضرت جبرائیلؑ وحی لے کر آئے۔ یہاں پر لفظ ”امر“ کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ؕ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ‘ اُسی کے لیے خلق ہے اور اُسی کے لیے امر“۔ یعنی عالمِ خلق اور عالمِ امر دو الگ الگ عالم ہیں۔ عالمِ امر کا معاملہ یہ ہے کہ اُس میں وقت کا عامل بالکل کارفرما نہیں۔ اس عالم میں کسی کام کے کرنے یا کوئی واقعہ وقوع پذیر ہونے میں وقت درکار نہیں ہوتا۔ بس اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور اس کے ”کُنۡ“ فرمانے سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۸۲﴾﴾ ”اُس کا امر تو یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس یہی ہوتا کہ وہ اسے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“

اس کے برعکس عالمِ خلق میں کسی کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے میں وقت درکار ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں متعدد بار فرمایا گیا کہ اللہ نے زمین و آسمان چھ دنوں میں تخلیق کیے۔ اسی طرح دنیا کا سارا نظام عالمِ خلق کے اصولوں پر چل رہا ہے۔ مثلاً آم کی گٹھلی سے کونپلیں پھوٹتی ہیں‘ پھر بڑھتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اس سارے عمل میں وقت درکار ہوتا ہے۔

یہاں پر روح کے ذکر کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ عالم امر کی صرف تین چیزیں ہی ہمارے علم میں ہیں۔ ملائکہ‘ روح اور وحی۔ قرآن میں ملائکہ کو بھی روح کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لیے روح القدس اور روح الامین کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ الشعراء میں فرمایا گیا: ﴿نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾﴾ جبکہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۷ میں ارشاد ہوا: ﴿وَاَیَّدۡنٰہُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ﴾۔ اسی طرح قرآن میں وحی کو بھی روح کہا گیا ہے‘ اور یہ وحی نازل بھی روح پر ہوتی ہے۔ جب محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کا ادراک طبعی حواسِ خمسہ سے نہیں کرتے تھے‘ بلکہ وحی براہِ راست آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوتی تھی۔ اس لیے کہ قلبِ محمدیؐ روحِ محمدی ﷺ کا مسکن تھا: ﴿نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾

عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴿١٩٤﴾ (الشعراء)۔ چنانچہ وحی بھی روح ہے‘ اس کو لانے والے جبرائیلؑ امین بھی روح ہیں اور اس کا نزول بھی روحِ محمدی ﷺ پر ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں جگر مراد آبادی کا یہ شعر ان کی کسی خاص کیفیت کا مظہر معلوم ہوتا ہے ؎

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو روح سُنے اور روح سُنائے!

آیت ۳ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣﴾﴾ ’’اُس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ بہت بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۴ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤﴾﴾ ’’اُس نے پیدا کیا انسان کو گندے پانی کی بوند سے‘ پھر یکایک وہ بن گیا کھلا جھگڑالو۔‘‘

انسان اپنے خود ساختہ نظریات کے حق میں خوب بحثیں کرتا ہے‘ عقلی ونقلی دلیلیں دیتا ہے اور زورِ خطابت سے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔

آیت ۵ ﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٥﴾﴾ ’’اور چوپایوں کو بھی اُس نے پیدا کیا‘ ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان اور کئی دوسرے فائدے بھی ہیں‘ اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔‘‘

بعض جانوروں کی اون سے تم لوگ لباس بنتے ہو‘ جو سردی کے موسم میں تمہیں گرمی پہنچاتا ہے‘ بعض جانوروں کے بالوں سے بہت سی دوسری چیزیں بناتے ہو۔ اسی طرح یہ جانور اور بھی بہت سی صورتوں میں تمہارے لیے مفید اور مددگار ہوتے ہیں‘ حتیٰ کہ تمہاری خوراک کی بیشتر ضروریات بھی انہی سے پوری ہوتی ہیں۔

آیت ۶ ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿٦﴾﴾ ’’اور تمہارے لیے ان میں بڑی شان وشوکت ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر لاتے ہو اور جب (صبح کے وقت) چرانے کے لیے لے جاتے ہو۔‘‘

دیہاتی ماحول میں مویشیوں کی حیثیت بہت قیمتی سرمائے کی سی ہوتی ہے‘ اسی لیے انہیں مال مویشی کہا جاتا ہے۔ یہ جانور جب صبح چرنے کے لیے جاتے ہیں یا شام کے وقت جنگل سے چر کر واپس آ رہے ہوتے ہیں تو اُن کے مالکوں کے لیے یہ بڑا خوش کن منظر ہوتا ہے۔ جانوروں کا غلہ یا ریوڑ جتنا بڑا ہوگا‘ اس کے مالک کی حیثیت اور شان وشوکت اسی قدر زیادہ سمجھی جائے گی۔

آیت ۷ ﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ﴾ ’’اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسی بستیوں کی طرف جن تک تم نہیں پہنچنے والے ہوتے مگر جان توڑ کر۔‘‘

ان میں ایسے جانور بھی ہیں جو ساز وسامان کے نقل وحمل میں تمہارے کام آتے ہیں اور اُن کے بغیر تم یہ بھاری چیزیں اٹھا کر دور دراز علاقوں تک نہیں پہنچا سکتے۔

﴿اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ''یقیناً تمہارا رب شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔''

آیت ۸ ﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ﴾ ''اور (اسی نے پیدا کیے) گھوڑے اور خچر اور گدھے' کہ تم ان پر سواری کرو اور (تمہارے لیے ہے اُن میں) زینت بھی۔''

ان مویشیوں سے انسان کو بہت سے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں اور یہ اس کے لیے باعثِ زیب وزینت بھی ہیں۔ خصوصی طور پر گھوڑا بہت حسین اور قیمتی جانور ہے اور اس کا مالک اسے اپنے لیے باعثِ فخر وتمکنت سمجھتا ہے۔

﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''اور (ایسی چیزیں بھی) وہ پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔''

یعنی یہ تو چند وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں تم لوگ جانتے ہو' مگر اللہ تعالیٰ تو بے شمار ایسی چیزیں بھی تخلیق فرماتا ہے جن کے بارے میں تمہیں کچھ بھی علم نہیں۔

آیت ۹ ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ﴾ ''اور اللہ تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہے اور ان میں کچھ ٹیڑھے بھی ہیں۔''

یہ سیدھا راستہ توحید کا راستہ ہے۔ یہاں اس راستے کو ''قصد السبیل'' کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن میں اسے صراطِ مستقیم بھی کہا گیا ہے اور سوآء السبیل بھی۔ یہی ایک راستہ ہے جو انسان کو اللہ تک پہنچاتا ہے' مگر بہت سے لوگ اس راستے سے بھٹک کر ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر مڑ جاتے ہیں جو انہیں گمراہی کے گڑھوں میں گرا دیتی ہیں۔

﴿وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔''

اللہ اگر چاہتا تو سب انسانوں کو اسی ایک سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق اور سمجھ بوجھ دے دیتا۔

آیات ۱۰ تا ۲۳

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ
لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ
بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا
وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۱۶ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا
تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾
أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا ع ۱۲ ۸
يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ
وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾

آیت ۱۰ ﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿١٠﴾﴾ ''وہی ہے جس نے اتارا ہے آسمان سے تمہارے لیے پانی' اسی سے ہے (تمہارا) پینا اور اسی سے ہیں درخت (نباتات وغیرہ)' جن میں تم (اپنے جانوروں کو) چراتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ ہی بارش اور برف کی صورت میں بادلوں سے پانی برساتا ہے جس پر انسانی زندگی کا براہِ راست انحصار ہے اور پھر یہی پانی بے شمار نباتاتی اور حیوانی مخلوقات کو زندگی بخشتا ہے جو انسان ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ﴾ ''وہ اُگاتا ہے تمہارے لیے اس (پانی) سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١١﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی کے بے شمار انداز ہیں' اس کی تخلیق میں لامحدود تنوع' بوقلمونی اور رنگارنگی ہے۔ چنانچہ اب ایک دوسرے پہلو سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہونے جا رہا ہے:

آیت ۱۲ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ﴾ ''اور اُس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو''

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رات اپنی جگہ اہم ہے اور دن کی اپنی اہمیت ہے۔ رات میں مجموعی طور پر ایک سکون ہے۔ یہ انسانوں اور دوسرے جانداروں کے لیے باعثِ راحت ہے' اس میں وہ آرام کرتے ہیں' سوتے ہیں اور صبح تازہ دم ہو کر اٹھتے ہیں۔ دوسری طرف دن میں بھاگ دوڑ' محنت' جدوجہد اور مختلف النوع انسانی سرگرمیاں ممکن ہوتی ہیں۔ اگر اس پہلو سے دنیا کے اجتماعی نظام کو دیکھا جائے تو یہ پورا نظام رات اور دن کے وجود کا مرہونِ منت نظر آتا ہے۔ نباتاتی نظام کو ہی لے لیجیے۔ اس کے لیے رات اور دن دونوں ہی ناگزیر ہیں۔ دن کو سورج کی روشنی اور تمازت سے نباتات کے لیے Photosynthesis کا عمل ممکن ہوتا ہے جو ان کی نشوونما کے لیے ناگزیر ہے۔ فصلوں اور پھلوں کو بھی پکنے کے لیے سورج کی روشنی اور حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری طرف رات کو نباتات respiration کے عمل کے ذریعے سے آکسیجن حاصل کرتے ہیں۔ گویا رات اور دن کے بغیر نباتات کا وجود ممکن ہی نہیں ہے اور انسانی زندگی میں نباتات کے عمل دخل کا تصور کریں تو اس ایک مثال سے ہی یہ حقیقت سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دن اور رات کو انسان کے لیے مسخر کر دینا کتنی

بڑی نعمت ہے۔

﴿وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِہٖ ؕ﴾ ''اور سورج اور چاند کو' اور ستارے بھی مسخر ہیں اُسی کے حکم سے۔''

پورا نظامِ شمسی اور تمام اجرامِ فلکی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کی نفع رسانی میں مصروف ہیں۔

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔''

آیت ۱۳ ﴿وَمَا ذَرَاَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ ؕ﴾ ''اور جو چیزیں اُس نے پھیلا دی ہیں تمہارے لیے زمین میں اُن کے مختلف رنگ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زمین میں رنگا رنگ قسم کے حیوانات' نباتات اور جمادات پیدا کیے ہیں۔

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''یقیناً اس میں بھی نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو نصیحت اخذ کریں۔''

آیت ۱۴ ﴿وَہُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡکُلُوۡا مِنۡہُ لَحۡمًا طَرِیًّا﴾ ''اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمہاری ضروریات پوری کرنے میں لگا دیا ہے تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت''

سمندری خوراک ہمیشہ سے انسانی زندگی میں بہت اہم رہی ہے۔ دورِ جدید میں اس کی افادیت مزید نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

﴿وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡہُ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَہَا ۚ﴾ ''اور تاکہ تم نکالو اس میں سے بناؤ سنگھار کا سامان جو تم پہنتے ہو۔''

سمندر سے موتی اور بہت سی دوسری ایسی اشیاء نکالی جاتی ہیں جن سے زیورات اور آرائش و زیبائش کا سامان تیار ہوتا ہے۔

﴿وَتَرَی الۡفُلۡکَ مَوَاخِرَ فِیۡہِ﴾ ''اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں اس (سمندر) میں''

﴿وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔''

آیت ۱۵ ﴿وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَاَنۡہٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''اور اُس نے زمین میں لنگر ڈال دیے ہیں کہ تمہیں لے کر لڑھک نہ جائے اور اس میں (ندیاں بہا دی ہیں) اور راستے (بنا دیے ہیں) تاکہ تم اپنی منزلوں تک پہنچا کرو۔''

یہاں اَنۡہٰرًا وَّسُبُلًا کے اکٹھے ذکر کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو عملی طور پر بھی ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ پہاڑی سلسلوں میں عام طور پر ندیوں کی گزرگاہوں کے ساتھ ساتھ ہی راستے بنتے ہیں۔ اسی طرح پہاڑوں کے درمیان قدرتی وادیاں انسانوں کی گزرگاہیں بھی بنتی ہیں اور پانی کے ریلوں کو راستے بھی فراہم کرتی ہیں۔

آیت ۱۶ ﴿وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ⑯﴾ ''اور دوسری علامتیں بھی ہیں۔ اور وہ ستاروں سے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی مدد کے لیے زمین میں طرح طرح کی علامتیں بنائیں تاکہ مختلف علاقوں اور راستوں کی پہچان ہو سکے۔ اسی طرح آسمان کے ستاروں کو بھی سمتوں اور راستوں کے تعین کا ایک ذریعہ بنا دیا۔ پرانے زمانے میں سمندری اور صحرائی سفرات کے وقت ستاروں کی مدد سے ہی ممکن ہوتے تھے۔

آیت ۱۷ ﴿اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑰﴾ ''تو کیا جو (یہ سب کچھ) پیدا کرتا ہے اُن کی طرح ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کرتے؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''

مشرکینِ عرب نے مختلف ناموں سے جو بت بنا رکھے تھے اُن کے بارے میں اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ سورۂ یونس کی آیت ۱۸ میں ان کے اس عقیدے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں''۔ اللہ کے بارے میں ان کا ماننا تھا کہ وہ کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ ان کے معبودوں کا اس تخلیق میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی وہ کوئی چیز تخلیق کر سکتے ہیں۔ قرآن میں ان کے اس عقیدے کا بھی بار بار ذکر آیا ہے: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ﴾ (لقمان: ۲۵) ''اگر آپؐ ان سے پوچھیں گے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو لازماً یہی کہیں گے کہ اللہ نے!'' ان لوگوں کے اسی عقیدے کی بنیاد پر یہاں یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ تمہارے یہ خود ساختہ معبود' جو کچھ بھی تخلیق کرنے کی قدرت نہیں رکھتے' کیا اُس اللہ کی مانند ہو سکتے ہیں جو اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق ہے؟ اور اگر تم تسلیم کرتے ہو کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو کیا پھر بھی تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے ہو؟

آیت ۱۸ ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو اُن کا احاطہ نہیں کر سکو گے۔''

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی گنتی تو کجا اس کی بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جن سے انسان فیض یاب تو ہو رہا ہے لیکن ان تک انسان کے علم اور شعور کی ابھی پہنچ ہی نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑱﴾ ''یقیناً اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ⑲﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔''

آیت ۲۰ ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ⑳﴾ ''اور جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ کچھ پیدا نہیں کرتے' بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔''

انبیاء و رسلؑ ہوں' ملائکہ ہوں یا اولیاء اللہ' سب مخلوق ہیں' خالق صرف اللہ کی ذات ہے۔

آیت ۲۱ ﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ㉑﴾ ''مُردہ ہیں' زندہ نہیں ہیں۔ اور وہ

نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔‘‘

جن اولیاء اللہ کے ناموں پر انہوں نے بت بنا رکھے ہیں وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں‘ وہ فوت ہو چکے ہیں اور انہیں کچھ معلوم نہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی اور کب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

آیت ۲۲ ﴿اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾ ’’تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔‘‘

﴿فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ㉒﴾ ’’تو وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔‘‘

اس نکتے کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں آخرت کا یقین نہیں ہے وہ حق بات کو قبول کرنے سے کیوں جھجکتے ہیں اور ان کے اندر استکبار کیوں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کا فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص فطرتِ سلیمہ کا مالک ہے اس کے اندر اچھائی اور برائی کی تمیز موجود ہوتی ہے۔ اس کا دل اس حقیقت کا قائل ہوتا ہے کہ اچھائی کا اچھا بدلہ ملنا چاہیے اور برائی کا برا ع ’’گندم از گندم بروید‘ جو زِ جو!‘‘

یہی فلسفہ یا تصور منطقی طور پر ایمان بالآخرت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مگر دنیا میں جب پوری طرح نیکی کی جزا اور برائی کی سزا ملتی ہوئی نظر نہیں آتی تو ایک صاحبِ شعور انسان لازماً سوچتا ہے کہ اعمال اور اس کے نتائج کے اعتبار سے دنیوی زندگی ادھوری ہے اور اس دنیا میں انصاف کی فراہمی کما حقہ ممکن ہی نہیں۔ مثلاً اگر ایک ستّر سالہ بوڑھا ایک نوجوان کو قتل کر دے تو اس دنیا کا قانون اسے کیا سزا دے گا؟ ویسے تو یہاں انصاف تک پہنچنے کے لیے بہت سے کٹھن مراحل طے کرنے پڑتے ہیں‘ لیکن اگر یہ تمام مراحل طے کر کے انصاف مل بھی جائے تو قانون زیادہ سے زیادہ اس بوڑھے کو پھانسی پر لٹکا دے گا۔ لیکن کیا اس بوڑھے کی جان واقعی اس نوجوان مقتول کی جان کے برابر ہے؟ نہیں‘ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ نوجوان تو اپنے خاندان کا واحد سہارا تھا‘ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہوئے‘ ایک نوجوان عورت بیوہ ہوئی‘ خاندان کا معاشی سہارا چھن گیا۔ اس طرح اس کے لواحقین اور خاندان کے لیے اس قتل کے اثرات کتنے گھمبیر ہوں گے اور کہاں کہاں تک پہنچیں گے‘ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ دوسری طرف وہ بوڑھا شخص جو اپنی طبعی عمر گزار چکا تھا‘ جس کے بچے خود مختار زندگیاں گزار رہے ہیں‘ جس کی کوئی معاشی ذمہ داری بھی نہیں ہے‘ اس کے پھانسی پر چڑھ جانے سے اس کے پس ماندگان پر ویسے اثرات مرتب نہیں ہوں گے جیسے اس نوجوان کی جان جانے سے اس کے پس ماندگان پر ہوئے تھے۔ ایسی صورت میں دنیا کا کوئی قانون مظلوم کو پورا پورا بدلہ دے ہی نہیں سکتا۔ ایسی مثالیں عقلی اور منطقی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ یہ دُنیا نامکمل ہے۔ اس دنیا کے معاملات اور افعال کا ادھورا پن ایک دوسری دنیا کا تقاضا کرتا ہے جس میں اس دنیا کے تشنہ تکمیل رہ جانے والے معاملات پورے انصاف کے ساتھ اپنے اپنے منطقی انجام کو پہنچیں۔ اب ایک ایسا شخص جو فطرتِ سلیمہ کا مالک ہے‘ اس کے شعور میں نیکی اور بدی کا ایک واضح اور غیر مبہم تصور موجود ہے‘ وہ لازمی طور پر آخرت کے بارے میں مذکورہ منطقی نتیجے پر پہنچے گا اور پھر وہ قرآن کے تصورِ آخرت کو قبول کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کرے گا‘ مگر اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جس کے شعور میں نیکی اور بدی کا واضح تصور موجود نہیں‘ وہ قرآن کے تصورِ آخرت پر بھی دل سے یقین نہیں رکھتا اور فکرِ آخرت سے بے نیاز ہو کر غرور اور تکبر

میں بھی مبتلا ہو چکا ہے' اُس کا دل پیغامِ حق کو قبول کرنے سے بھی منکر ہو گا۔ ایسے شخص کے سامنے حکیمانہ درس اور عالمانہ وعظ سب بے اثر ثابت ہوں گے۔

آیت ۲۳ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ﴾ ''کوئی شک نہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔''

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝۲۳﴾ ''یقیناً وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیات ۲۴ تا ۳۲

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۴ لِيَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۲۵ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْىَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۷ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىْۤ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰۤى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۲۹ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۲ ع

آیت ۲۴ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ﴾ ''اور جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟''

نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا چرچا جب مکہ کے اطراف و اکناف میں ہونے لگا تو لوگ اہلِ مکہ سے پوچھتے کہ محمد (ﷺ) جو کہہ رہے ہیں کہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے' تم لوگوں نے تو یہ کلام سنا ہے' چنانچہ تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس کے مضامین کیا ہیں؟

﴿قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۴﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔''

کہ یہ کلام تو بس پرانے قصے کہانیوں پر مشتمل ہے۔ یہ سب گزشتہ قوموں کے واقعات ہیں جو اِدھر اُدھر

سے سن کر ہمیں سنا دیتے ہیں اور پھر ہم پر دھونس جماتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

آیت ۲۵ ﴿لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''تا کہ یہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن''

یوں ان کے دل حق کی طرف مائل نہیں ہو رہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ روز قیامت وہ اپنی اس گمراہی اور سرکشی کے وبال میں گرفتار ہوں گے۔

﴿وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ''اور کچھ اُن لوگوں کے بوجھ بھی جنہیں یہ گمراہ کر رہے ہیں لاعلمی میں۔''

یعنی قیامت کے دن وہ نہ صرف اپنی گمراہی کا خمیازہ بھگتیں گے' بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کی گمراہی کا وبال بھی ان پر ڈالا جائے گا جنہیں اپنے نام نہاد' دانشورانہ مشوروں سے انہوں نے گمراہ کیا ہوگا۔ جیسے قرب و جوار کے لوگ جب اہل مکہ سے اس کلام کے بارے میں پوچھتے تھے یا مکہ کے عام لوگ قرآن سے متاثر ہو کر اپنے سرداروں سے پوچھتے تھے کہ اُن کی اس کلام کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ایسی صورت میں یہ لوگ اپنے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے تھے کہ ہاں ہم نے بھی یہ کلام سنا ہے' اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے' بس سنی سنائی باتیں ہیں اور پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

﴿اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾﴾ ''آگاہ رہو! بہت بُرا ہوگا جو بوجھ وہ اٹھائے ہوں گے۔''

آیت ۲۶ ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''(اسی طرح کی) چالیں چلی تھیں انہوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے''

ان سے پہلے بھی مختلف اقوام کے لوگوں نے ہمارے انبیاء ورسل کی مخالفت کی تھی اور ان کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے آزمائے تھے اور سازشیں کی تھیں۔

﴿فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ ''تو اللہ حملہ آور ہوا ان کے قلعوں پر بنیادوں سے' پھر گر پڑیں ان پر چھتیں ان کے اوپر سے''

جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آیا تو مخالفین کی تمام سازشوں کو جڑوں سے اُکھاڑ پھینکا گیا اور ان کی بستیوں کو تلپٹ کر دیا گیا۔ سدوم اور عامورہ کی بستیوں کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ (ہود: ۸۲) ''پھر جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے کر دیا اس کے اوپر والے حصے کو اس کا نیچے والا''۔ یعنی اس کو تہ و بالا کر دیا۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کے اندر تو صرف انہی چند اقوام کا ذکر آیا ہے جن سے اہلِ عرب واقف تھے' ورنہ رسول تو ہر علاقے اور ہر قوم میں آتے رہے ہیں' از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾﴾ (الرعد) ''اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہے۔''

خود ہندوستان کے علاقے میں بھی بہت سے انبیاء و رسلؑ کے مبعوث ہونے کے آثار ملتے ہیں۔ ہریانہ' ضلع حصار' جس علاقے میں میرا بچپن گزرا' وہاں مختلف مقامات پر سیاہ رنگ کی راکھ کے بڑے بڑے ٹیلے موجود

تھے' جن کی کھدائی کے دوران بستیوں کے آثار ملتے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ اپنے زمانے کی پُر رونق بستیاں تھیں' اُن کے باشندوں نے اپنے رسولوںؑ کی نافرمانیاں کیں اور انہیں عذابِ خداوندی نے جلا کر بھسم کر ڈالا' جس طرح پومپیائی پر لاوے کی بارش ہوئی اور پوری بستی جلتے ہوئے لاوے کے اندر دب گئی۔ اس علاقے میں دریائے سرسوتی بہتا تھا جو ہندوستان کا ایک بہت بڑا دریا تھا اور اسے مقدس مانا جاتا تھا (دریائے گنگا بہت بعد کے زمانے میں وجود میں آیا۔) آج دریائے سرسوتی کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ کہاں کہاں سے گزرتا تھا اور ماہرینِ آثارِ قدیمہ اس کی گزرگاہ تلاش کر رہے ہیں۔ یہ سب آثار بتاتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر مختلف زمانوں میں انبیاء و رسلؑ آئے اور ان کی نافرمانیوں کے سبب اُن کی قومیں اللہ کے عذاب کا شکار ہوئیں۔ ان آثار کی شہادتوں کے علاوہ کچھ ایسے مکاشفات بھی ہیں کہ مشرقی پنجاب کے جس علاقے میں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن ہے اس علاقے میں تیس انبیاء مدفون ہیں۔ واللہ اعلم!

﴿وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۲۶﴾ ''اور اُن پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا۔''

آیت ۲۷ ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ﴾ ''پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کی حمیت میں تم جھگڑتے تھے؟''

قیامت کے دن انہیں مزید رسوا کرنے کے لیے ان سے پوچھا جائے گا کہ آج تمہارے وہ من گھڑت معبود کہاں ہیں جن کی حمایت اور حمیت کی وجہ سے تم بڑی بڑی جنگیں لڑنے پر تیار ہو جاتے تھے؟

﴿قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ۝۲۷﴾ ''کہیں گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ یقیناً آج کے دن رسوائی اور بدبختی کافروں ہی کے لیے ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠﴾ ''جن (کی روحوں) کو قبض کرتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے''

ایسے لوگ جنہیں اپنی زندگی میں اللہ یاد ہے نہ آخرت' نیکی کی رغبت ہے نہ برائی سے نفرت' بس اپنی عیش کوشی اور نفس پرستی میں مگن ہیں۔ اسی حالت میں جب فرشتے ان کے پاس پروانۂ موت لے کر آدھمکیں گے:

﴿فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ﴾ ''تو (اُس وقت) وہ اطاعت پیش کریں گے کہ ہم تو کوئی بُرے کام نہیں کر رہے تھے۔''

﴿بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۲۸﴾ ''(تو فرشتے کہیں گے) کیوں نہیں' اللہ خوب جانتا ہے اسے جو کچھ تم کر رہے تھے۔''

موت کے فرشتوں کے سامنے وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے اسلام اور اطاعت کا اظہار کریں گے اور

اس طرح ان کے سامنے بھی جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے۔

آیت ۲۹ ﴿فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ﴾ ''اب تم داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں' اسی میں ہمیشہ ہمیش رہنے کے لیے۔''

﴿فَلَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے متکبرین کا!''

آیت ۳۰ ﴿وَقِیۡلَ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّکُمۡ ؕ﴾ ''اور (جب) پوچھا جاتا ہے اہلِ تقویٰ سے کہ یہ کیا نازل کیا ہے تمہارے رب نے؟''

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں' جن کے دلوں میں اخلاقی حس بیدار اور جن کی روحیں زندہ ہیں' جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کلام آپ لوگوں کو سناتے ہیں وہ کیا ہے؟

﴿قَالُوۡا خَیۡرًا ؕ﴾ ''وہ کہتے ہیں بھلائی۔''

یعنی یہ کلام خیر ہی خیر ہے اور ہماری ہی بھلائی کے لیے نازل ہوا ہے۔

﴿لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ ؕ وَلَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۰﴾﴾

''جن لوگوں نے نیکی کی روش اختیار کی ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے' اور آخرت کا گھر تو کہیں بہتر ہے۔ اور کیا ہی اچھا ہے وہ گھر متقیوں کا!''

آیت ۳۱ ﴿جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ لَهُمۡ فِیۡهَا مَا یَشَآءُوۡنَ ؕ﴾ ''باغات ہمیشہ رہنے والے جن میں وہ داخل ہوں گے' ان کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی' ان کے لیے وہاں ہر وہ شے ہو گی جو وہ چاہیں گے۔''

﴿کَذٰلِکَ یَجۡزِی اللّٰهُ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''اسی طرح اللہ بدلہ دے گا اپنے متقی بندوں کو۔''

آیت ۳۲ ﴿الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیۡنَ ۙ﴾ ''ان (کی روحوں) کو فرشتے قبض کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ پاک ہوتے ہیں''

جن کی روحیں پاکیزہ اور جن کی زندگیاں تقویٰ کی آئینہ دار ہوتی ہیں' جب اُن کے پاس موت کے فرشتے آتے ہیں تو:

﴿یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّةَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''کہتے ہیں سلام ہو آپ پر' داخل ہو جایئے جنت میں اپنے اعمال کے بدلے میں۔''

آیات ۳۳ تا ۴۰

هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَهُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ اَوۡ یَاۡتِیَ اَمۡرُ رَبِّکَ ؕ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیۡنَ مِنۡ

قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ ع ۴ ۹ ۱۰
دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَي الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۳۵ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ
الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي
هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۳۷ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ
اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ ۙ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝۳۹
اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۰ ع ۵ ۶ ۱۱

آیت ۳۳ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ﴾ ’’اب یہ لوگ کس شے کے منتظر ہیں سوائے اس کے کہ آدھمکیں ان پر فرشتے یا آ جائے فیصلہ آپؐ کے رب کا!‘‘

گزشتہ بارہ برس سے رسول اللہ ﷺ قریش مکہ کو دعوت دے رہے ہیں‘ دو تہائی کے قریب قرآن بھی اب تک نازل ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو اب مزید کس چیز کا انتظار ہے؟ اب تو بس یہی مرحلہ باقی رہ گیا ہے کہ فرشتے اللہ کا فیصلہ لے کر پہنچ جائیں اور وہ نقشہ سامنے آ جائے جس کی جھلک سورۃ الفجر میں اس طرح دکھائی گئی ہے: ﴿وَّجَاۗءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲ وَجِايْۗءَ يَوْمَىِٕذٍۢ بِجَهَنَّمَ ڏ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝۲۳﴾ ’’اور آئے گا آپؐ کا رب اور فرشتے صف بہ صف۔ اور لائی جائے گی اُس دن جہنم‘ اُس دن ہوش آئے گا انسان کو‘ مگر کیا فائدہ ہو گا تب اسے اس ہوش کا!‘‘

﴿كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳﴾ ’’یہی روش اختیار کی تھی انہوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا‘ بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔‘‘

جن گزشتہ اقوام کے عبرت ناک انجام کے بارے میں تفصیلات قرآن میں بتائی جا رہی ہیں انہیں ان کے اپنے کرتوتوں کی سزا ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قطعاً ظلم نہیں ہوا تھا۔

آیت ۳۴ ﴿فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴﴾ ’’پھر ان پر واقع ہو کر رہیں وہ برائیاں جو وہ کرتے تھے اور گھیر لیا ان کو اسی نے جس کا وہ استہزا کرتے تھے۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا﴾

’’اور کہتے ہیں یہ مشرک لوگ کہ اگر اللہ چاہتا تو اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کرتے‘ نہ ہم اور نہ ہمارے آباء واَجداد‘‘
ان کی دلیل یہ تھی کہ اس دنیا میں تو جو اللہ چاہتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے‘ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ اگر وہ چاہتا کہ ہم کوئی دوسرے معبود نہ بنائیں اور ان کی پرستش نہ کریں‘ تو کیسے ممکن تھا کہ ہم ایسا کر پاتے؟ چنانچہ اگر اللہ نے ہمیں اس سے روکا نہیں ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس میں اس کی مرضی شامل ہے اور اس کی طرف سے ہمیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ﴾ ’’اور نہ حرام قرار دیتے ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی بھی چیز کو۔ اسی طرح کیا تھا اُن لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے۔‘‘

﴿فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾﴾ ’’پس نہیں ہے رسولوں پر کچھ ذمہ داری سوائے واضح طور پر پہنچا دینے کے۔‘‘

ہمارے رسولؑ اس قسم کی کٹ حجتی اور کج بحثی میں نہیں الجھتے۔ ان کی ذمہ داری ہمارا پیغام واضح طور پر پہنچا دینے کی حد تک ہے اور یہ ذمہ داری ہمارے رسولؑ ہمیشہ سے پوری کرتے آئے ہیں۔ پیغام پہنچ جانے کے بعد اسے تسلیم کرنا یا نہ کرنا متعلقہ قوم کا کام ہے‘ جس کے لیے ان کا ایک ایک فرد ہمارے سامنے جوابدہ ہے۔

آیت ۳۶ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾ ’’اور ہم نے تو ہر اُمت میں ایک رسولؑ بھیجا (اس پیغام کے ساتھ) کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو!‘‘

طاغوت کا لفظ ’طغٰی‘ سے مشتق ہے جس کے معنی سرکشی کے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی اللہ کی بندگی اور اطاعت سے سرکشی اور سرتابی کر رہا ہو‘ وہ طاغوت ہے‘ چاہے وہ انسان ہو یا جن‘ کسی ریاست کا کوئی ادارہ ہو‘ آئین ہو یا خود ریاست ہو۔ بہرحال جو بھی اللہ کی اطاعت سے سرتابی کر کے اس کی بندگی سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا‘ وہ گویا اللہ کے مقابلے میں حاکمیت کا دعویدار ہوگا اور اسی لیے طاغوت کے زمرے میں شمار ہوگا۔ طاغوت سے کنارہ کشی کا حکم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ میں اس طرح آیا ہے: ﴿فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ﴾ ’’جس کسی نے کفر کیا طاغوت سے اور ایمان لایا اللہ پر تو یقیناً اس نے تھام لیا ایک مضبوط حلقہ جس کو ٹوٹنا نہیں ہے۔‘‘

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَی اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ﴾ ’’تو اُن میں کچھ ایسے بھی تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دے دی‘ اور کچھ وہ بھی تھے جن پر مسلط ہوگئی گمراہی۔‘‘

﴿فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ’’تو تم گھومو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا!‘‘

تم اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ اصحابِ حجر کی بستیوں سے بھی گزرتے ہو‘ تم نے قومِ ثمود کے محلات کے کھنڈرات بھی دیکھے ہیں۔ تم قومِ مدین کے انجام سے بھی واقف ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ سدوم اور عامورہ کی بستیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا۔ یہ تمام تاریخی حقائق تمہارے علم میں ہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ان سب کو

کس جرم کی سزا بھگتنا پڑی تھی۔

آیت ۳۷ ﴿اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰىهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝۳۷﴾

’’(اے نبی ﷺ!) اگر آپ کو بہت خواہش ہے ان کی ہدایت کی تو یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا اُسے جس کو وہ گمراہ کر دیتا ہے‘ اور ان کے لیے نہیں ہوں گے کوئی مددگار۔‘‘

اس سلسلے میں اللہ کا قانون اٹل ہے۔ اللہ کی طرف سے لوگوں تک حق کی دعوت پہنچانے کا پورا بندوبست کیا جاتا ہے‘ ان پر ہدایت منکشف کی جاتی ہے اور بار بار انہیں موقع دیا جاتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر آ جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص حق کو واضح طور پر پہچان لینے کے بعد ہر بار اسے رد کر دے تو اس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ پھر وہ حق کو پہچاننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی گمراہی پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں ہی کے متعلق سورۃ البقرۃ کی آیت ۷ میں فرمایا گیا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ‌ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ‌ ﴾ ’’اللہ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر‘ اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑ چکا) ہے‘‘۔ چنانچہ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں آیت زیر نظر میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ کی شدید خواہش ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر راہِ ہدایت پر آ جائیں‘ مگر چونکہ یہ حق کو اچھی طرح پہچان لینے کے بعد اس سے روگردانی کر چکے ہیں اس لیے ان کی گمراہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے‘ اور اللہ کا اٹل قانون ہے کہ وہ ایسے گمراہوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سورۃ القصص کی آیت ۵۶ میں اسی اصول کو واضح تر انداز میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔‘‘

آیت ۳۸ ﴿وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ‌ ۙ لَا يَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ يَّمُوۡتُ‌ ؕ﴾ ’’اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں‘ اپنی پکی قسمیں کہ اللہ ہرگز نہیں اٹھائے گا اُس کو جو مر جائے گا۔‘‘

مشرکینِ مکہ اگرچہ عمومی طور پر مرنے کے بعد دوسری زندگی کے قائل تھے مگر ان کا اس سلسلہ میں عقیدہ یہ تھا کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے ان کے سفارشی ہوں گے اور اس طرح روزِ حشر کی تمام سختیوں سے وہ انہیں بچا لیں گے۔ لیکن ان کے ہاں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو بعث بعد الموت کا منکر تھا۔ ان لوگوں کے اس عقیدہ کا تذکرہ قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔ سورۃ الانعام میں ان لوگوں کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے: ﴿وَقَالُوۡۤا اِنۡ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ ۝۲۹﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ ہماری زندگی مگر صرف دنیا کی اور ہم (دوبارہ) اٹھائے نہیں جائیں گے۔‘‘

﴿بَلٰى وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۸﴾ ’’کیوں نہیں‘ یہ وعدہ ہے اُس کے ذمہ سچا (کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے) لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔‘‘

آیت ۳۹ ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىۡ يَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰذِبِيۡنَ ۝۳۹﴾

’’تاکہ وہ واضح کر دے اُن پر وہ تمام چیزیں جن میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ کفار

جان لیں کہ وہی جھوٹے تھے۔''

اللہ تعالیٰ پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کو دوبارہ اٹھائے گا اور انہیں ایک جگہ جمع کرے گا۔ پھر ان کے تمام اختلافی نظریات وعقائد کے بارے میں حتمی طور پر انہیں بتا دیا جائے گا۔ چنانچہ اس وقت تمام منکرینِ حق کو اقرار کیے بغیر چارہ نہ رہے گا کہ ان کے خیالات ونظریات واقعی جھوٹ اور باطل پر مبنی تھے۔

آیت ۴۰ ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴿۴۰﴾﴾ ''ہمارا قول تو کسی چیز کے بارے میں بس یہ ہوتا ہے، جب ہم اس کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم فرماتے ہیں اُسے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ حکم عالمِ امر کے بارے میں ہے، جبکہ عالمِ خلق میں یوں نہیں ہوتا (عالمِ امر اور عالمِ خلق کے بارے میں وضاحت اس سورۃ کی آیت ۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ کے ضمن میں گزر چکی ہے)۔ عالمِ امر میں کسی واقعے یا کسی چیز کے ظہور پذیر ہونے کے لیے اسباب، وسائل اور وقت درکار نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرما کر کن فرماتے ہیں تو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ عالمِ خلق میں بھی کلی اختیار تو اللہ ہی کا ہے مگر اس عالم کو عام طبعی قوانین کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ چنانچہ عالمِ خلق میں کسی چیز کو وجود میں آنے اور مطلوبہ معیار تک پہنچنے کے لیے اسباب، وسائل اور وقت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ کائنات اپنے تمام طبعی موجودات کے ساتھ عالمِ خلق کا اظہار ہے۔ آیت زیر نظر کے موضوع کی مناسبت سے یہاں میں کائنات کی تخلیق کے آغاز سے متعلق اپنی سوچ اور فکر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

کائنات کی تخلیق کے بارے میں ایک طرف تو پرانے فلسفیانہ تصورات ہیں اور دوسری طرف جدید سائنسی نظریات (theories)۔ فلسفیانہ تصورات کے مطابق سب سے پہلے وجودِ باری تعالیٰ سے عقلِ اوّل وجود میں آئی۔ عقلِ اوّل سے پھر فلکِ اوّل اور پھر فلکِ اوّل سے فلکِ ثانی وغیرہ۔ یہ مشّائین کے فلسفے ہیں جو ارسطو اور اس کے شاگردوں کے نظریات کے ساتھ دنیا میں پھیلے اور ہمارے ہاں بھی بہت سے متکلمین ان سے متاثر ہوئے۔ بہر حال جدید سائنسی انکشافات کے ذریعے ان میں سے کسی بھی نظریے کی کہیں کوئی تائید وتصدیق نہیں ہوئی۔

دوسری طرف جدید فزکس کے میدان میں اعلیٰ علمی سطح پر اس سلسلے میں جتنے بھی نظریات (theories) ہیں اُن میں ''عظیم دھماکے'' (Big Bang) کا تصور پایا جاتا ہے۔ اس تصور کے تحت Big Bang کے نتیجے میں ارب ہا ارب درجۂ حرارت کے حامل بے شمار ذرات وجود میں آئے۔ یہ ذرات تیزی سے حرکت کرتے ہوئے مختلف forms میں اکٹھے ہوئے تو کہکشائیں (galaxies) وجود میں آئیں اور چھوٹے بڑے بے شمار ستاروں کا ایک جہان آباد ہو گیا۔ انہی ستاروں میں ایک ہمارا سورج بھی تھا، جس کے اندر مزید ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اس کے سیارے (planets) وجود میں آئے۔ سورج کے ان سیاروں میں سے ایک سیارہ ہماری زمین ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ہوتی رہی اور بالآخر اس پر نباتاتی اور حیوانی زندگی کے لیے سازگار ماحول وجود میں آیا۔ آج کی سائنس فی الحال ''بگ بینگ'' سے آگے کوئی نظریہ قائم کرنے سے قاصر ہے۔ اس نظریے سے جو معلومات سائنس نے اخذ کی ہیں وہ ان تمام حقائق کے ساتھ مطابقت (corroboration) رکھتی ہیں جن کا علم

اس موضوع پر ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔ اس سے پہلے مادے کے بارے میں سائنس قانون بقائے مادہ (Law of conservation of mass) کی قائل تھی کہ مادہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا' مگر نئے نظریے کو اپنا کر سائنس نے نہ صرف بگ بینگ کو کائنات کا نقطہ آغاز تسلیم کر لیا ہے بلکہ یہ بھی مان لیا ہے کہ مادہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے اور ایک خاص وقت کے بعد ختم ہو جائے گا۔

جہاں تک کائنات کی تخلیق کے آغاز کے بارے میں میری اپنی سوچ کا تعلق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ایک امر ''کُن'' سے ہوئی (اللہ کے حکم سے' نہ کہ اس کی ذات سے)۔ پھر اس امر ''کن'' کا ظہور ایک خُنک نُور یا ٹھنڈی روشنی کی صورت میں ہوا (یہ خنک نور حرفِ کن کا ظہور تھا نہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا)۔ اس روشنی میں حرارت نہیں تھی' گویا یہ مادی روشنی (material light) کے وجود میں آنے سے پہلے کا دور تھا۔ آج جس روشنی کو ہم دیکھتے یا پہچانتے ہیں اس میں حرارت ہوتی ہے اور اسی حرارت کی وجہ سے یہ material light ہے۔

امرِ ''کُن'' سے ظہور پانے والے اس خنک نور سے پہلے مرحلے پر ملائکہ کی پیدائش ہوئی۔ جیسے کہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ ؓ سے حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور سے پیدا کیا۔ اسی نور سے انسانی ارواح پیدا کی گئیں' اور سب سے پہلے روحِ محمدی ﷺ پیدا کی گئی' جیسا کہ حدیث میں الفاظ آئے ہیں: ((اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ))(۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔ ''نُوْرِی'' اور ''رُوْحِی'' گویا دو مترادف الفاظ ہیں' کیونکہ روح کا تعلق بھی نور سے ہے۔ بہر حال یہ کائنات کی تخلیق کا مرحلہ اول ہے جس میں فرشتوں اور انسانی ارواح کی تخلیق ہوئی۔

اس کے بعد کسی مرحلے پر اس خنک نور میں کسی نوعیت کا زوردار دھماکہ (explosion) ہوا جس کو آج کی سائنس ''بگ بینگ'' کے نام سے پہچانتی ہے۔ اس دھماکے کے نتیجے میں حرارت کا وہ گولا وجود میں آیا' جو بہت چھوٹے چھوٹے ذرات پر مشتمل تھا۔ ان ذرات کا درجہ حرارت ناقابل تصور حد تک تھا۔ یہ گویا طبعی دنیا (Physical World) کا نقطہ آغاز تھا۔ اسی دور میں اس آگ کی لپٹ سے جِنّات پیدا کیے گئے اور انہی انتہائی گرم ذرات سے کہکشائیں' ستارے اور سیارے وجود میں آئے۔

ان سیاروں میں سے ایک سیارہ یا کُرّہ ہماری زمین ہے جو ابتدا میں انتہائی گرم تھی۔ اس کے ٹھنڈا ہونے پر اس کے اندر سے بخارات نکلے جو اس کے گرد ایک ہالے کی شکل میں جمع ہو گئے۔ ان بخارات سے پانی وجود میں آیا جو ہزارہا برس تک زمین پر بارش کی صورت میں برستا رہا۔ اس کے نتیجے میں تمام روئے زمین پر ہر طرف پانی ہی پانی پھیل گیا۔ اس وقت تک زمین پر پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہی وہ دور تھا جس کا ذکر قرآن میں بایں الفاظ کیا گیا ہے: ﴿وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (ھود:۷) ''کہ اُس کا عرش (اُس وقت) پانی پر تھا''۔ پھر زمین جب مزید ٹھنڈا ہونے پر سکڑی تو اس کی سطح پر نشیب و فراز نمودار ہوئے۔ کہیں پہاڑ وجود میں آئے تو کہیں سمندر۔ اس کے بعد نباتاتی اور حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ اس حیات کے ارتقاء کے بلند ترین مرحلے پر انسان کی

(۱) شرح المواقف للسیوطی: ۱۲

تخلیق ہوئی اور حضرت آدمؑ کی روح ان کے وجود کو سونپی گئی۔ حضرت آدمؑ کی تاجپوشی کا یہی واقعہ ہے جہاں سے قرآن آدمؑ کی تخلیق کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا اعلیٰ ترین شاہکار بھی ہے اور اس پوری کائنات کی تخلیق کا اصل مقصود و مطلوب بھی۔

یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیں کہ عالمِ خلق اور عالمِ امر بالکل الگ الگ نہیں ہیں۔ یعنی یوں نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں تک تو عالمِ خلق ہے اور یہاں سے آگے عالمِ امر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے' بلکہ یہ دونوں عالم ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط اور باہم گندھے ہوئے ہیں۔ مثلاً اس عالمِ خلق میں تمام انسانوں کی ارواح موجود ہیں' جن کا تعلق عالمِ امر سے ہے: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵) یہ آیت واضح کرتی ہے کہ روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کی ارواح کو فرشتوں کے طبقۂ اسفل میں شامل کر لیتے ہیں' چنانچہ یہ نیک ارواح ان فرشتوں کے ساتھ سرگرمِ عمل رہتی ہیں جو اللہ کے احکام کی تعمیل و تنفیذ میں مصروف ہیں۔ اسی طرح فرشتے جو کہ عالمِ امر کی مخلوق ہیں وہ بھی یہاں عالمِ خلق میں ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ دو دو فرشتے تو ہم میں سے ہر انسان کے ساتھ بطور نگران مقرر کیے گئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ)) (۱)

''اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کچھ لوگ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان کے اوپر سکینت نازل ہوتی ہے' اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے' فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین (ملأ اعلیٰ) میں ان کا ذکر کرتا ہے۔''

اس حدیث کی رو سے درسِ قرآن کی اس محفل میں یقیناً فرشتے موجود ہیں' وہ عالمِ امر کی شے ہیں' ہم نہ انہیں دیکھ سکتے ہیں نہ ان سے خطاب کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اہلِ ایمان جنّات بھی موجود ہوں اور قرآن سن رہے ہوں۔ چنانچہ ارواح' فرشتے اور وحی تینوں کا تعلق اگرچہ عالمِ امر سے ہے مگر ان کا عمل دخل عالمِ خلق میں بھی ہے۔ اس طرح عالمِ خلق اور عالمِ امر کو بالکل الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں میں مرزا عبدالقادر بیدلؔ کے ایک مشہور شعر کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو تخلیقِ کائنات اور تخلیقِ آدمؑ کے اس فلسفہ کو بہت خوبصورتی سے واضح کرتا ہے:

ہر دو عالم خاک شُد تا بست نقشِ آدمی　　　اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!

مرزا عبدالقادر بیدلؔ ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تھے۔ وہ عظیم فلسفی اور فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کا شمار دنیا کے چوٹی کے فلسفیوں میں ہوتا تھا۔ ان کی شاعرانہ عظمت کے سامنے مرزا غالب

(۱) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار' باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر۔

بھی پانی بھرتے اور ان کی طرز کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے نظر آتے ہیں: ؎

طرزِ بیدؔل میں ریختہ لکھنا　　اسدؔ اللہ خاں قیامت ہے!

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہاں مرزا بیدؔل کے مندرجہ بالا شعر کی وضاحت ضروری ہے۔ اس شعر میں وہ فرماتے ہیں ''ہر دو عالم خاک شد'' یعنی دونوں عالم خاک ہو گئے۔ شاعر کے اپنے ذہن میں اس کی وضاحت کیا تھی اس کے بارے میں شاعر خود جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ ـــــ لیکن میں اس سے یہ نکتہ سمجھا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ امر کو تنزل کے مختلف مراحل سے گزار کر عالم خلق کی شکل دی۔ پھر اس کے مزید تنزلات کے نتیجے میں زمین (مٹی) پیدا کی گئی۔ گویا دونوں جہانوں نے خاک کی صورت اختیار کر لی' تب جا کر کہیں حیات ارضی کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر اس سلسلے میں ارتقا کا وہ بلند ترین مرحلہ آیا: ''تا بست نقشِ آدمی!'' جب آدمی کا نقش بننا شروع ہوا۔

دوسرے مصرعے میں (اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!) ''نیست'' کے فلسفے کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ''وحدت الوجود'' کے فلسفے کے مطابق حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے' باقی جو کچھ بھی ہمیں نظر آتا ہے اس میں سے کسی چیز کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ گویا اللہ کے علاوہ اس کائنات کی ہر چیز ''نیست'' ہے ''ہست'' نہیں ہے:

كُلُّ مَا فِي الْكَوْنِ وَهْمٌ أَوْ خَيَالٌ　　أَوْ عُكُوسٌ فِي الْمَرَايَا أَوْ ظِلَال

یعنی اللہ کے وجود کے علاوہ جو وجود بھی نظر آتے ہیں وہ وہم ہیں یا خیالی تصویریں ہیں۔ اس طرح یہ تمام عالم گویا ''نیست'' ہے اور اس عالم نیست کی ''بہار'' انسان ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (ص: ۷۵) کہ میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اللہ کا ایک ہاتھ گویا عالم امر اور دوسرا ہاتھ عالم خلق ہے۔ اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کے عمل تخلیق کا کلائمکس' مسجودِ ملائک اور خلیفۃ اللہ ہے۔ چنانچہ مرزا بیدؔل فرماتے ہیں (اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہوشیار باش!) کہ اے انسان! اے اس عالم نیستی کی بہار! ذرا اپنے مقام و مرتبہ کو پہچانو! تمہیں وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دو عالم کو نہ جانے تنزلات کی کن کن منازل سے نیچے اُتار کر خاک کیا' تب کہیں جا کر تمہارا نقش بنا۔

آیات ۴۱ تا ۵۰

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ
الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ
وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾
اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي
تَخَــوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا

ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ﴿۴۹﴾ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ
وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴿۵۰﴾ ۶ ع

آیت ۴۱ ﴿وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ﴾ ”اور جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی‘ اس کے بعد کہ اُن پر ظلم کیا گیا‘ ہم انہیں دُنیا میں بھی ضرور اچھی جگہ دیں گے۔“

﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴿۴۱﴾﴾ ”اور (اُن کے لیے) آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش کہ اُن کو معلوم ہوتا۔“

آیت ۴۲ ﴿الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴿۴۲﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکّل کرنے والے ہیں۔“

آیت ۴۳ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں ہی کو (رسول بنا کر) جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے“

یعنی آپ ﷺ پہلے نبی یا رسول نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں۔ وہ سب کے سب آدمی ہی تھے اور ان کی طرف ہم اسی طرح وحی بھیجتے تھے جس طرح آج آپؐ کی طرف وحی آتی ہے۔

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۴۳﴾﴾ ”تو تم لوگ اہلِ ذکر سے پوچھ لو‘ اگر تم خود نہیں جانتے ہو۔“

یعنی اے اہلِ مکہ! اگر تم لوگوں کو اس بارے میں کچھ شک ہے تو تمہارے پڑوس مدینہ میں وہ لوگ آباد ہیں جو سلسلۂ وحی و رسالت سے خوب واقف ہیں‘ اُن سے پوچھ لو کہ اب تک جو انبیاء و رسل علیہم السلام اس دنیا میں آئے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے یا فرشتے؟

آیت ۴۴ ﴿بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ﴾ ”(ہم نے انہیں بھیجا) کھلی نشانیوں اور کتابوں کے ساتھ۔“

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴿۴۴﴾﴾ ”اور ہم نے نازل کیا آپؐ کی طرف الذکر‘ تاکہ آپؐ واضح کر دیں لوگوں کے لیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اُن کی جانب اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“

یہاں قرآن کے لیے پھر لفظ ”الذکر“ استعمال ہوا ہے‘ یعنی یہ قرآن ایک طرح کی یاد دہانی ہے۔ یہ آیت منکرین سنت و حدیث کے خلاف ایک واضح دلیل فراہم کرتی ہے۔ اس کی رُو سے قرآن کی ”تبیین“ رسولؐ کا فرضِ منصبی ہے۔ قرآن کے اَسرار و رموز کو سمجھانا‘ اس میں اگر کوئی نکتہ مجمل ہے تو اس کی تفصیل بیان کرنا‘ اگر کوئی حکم مبہم ہے تو اس کی وضاحت کرنا رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی تھا۔ یہ فرض اس آیت کی رو سے خود اللہ تعالیٰ نے

آپ ﷺ کو تفویض کیا ہے‘ مگر منکرینِ سُنّت آج آپ ﷺ کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ان کی رائے کے مطابق یہ اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کے رسولؐ نے ہم تک پہنچا دی ہے‘ اب ہم خود اس کو پڑھیں گے‘ خود سمجھیں گے اور خود ہی عمل کی جہتیں متعیّن کریں گے۔ حضور ﷺ کے سمجھانے کی اگر کچھ ضرورت تھی بھی تو وہ اپنے زمانے کی حد تک تھی۔ فیا للعجب!

آیت ۴۵ ﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ﴾ ’’تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے بُری چالیں چلیں اس بات سے کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے‘‘

یہ لوگ ہمارے رسولؐ کے خلاف سازشوں کے جال بُننے میں مگن ہیں اور حق کی دعوت کا راستہ روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا یہ ڈرتے نہیں کہ اگر اللہ چاہے تو انہیں اس جرم کی پاداش میں زمین میں دھنسا دے؟

﴿اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۴۵﴾ ’’یا (انہیں یہ خوف بھی نہیں رہا کہ) اُن پر آ دھمکے کوئی عذاب جہاں سے انہیں گمان تک نہ ہو۔‘‘

آیت ۴۶ ﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۴۶﴾ ’’یا وہ انہیں پکڑ لے ان کی چلت پھرت میں‘ پھر وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔‘‘

یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روزمرہ زندگی میں‘ معمول کی سرگرمیوں کے دوران ہی ان کی پکڑ کا حکم آ جائے اور پھر اللہ کے اس حکم کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

آیت ۴۷ ﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۴۷﴾ ’’یا انہیں پکڑے خوف دلا کر۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا ربّ بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم والا ہے۔‘‘

اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو اچانک بھی پکڑ سکتا ہے‘ مگر چونکہ وہ بہت شفیق اور نہایت رحم فرمانے والا ہے‘ اس لیے اس کا عذاب یونہی بے خبری میں نہیں آتا بلکہ متعلقہ قوم کو پہلے پوری طرح آگاہ کیا جاتا ہے‘ ان پر اتمامِ حجت کے تمام تقاضے پورے کیے جاتے ہیں‘ تب کہیں جا کر عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جیسے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵﴾ ’’اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسولؐ نہ بھیجیں‘‘۔ یعنی ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے رسولؐ بھیجا گیا‘ جس نے اُن پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا خوب اچھی طرح واضح کر دیا‘ یہاں تک کہ متعلقہ قوم پر حجت تمام ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اور ظلم پر اڑے رہے‘ اُن پر گرفت کی گئی اور عذاب کے ذریعے انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔

آیت ۴۸ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاۗىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝۴۸﴾ ’’کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہر شے کی طرف‘ کہ جھکتے ہیں اس کے سائے دائیں اور بائیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے اور وہ سب عاجزی (کی کیفیت) میں ہوتے ہیں۔‘‘

اس آیت میں ہمارے اردگرد کی اشیاء سے پیدا ہونے والے ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے جسے دیکھتے ہوئے ہم اللہ کی کبریائی کا ایک نقشہ اپنے تصور میں لا سکتے ہیں۔ جب سورج نکلتا ہے تو تمام چیزوں کے سائے زمین پر بچھے ہوئے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پھر سورج کے بلند ہونے کے ساتھ ہی ساتھ یہ سائے سمٹتے چلے جاتے ہیں۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ دوسری سمت میں پھیلتے ہوئے یہ سایے پھر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۴۹﴾ ''اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں اور فرشتے بھی' اور وہ تکبر سے کام نہیں لیتے۔''

آیت ۵۰ ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۵۰﴾ ''وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے اوپر اپنے ربّ سے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

یہ خصوصی طور پر فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ جیسے سورۃ التحریم میں فرمایا گیا: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶﴾ ''وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم وہ انہیں دیتا ہے اور وہی کرتے ہیں جو حکم انہیں دیا جاتا ہے۔''

آیات ۵۱ تا ۶۰

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَلَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ
ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ
نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ
وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝
يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا
سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ع ۱۴

آیت ۵۱ ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۵۱﴾ ''اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو معبود مت بناؤ' یقیناً وہ تو ایک ہی معبود ہے' پس تم مجھ ہی سے ڈرو۔''

آیت ۵۲ ﴿وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝۵۲﴾ ’’اور اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اُسی کے لیے اطاعت ہے ہمیشہ ہمیش‘ تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کا تقویٰ اختیار کرتے ہو؟‘‘

آیت ۵۳ ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔــرُوْنَ ۝۵۳﴾ ’’اور جو نعمت بھی تمہیں میسر ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے‘ پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے سامنے تم فریاد کرتے ہو۔‘‘

تکلیف کی کیفیت میں تم اللہ کو ہی یاد کرتے ہو‘اسی کی جناب میں گڑگڑاتے‘ آہ وزاری کرتے اور دعائیں مانگتے ہو۔ اس حالت میں تمہیں کوئی دوسرا معبود یاد نہیں آتا۔

آیت ۵۴ ﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۵۴﴾ ’’پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو جبھی تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنا شروع کر دیتا ہے۔‘‘

آیت ۵۵ ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۵۵﴾ ’’تاکہ ناشکری کریں ان (نعمتوں) کی جو ہم نے ان کو دی ہیں۔ تو چند روزہ مزے اڑا لو‘ پس عنقریب تم جان لو گے۔‘‘

کچھ دنوں کی بات ہے دنیا میں تم لوگ مزے اڑا لو۔ بہت جلد اصل حقیقت کھل کر تمہارے سامنے آ جائے گی۔

آیت ۵۶ ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ﴾ ’’اور وہ بنا دیتے ہیں ان کے لیے جن کے بارے میں انہیں کوئی علم ہی نہیں‘ ایک حصہ اس میں سے جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کردہ رزق میں سے وہ لوگ اللہ کے ان شریکوں کے لیے بھی حصے نکالتے تھے جن کے بارے میں کوئی علمی سند یا واضح دلیل بھی ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۶ میں بھی آ چکا ہے کہ وہ لوگ اپنی کھیتیوں کی پیداوار اور جانوروں میں سے جہاں اللہ کے لیے حصہ نکالتے تھے وہاں اپنے جھوٹے معبودوں کے حصے کے لیے بھی خاص اہتمام کرتے تھے۔

﴿تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۶﴾ ’’اللہ کی قسم! ضرور سوال کیا جائے گا تم سے اس بارے میں جو افترا تم لوگ کرتے تھے۔‘‘

آیت ۵۷ ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۵۷﴾ ’’اور وہ بناتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں‘ وہ پاک ہے (اس سے)‘ اور خود اُن کے لیے وہ کچھ جو انہیں پسند ہے!‘‘

اللہ تعالیٰ کی اولاد کے طور پر وہ لوگ اس سے بیٹیاں منسوب کرتے ہیں جبکہ خود اپنے لیے وہ بیٹے پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز بھی کی تو بیٹیاں تجویز کیں‘ جو خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

آیت ۵۸ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸﴾ ’’اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (اندر ہی اندر) رنج وغم سے گھٹتا

رہتا ہے۔“

آیت ۵۹ ﴿یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ﴾ ”وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بُری خبر کی وجہ سے جو اُسے دی گئی۔“

جب اسے خوشخبری دی جاتی ہے کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے تو اسے ایک منحوس خبر خیال کرتا ہے اور یوں محسوس کرتا ہے کہ اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور ہر وقت اسی شش و پنج میں رہتا ہے کہ:

﴿اَیُمْسِکُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ﴾ ”کیا وہ اسے ذِلّت کے باوجود روکے رکھے یا مٹی میں دفن کر دے؟“

﴿اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ”آگاہ رہو! بہت ہی بُرا ہے جو فیصلہ وہ کرتے ہیں۔“

آیت ۶۰ ﴿لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ﴾ ”ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بُری مثال ہے۔“

﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۶۰﴾﴾ ”اور اللہ کی صفت نہایت بلند ہے۔ اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا۔“

عقیدۂ آخرت کے حوالے سے یہ حقیقت لائقِ توجّہ ہے کہ یہ عقیدہ دُنیوی زندگی میں انسانی اعمال پر تمام عوامل سے بڑھ کر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں آخرت اور ایمان بالآخرت کے بارے میں بہت تکرار پائی جاتی ہے۔

آیات ۶۱ تا ۶۵

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَکْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْکَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰی ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۙ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع

آیت ۶۱ ﴿وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ﴾ ”اور اگر اللہ (فوراً) پکڑ کرتا لوگوں کی ان کے گناہوں کے سبب تو نہ چھوڑتا اس (زمین) پر

کوئی بھی جاندار‘ لیکن وہ مہلت دیتا ہے انہیں ایک وقتِ معین تک۔‘‘

یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ وہ لوگوں کے ظلم و معصیت کی پاداش میں فوری طور پر ان کی گرفت نہیں کرتا‘ بلکہ ڈھیل دے کر انہیں اصلاح کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ’’پھر جب ان کا وقت معین آجائے گا تو نہ وہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔‘‘

آیت ۶۲ ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ﴾ ’’اور وہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے لیے جو وہ خود پسند نہیں کرتے‘‘

یعنی ان میں سے کوئی بھی خود بیٹی کا باپ بننا پسند نہیں کرتا‘ مگر اللہ کے ساتھ بیٹیاں منسوب کرتے ہوئے یہ لوگ ایسا کچھ نہیں سوچتے۔

﴿وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى﴾ ’’اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کر رہی ہیں کہ ان کے لیے یقیناً بھلائی ہے۔‘‘

یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ دنیا میں انہیں عزت‘ دولت اور سرداری ملی ہوئی ہے‘ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ ان سے خوش ہے اور انہیں یہ خوش فہمی بھی ہے کہ اگر اس نے یہاں انہیں یہ سب کچھ دیا ہے تو آخرت میں بھی وہ ضرور انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے گا۔ چنانچہ دنیا ہو یا آخرت ان کے لیے تو بھلائی ہی بھلائی ہے۔

﴿لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ﴾ ’’اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے لیے آگ ہے اور یہ کہ وہ بڑھائے جا رہے ہیں۔‘‘

دنیا میں ان کی رسّی دراز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں جس حد تک جری ہو کر آگے بڑھ سکتے ہیں بڑھتے چلے جائیں۔

آیت ۶۳ ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ’’اللہ کی قسم! ہم نے بھیجا (اپنے رسولوں کو) بہت سی اُمتوں کی طرف آپؐ سے پہلے‘ لیکن شیطان نے ان کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کیے رکھا‘‘

شیطان کے بہکاوے کے سبب وہ لوگ اس خوش فہمی میں رہے کہ ان کا کلچر‘ ان کی تہذیب اور ان کی روایات سب سے اعلیٰ ہیں۔

﴿فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ’’تو آج وہی ان کا ساتھی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

آیت ۶۴ ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ ’’اور نہیں اُتاری (اے محمدﷺ!) ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ واضح کر دیں ان کے لیے وہ سب کچھ جس میں انہوں نے اختلاف کیا‘‘

﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝۶۴﴾ ''اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لانے والے ہیں۔''

اس آیت کو پڑھتے ہوئے سورۂ یونس کی یہ دو آیات بھی ذہن میں رکھیے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۝

''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے جو روگ ہیں ان) کی شفا اور ہدایت اور اہل ایمان کے حق میں (بہت بڑی) رحمت۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے' تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں' وہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

آیت ۶۵ ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ﴾ ''اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا' پھر اس سے زندہ کر دیا زمین کو اُس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۝۶۵﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں۔''

یہ نشانی ان لوگوں کے لیے ہے جن کا سننا حیوانوں کا سا سننا نہ ہو' بلکہ انسانوں کا سا سننا ہو۔ علامہ اقبال نے ''زبورِ عجم'' میں کیا خوب کہا ہے:

دم چیست ؟ پیام است' شنیدی' نشنیدی! درخاکِ تو یک جلوۂ عام است ندیدی؟
دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!

یعنی سانس جو تم لیتے ہو یہ بھی اللہ کا ایک پیغام ہے' یہ الگ بات ہے کہ تم اس پیغام کو سنتے ہو یا نہیں سنتے ہو۔ یہ درست ہے کہ تم خاک سے بنے ہو' مگر تمہارے اسی خاکی وجود کے اندر ایک نور اور جلوۂ ربانی بھی موجود ہے۔ یہ روحِ ربانی جو تمہارے وجود میں پھونکی گئی ہے یہ جلوۂ ربانی ہی تو ہے' جسے تم دیکھتے ہی نہیں ہو۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ تمہارے اندر کیا کیا کچھ موجود ہے: ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝۲۱﴾ (الذاریات) ''اور تمہارے اندر (کیا کچھ ہے)' کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟'' ذرا دوسری طرح کا دیکھنا اور دوسری طرح کا سننا سیکھو! ایسا دیکھنا سیکھو جو چیزوں کی اصلیت کو دیکھ سکے اور ایسا سننے کی صلاحیت حاصل کرو جس سے تمہیں حقیقت کی پہچان نصیب ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ دیکھنا اور یہ سننا محض حیوانوں کا سا دیکھنا اور سننا ہے۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

اس سورۃ میں تکرار کے ساتھ اہلِ فکر و دانش کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر' سن کر اور سمجھ کر سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ (آیتِ زیرِ نظر کے علاوہ ملاحظہ ہوں آیات ۱۱' ۱۲' ۶۷' ۶۹ اور ۷۹)

آیات ۶۶ تا ۷۰

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا
سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝۶۸ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ
مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۶۹ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۟ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ
بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ ع ۹

آیت ۶۶ ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ﴾ ”اور یقیناً تمہارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔“

چوپایوں کی تخلیق میں بھی تمہارے لیے بڑا سبق ہے۔ ان کو دیکھو‘ غور کرو اور اللہ کی حکمتوں کو پہچانو!

﴿نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶﴾ ”ہم پلاتے ہیں تمہیں اُس میں سے جو اُن کے پیٹوں میں ہوتا ہے‘ گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ‘ پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار۔“

آیت ۶۷ ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ﴾ ”اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی‘ اُن سے تم نشہ آور چیزیں بھی بناتے ہو اور اچھا رزق بھی۔“

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷﴾ ”یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔“

آیت ۶۸ ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝۶۸﴾ ”اور آپ کے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف‘ کہ گھر بنا پہاڑوں میں‘ درختوں میں اور لوگ (انگوروں کی بیلوں کے لیے) جو چھتریاں بناتے ہیں ان میں۔“

یعنی شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ چیز ودیعت کر دی گئی ہے۔

آیت ۶۹ ﴿ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ﴾ ”پھر ہر طرح کے میووں میں سے کھا اور اپنے ربّ کے ہموار کیے ہوئے راستوں پر چلتی رہ۔“

﴿يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ﴾ ”نکلتی ہے ان کے پیٹوں سے پینے کی ایک شے (شہد)‘ جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں‘ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“

شہد کی مکھی جن جن جڑی بوٹیوں اور پودوں کے پھولوں کا رس چوستی ہے اُن کے خواص اور اُن کی تاثیرات کو گویا وہ کشید کرتی ہے۔ اس طرح شہد میں مختلف ادویات کے اثرات بھی شامل ہو جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''

آیت ۷۰ ﴿وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىکُمْ ۙ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ ''اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا' پھر وہی تمہیں وفات دے گا' اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ناکارہ عمر کو لوٹا دیے جاتے ہیں''

ایسی عمر جس میں آدمی ناکارہ ہو کر دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے۔

﴿لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾﴾ ''کہ نہ جانے علم رکھنے کے بعد کچھ بھی۔ یقیناً اللہ جاننے والا' قدرت والا ہے۔''

بڑھاپے میں اکثر لوگوں کی قوتِ فکر متاثر ہو جاتی ہے اور زیادہ عمر رسیدہ لوگوں کو تو dementia ہو جاتا ہے جس سے ذہنی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یادداشت جواب دے جاتی ہے۔ اس کیفیت میں بڑے بڑے فلسفی اور دانشور بچوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

آیات ۷۱ تا ۷۶

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِہِمْ عَلٰی مَا
مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَہُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ
اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَّرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ
یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ہُمْ یَکْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَہُمْ رِزْقًا مِّنَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْئًا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰہُ مِنَّا
رِزْقًا حَسَنًا فَہُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ سِرًّا وَّجَہْرًا ؕ ہَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ؕ بَلْ اَکْثَرُہُمْ لَا
یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُہُمَآ اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّہُوَ کَلٌّ عَلٰی
مَوْلٰىہُ ۙ اَیْنَمَا یُوَجِّہْہُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ ہَلْ یَسْتَوِیْ ہُوَ ۙ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَہُوَ عَلٰی
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۷۶﴾ ع ۱۰ / ۱۶

آیت ۷۱ ﴿وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ﴾ ''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔''

رزق سے مراد صرف مادی اسباب و وسائل ہی نہیں بلکہ اس میں انسان کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں بھی شامل ہیں۔ مادی وسائل کی کمی بیشی کے بارے میں تو کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ غلط تقسیم اور غلط نظام کا نتیجہ ہے، جس کا ذمہ دار خود انسان ہے، مگر یہ امر اپنی جگہ اٹل حقیقت ہے کہ ہر انسان کی ذہنی استعداد اور جسمانی طاقت ایک سی نہیں ہوتی۔ جینز (genes) کے ذریعے وراثت میں ملنے والی تمام صلاحیتیں بھی سب انسانوں میں برابر نہیں ہوتیں، پھر اس میں کسی کے اختیار و انتخاب کو بھی کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مادی اسباب و وسائل کے علاوہ ذاتی صلاحیتوں میں بھی مختلف انسانوں کو مختلف اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

﴿فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ﴾ ”تو نہیں ہیں وہ لوگ جنہیں (رزق میں) فضیلت دی گئی ہے لوٹانے والے اپنا رزق اپنے غلاموں کو کہ وہ ہو جائیں اس میں برابر۔“

یعنی ایسا تو نہیں ہوتا کہ اُمراء اپنی دولت اور جائیدادیں اپنے غلاموں میں تقسیم کر دیں اور انہیں بھی اپنے ساتھ ان جائیدادوں کا مالک بنالیں۔ تو اگر تم لوگ اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ اپنی ملکیت میں شریک نہیں کرتے تو کیا اللہ تمہارے جھوٹے معبودوں کو اپنے برابر کرلے گا؟ اور یہ جو ان لوگوں کا خیال ہے کہ ایک بڑا خدا ہے اور کچھ چھوٹے چھوٹے خدا ہیں اور یہ چھوٹے خدا بڑے خدا سے ان کی سفارش کریں گے تو کیا اللہ پر ان میں سے کسی کی دھونس چل سکے گی یا اللہ ان میں سے کسی کو یہ اختیار دے گا کہ وہ اس سے اپنی کوئی بات منوالے؟

﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝﴾ ”تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کر رہے ہیں؟“

آیت ۷۲ ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ ”اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی نوع سے بیویاں بنائیں“

عربی میں ”زوج“ شریکِ حیات (spouse) کو کہتے ہیں اور یہ لفظ بیوی اور خاوند دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عورت کے لیے مرد زوج ہے اور مرد کے لیے عورت۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ﴾ ”اور بنائے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے، اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ چیزوں سے۔“

﴿اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝﴾ ”تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہ انکار کرتے ہیں؟“

یعنی کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ یہاں یہ اہم بات لائق توجہ ہے کہ اس سورۃ میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر بہت تکرار کے ساتھ آ رہا ہے۔

آیت ۷۳ ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝﴾ ”اور یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اُن کی جنہیں کچھ اختیار نہیں اُن کے لیے کسی

رزق کا‘ نہ آسمانوں سے اور نہ زمین سے‘ اور نہ وہ اس کی قدرت ہی رکھتے ہیں۔‘‘

مشرکینِ عرب ایامِ جاہلیت میں جو تلبیہ پڑھتے تھے اس میں توحید کے اقرار کے ساتھ ساتھ شرک کا اثبات بھی موجود تھا۔ ان کا تلبیہ یہ تھا: لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ‘ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ‘ اِلَّا شَرِیْكًا تَمْلِكُہٗ وَمَا مَلَكَ یعنی میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں‘ تیرا کوئی شریک نہیں ہے‘ میں حاضر ہوں۔ سوائے اُس شریک کے کہ اُس کا اور جو کچھ اس کا اختیار ہے سب کا مالک تو ہی ہے۔ یعنی بالآخر اختیار تیرا ہی ہے اور تیرا کوئی شریک تجھ سے آزاد ہو کر خود مختار (autonomous) نہیں ہے۔ چنانچہ جس طرح عیسائیوں نے توحید کو تثلیث میں بدلا اور پھر تثلیث کو توحید میں لے آئے (One in three and three in One) اسی طرح مشرکینِ عرب بھی توحید میں شرک پیدا کرتے اور پھر شرک کو توحید میں لوٹا دیتے تھے۔

آیت ۷۴ ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ﴾ ’’تو اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کیا کرو۔‘‘

قبل ازیں اسی سورت (آیت ۶۰) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ﴾ ’’اور اللہ کی مثال سب سے بلند ہے‘‘ لیکن اس کا ترجمہ بالعموم یوں کیا جاتا ہے: ’’اللہ کی صفت بہت بلند ہے‘‘۔ یا ’’اللہ کی شان بہت بلند ہے‘‘۔ اس لیے کہ اللہ کے لیے کوئی مثال بیان نہیں کی جا سکتی۔ انسانی سطح پر بات سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تمثیلی الفاظ تو استعمال کرنے پڑتے ہیں‘ مثلاً اللہ کا چہرہ‘ اللہ کا ہاتھ‘ اللہ کا تخت‘ اللہ کی کرسی‘ اللہ کا عرش وغیرہ‘ لیکن ایسے الفاظ سے ہم نہ تو حقیقت کا اظہار کر سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی صفات اور اس کے افعال کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔ اسی لیے منع کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کیا کرو۔ اس کی منطقی وجہ یہ ہے کہ ہم اگر اس ہستی کے لیے کوئی مثال لائیں گے تو عالمِ خلق سے لائیں گے‘ جس کی ہر چیز محدود ہے۔ یا پھر ایسی کوئی مثال ہم اپنے ذہن سے لائیں گے‘ جبکہ انسانی سوچ‘ قوتِ متخیلہ اور تصورات بھی سب محدود ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ذات مطلق (Absolute) ہے اور اس کی صفات بھی مطلق ہیں۔ چنانچہ انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسی مطلق ہستی کے لیے کوئی مثال بیان کر سکے۔ اسی لیے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۱ میں دوٹوک انداز میں فرما دیا گیا: ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ﴾ کہ اس کی مثال کی سی بھی کوئی شے موجود نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴﴾ ’’بے شک اللہ جانتا ہے‘ تم نہیں جانتے۔‘‘

آیت ۷۵ ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ﴾ ’’اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک غلام مملوک کی‘ جو اختیار نہیں رکھتا کسی چیز پر بھی‘‘

اللہ تعالیٰ ان کے شرک کی نفی کے لیے یہ مثال بیان کر رہا ہے کہ ایک بندہ وہ ہے جو کسی کا غلام اور مملوک ہے‘ اس کا کچھ اختیار نہیں‘ وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

﴿وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ﴾ ’’اور (ایک وہ ہے) جس کو ہم نے اپنے پاس سے بہت اچھا رزق دیا ہے‘ اور وہ اس میں سے خرچ کرتا ہے چھپ کر بھی اور علانیہ بھی۔‘‘

رزق میں مال‘ علم اور صلاحیتیں سب شامل ہیں۔ یعنی وہ شخص مال بھی خرچ کر رہا ہے‘ لوگوں کو تعلیم بھی

دے رہا ہے اور کئی دوسرے طریقوں سے بھی لوگوں کو مستفید کر رہا ہے۔

﴿هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۷۵﴾﴾ ''کیا یہ (دونوں) برابر ہیں؟ کُل تعریف اور شکر اللہ کے لیے ہے' لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

ایک طرف اللہ کا وہ بندہ ہے جو اُس کے دین کی خدمت میں مصروف ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سرانجام دے رہا ہے' لوگوں میں دین کی تعلیم کو عام کر رہا ہے' یا اگر صاحب ثروت ہے تو اپنا مال اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے خرچ کر رہا ہے اور محتاجوں کی مدد کر رہا ہے۔ جب کہ دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس کچھ اختیار و قدرت نہیں ہے' وہ اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ تو یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

آیت ۷۶ ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ﴾ ''اور اللہ نے (اب ایک اور) مثال بیان کی دو اشخاص کی' ان میں سے ایک گونگا ہے' وہ قدرت نہیں رکھتا کسی بھی چیز پر اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے''

﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ﴾ ''جہاں کہیں بھی وہ (آقا) اسے بھیجتا ہے' وہ کوئی خیر لے کر نہیں آتا۔''

ایک شخص کے دو غلام ہیں۔ ایک غلام گونگا ہے' کسی کام کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتا' الٹا اپنے مالک پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ کام وغیرہ کچھ نہیں کرتا' صرف روٹیاں توڑتا ہے۔ اگر اس کا آقا اسے کسی کام سے بھیج دے تو وہ کام خراب کر کے ہی آتا ہے۔

﴿هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴿۷۶﴾﴾ ''کیا برابر ہو گا وہ' اور وہ جو حکم دیتا ہے عدل کا' اور وہ سیدھی راہ پر قائم ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک شخص کے دو غلاموں کے حوالے سے دو طرح کے انسانوں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ سب انسان میرے غلام ہیں۔ لیکن میرے ان غلاموں کی ایک قسم وہ ہے جو میری نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں مگر میرا کوئی کام نہیں کرتے' میرے دین کی کچھ خدمت نہیں کرتے' میری مخلوق کے کسی کام نہیں آتے۔ یہ لوگ اس غلام کی مانند ہیں جو اپنے آقا پر بوجھ ہیں۔ دوسری طرف میرے وہ بندے اور غلام ہیں جو دن رات میری رضا جوئی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں' نیکی کا حکم دے رہے ہیں اور برائی سے روک رہے ہیں' میرے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں وہ اپنے تن' من اور دھن کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ تو کیا یہ دونوں طرح کے انسان برابر ہو سکتے ہیں؟

آیات ۷۷ تا ۸۳

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۷۹﴾

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ
ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ
تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ
ع تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

آیت ۷۷ ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی ساری چھپی باتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

﴿وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾﴾ ''اور قیامت کا معاملہ تو ایسے ہے جیسے نگاہ کا لپکنا' یا (ممکن ہے) وہ اس سے بھی قریب تر ہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۷۸ ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔا ۙ﴾ ''اور اللہ نے تمہیں نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے جبکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے''

نوزائیدہ بچہ عقل و شعور اور سمجھ بوجھ سے بالکل عاری ہوتا ہے' بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا بچہ تمام حیوانات کے بچوں سے زیادہ کمزور اور زیادہ محتاج (dependent) ہوتا ہے۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ﴾ ''اور تمہارے لیے سماعت' بصارت اور عقل بنائی۔''

اَفْـِٕدَة کا ترجمہ عام طور پر ''دل'' کیا جاتا ہے' مگر میرے نزدیک اس سے مراد عقل اور شعور ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــــُٔوْلًا ﴿۳۶﴾﴾ کے ضمن میں ہوگی۔ آیت زیر نظر میں کانوں اور آنکھوں کا ذکر انسانی حواس (senses) کے طور پر ہوا ہے اور ان حواس کا تعلق عقل (اَفْـِٕدَة) کے ساتھ وہی ہے جو کمپیوٹر کے input devices کا اس کے پراسیسنگ یونٹ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح کمپیوٹر کا پراسیسنگ یونٹ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات (data) کو پراسس کر کے اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اسی طرح حواسِ خمسہ سے حاصل ہونے والی معلومات سے انسانی دماغ سوچ بچار کر کے کوئی نتیجہ نکالتا ہے۔ انسان کی اسی صلاحیت کو ہم عقل کہتے ہیں اور میرے نزدیک اَفْـِٕدَة سے مراد انسان کی یہی عقل ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾ ''تاکہ تم شکر کرو۔''

یہ تمام صلاحیتیں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور اللہ نے یہ نعمتیں انسان کو اس لیے عطا کی ہیں کہ وہ ان پر اللہ کا شکر ادا کرے' اور اس سلسلے میں اللہ کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں کا استعمال درست طور

پر کرے اور ان سے کوئی ایسا کام نہ لے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔

آیت ۷۹ ﴿اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ ''کیا یہ دیکھتے نہیں پرندوں کو کہ وہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں' انہیں نہیں تھاما ہوا کسی نے سوائے اللہ کے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے قانون کے مطابق یہ پرندے فضا میں تیر رہے ہیں۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہوں۔''

آیت ۸۰ ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾ ''اور اللہ نے تمہارے گھروں میں تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنائی ہے''

﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ﴾ ''اور اُس نے بنا دیے تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے گھر (خیمے) جنہیں تم بہت ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ اور قیام کے دن''

جانوروں کی کھالوں سے بنائے گئے خیمے بہت ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دورانِ سفر بھی انہیں اٹھانا آسان ہوتا ہے اور اسی طرح جب اور جہاں چاہیں انہیں آسانی سے گاڑ کر آرام دہ قیام گاہ بنائی جا سکتی ہے۔

﴿وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾ ''اور (اُس نے بنایا تمہارے لیے) اُن (بھیڑوں) کی اُون سے اور ان (اونٹوں اور بکریوں) کے بالوں سے سامان اور برتنے کی چیزیں ایک خاص وقت تک کے لیے۔''

قبل ازیں آیت ۵ میں جانوروں کے بالوں کی افادیت کے حوالے سے ''دِفْءٌ'' کا لفظ استعمال ہوا تھا' جس میں سردی کی شدت سے بچنے کے لیے کپڑا تیار کرنے کی طرف اشارہ تھا۔ یہاں اس سلسلے میں وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ مختلف جانوروں کی اون اور ان کے بالوں کی صورت میں اللہ نے تمہارے لیے قدرتی ریشہ (fiber) پیدا کر دیا ہے جس سے تم لوگ کپڑے بُنتے ہو اور دوسری بہت سی مفید اشیاء بناتے ہو۔ ایک مدت تک انسان کے پاس کپڑا بنانے کے لیے جانوروں سے حاصل ہونے والے اس ریشے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ کپاس کی دریافت بہت بعد میں ہوئی۔ موجودہ زمانے میں اس مقصد کے لیے اگرچہ مصنوعی ریشے کی رنگا رنگ اقسام موجود ہیں مگر اس قدرتی ریشے کی اہمیت و افادیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آیت ۸۱ ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا﴾ ''اور اللہ ہی نے بنایا تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سایہ''

اللہ نے درختوں اور بہت سی دوسری چیزوں سے سائے کا نظام وضع فرمایا ہے جو انسانی زندگی کے لیے بہت مفید ہے۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ ''اور اُسی نے بنائیں تمہارے لیے پہاڑوں کے اندر پناہ گاہیں'' پہاڑوں کے اندر قدرتی غاریں پائی جاتی ہیں جن میں لوگ طوفانی ہواؤں وغیرہ کی شدّت سے بچنے کے لیے پناہ لے سکتے ہیں۔ پرانے زمانے میں تو اس حوالے سے ان غاروں کی بہت اہمیت تھی۔

﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ط﴾ ''اور بنائے تمہارے لیے ایسے لباس جو تمہیں بچاتے ہیں گرمی سے اور ایسے لباس (زرہیں) جو تمہیں بچاتے ہیں تمہاری لڑائی میں''

﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''اسی طرح وہ اِتمام فرماتا ہے اپنی نعمت کا تم پر تاکہ تم اطاعت کی روش اختیار کرو۔''

جیسا کہ قبل ازیں بھی اشارہ کیا گیا ہے' اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر کی تکرار بہت زیادہ ہے۔ (مزید ملاحظہ ہوں آیات ۱۸' ۳۵' ۷۱' ۷۲' ۸۳ اور ۱۱۴)۔

آیت ۸۲ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو آپ پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔''

آیت ۸۳ ﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾﴾ ''یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں' پھر منکر ہو جاتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔''

آیات ۸۴ تا ۸۹

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا
رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ
اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ ِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ
نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع ۱۲ ۱۸

آیت ۸۴ ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا﴾ ''اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ'' شہادتِ حق کا یہ مضمون اس سورت میں دو مرتبہ (مزید ملاحظہ ہو آیت ۸۹) آیا ہے' جبکہ قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ اور سورۃ النساء کی آیت ۴۱ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ آیت زیرِ نظر میں ہر امت میں سے جس گواہ کا ذکر ہے وہ اس امت کا نبی یا رسول ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾﴾ ''ہم ضرور پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم رسولوں

سے بھی پوچھیں گے''۔ روزِ محشر ہر اُمت کی پیشی کے وقت اس امت کا رسولؐ عدالت کے سرکاری گواہ (prosecution witness) کی حیثیت سے گواہی دے گا کہ اے اللہ! تیری طرف سے جو پیغام مجھے اس قوم کے لیے ملا تھا وہ میں نے بے کم وکاست ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ لوگ جوابدہ ہیں' ان سے محاسبہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح تمام انبیاء ورسل علیہم السلام اپنی اپنی اُمت کے خلاف گواہی دیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَلَا ہُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾ ''پھر کافروں کو نہ (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ ہی ان کو عذر پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔''

اُس وقت انہیں ایسا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا کہ وہ عذر تراش کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر سکیں۔

آیت ۸۵ ﴿وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْہُمْ وَلَا ہُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾﴾ ''اور جب یہ ظالم دیکھ لیں گے عذاب کو تو پھر اسے ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا شُرَکَآءَہُمْ قَالُوْا رَبَّنَا ہٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ ۚ﴾ ''اور جب مشرک لوگ دیکھیں گے اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہی ہیں ہمارے وہ شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔''

﴿فَاَلْقَوْا اِلَیْہِمُ الْقَوْلَ اِنَّکُمْ لَکٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾﴾ ''تو وہ پھینک دیں گے یہ بات انہی کی طرف کہ تم لوگ یقیناً جھوٹ بول رہے ہو۔''

شرک کا ارتکاب کرنے والے یہ لوگ محشر میں جب اُن مقدس ہستیوں کو دیکھیں گے جن کے نام کی وہ دنیا میں دہائی دیا کرتے تھے تو پکار اٹھیں گے کہ اے اللہ! یہ ہیں وہ ہستیاں جنہیں ہم پکارا کرتے تھے آپ کو چھوڑ کر۔ مثلاً حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام کی دہائی دینے والے جب وہاں آپؒ کو بلند مراتب پر فائز دیکھیں گے تو آپؒ کو پہچان کر ایسے کہیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا شریک ٹھہرانے والے جب آپؑ کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے کہ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم جنہیں ہم اللہ کا چہیتا بیٹا سمجھتے تھے اور ہمارا عقیدہ تھا کہ وہ سُولی پر چڑھ کر ہمارے تمام گناہوں کا کفّارہ ادا کر چکے ہیں۔

یہ تمام مقدس ہستیاں وہاں مشرکین کے مشرکانہ عقائد سے اظہارِ براءت کریں گی کہ ہمارا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ تم لوگ دنیا میں ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور اللہ کے سوا ہمیں پکارا کرتے تھے۔ قبل ازیں یہ مضمون سورۂ یونس کی آیت ۲۸ اور ۲۹ میں بھی گزر چکا ہے۔

آیت ۸۷ ﴿وَاَلْقَوْا اِلَی اللّٰہِ یَوْمَئِذِ نِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْہُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾﴾ ''اور وہ (سب کے سب) اُس روز اللہ کے حضور عاجزی پیش کریں گے اور گم ہو جائیں گے اُن سے (وہ عقائد) جو وہ گھڑا کرتے تھے۔''

ایسی مقدس ہستیوں کے بارے میں جو عقائد اور نظریات انہوں نے گھڑ رکھے تھے کہ وہ انہیں عذاب سے

بچا لیں گے اور اللہ کی پکڑ سے چھڑا لیں گے' ایسے تمام خود ساختہ عقائد میں سے اس دن انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہے گا اور عذاب کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

آیت ۸۸ ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکتے رہے (دوسروں کو) اللہ کے راستے سے' ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کرتے جائیں گے' بسبب اس فساد کے جو وہ کرتے تھے۔''

اُن لوگوں کا عذاب بتدریج بڑھتا ہی چلا جائے گا جنہوں نے نہ صرف حق کو جھٹلایا بلکہ اس کے خلاف سازشیں کیں اور لوگوں کو ورغلا کر اللہ کے رستے سے روکتے رہے۔

آیت ۸۹ ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''اور (ذرا تصور کرو اُس دن کا) جس دن ہم ہر اُمت میں کھڑا کریں گے ایک گواہ ان پر ان ہی میں سے''

یہ وہی الفاظ ہیں جو ہم آیت ۸۴ میں پڑھ آئے ہیں۔ قیامت کے دن تمام رسولؑ اپنی اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ سورۃ الاحزاب میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس حوالے سے فرمایا گیا: ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾﴾ ''اے نبیؐ! یقیناً ہم نے آپؐ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا' خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر' اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ''۔ اسی طرح سورۃ المزمّل میں حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾ ''یقیناً ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول' گواہی دینے والا تم پر جیسے ہم نے بھیجا تھا فرعون کی طرف ایک رسول۔''

﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ ''اور آپؐ کو کھڑا کریں گے گواہ (بنا کر) ان کے خلاف۔''

قبل ازیں ہم سورۃ النساء میں بھی اس سے ملتی جلتی یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾﴾ ''پھر کیا حال ہوگا جب ہم لائیں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ اور آپؐ کو لائیں گے ان پر گواہ''۔ یہاں هٰٓؤُلَآءِ کے لفظ میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جن تک حضور ﷺ نے براہِ راست اللہ کی دعوت پہنچا دی تھی۔ لہٰذا قیامت کے دن آپؐ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ اے اللہ میں نے آپ کا پیغام بے کم وکاست ان تک پہنچا دیا تھا اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ میں نے اس ضمن میں برس ہا برس تک ان کے درمیان ہر طرح کی مشقت اٹھائی۔ انہیں تنہائی میں فرداً فرداً بھی ملا اور علی الاعلان اجتماعی طور پر بھی اُن سے مخاطب ہوا۔ میں نے اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا یہ پیغام اہل عرب تک براہِ راست پہنچا دیا اور باقی دنیا تک قیامت تک کے لیے یہ پیغام پہنچانے کی ذمہ داری آپ ﷺ نے امت کو منتقل فرما دی۔ اب اگر اُمت اس فرض میں کوتاہی کرے گی تو لوگوں کی گمراہی کا وبال افرادِ امت پر آئے گا۔ چنانچہ یہ بہت بھاری اور نازک ذمہ داری ہے جو اُمت مسلمہ کے افراد ہونے کے سبب ہمارے کندھوں پر آ پڑی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اُمتِ مسلمہ کی اس ذمہ داری

کا ذکر تحویلِ قبلہ کے ذکر کے فوراً بعد اس طرح فرمایا گیا: ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ ''اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وَسَط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے''۔ اس بھاری ذمہ داری کی ادائیگی کے دوران بہت مشکل اور جاں گسل مراحل کا آنا ناگزیر ہے۔ اس طرح کے مشکل مراحل سے گزرنے کا طریقہ سورۃ البقرۃ ہی میں آگے چل کر اس طرح واضح کیا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٣﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان تم مدد طلب کرو نماز اور صبر کے ساتھ' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ اور پھر اس راہ میں جان کی بازی لگانے والے خوش نصیب اہلِ ایمان کی دلجوئی اس طرح فرمائی گئی: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿١٥٤﴾﴾ ''اور مت کہو انہیں مُردہ جو اللہ کے رستے میں قتل کر دیے جائیں' بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں''۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے اُتار دی ہے آپ پر یہ کتاب وضاحت کرتی ہوئی ہر شے کی' اور یہ ہدایت' رحمت اور بشارت (بن کر آئی) ہے مسلمانوں کے لیے''۔

یعنی حیاتِ انسانی کے تمام مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے۔ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت' رحمت اور بشارت ہے جو مسلم یعنی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

آیات ۹۰ تا ۱۰۰

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ
الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا
ع ١٣ سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾

آیت ۹۰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ ''یقیناً اللہ حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا اور قرابت داروں کو (ان کے حقوق) ادا کرنے کا''

﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ ''اور وہ روکتا ہے بے حیائی' برائی اور سرکشی سے۔''

﴿يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾﴾ ''وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔''

یہ آیت اس لحاظ سے بہت مشہور ہے کہ اکثر جمعۃ المبارک کے خطبات میں شامل کی جاتی ہے۔ یہ بہت ہی جامع آیت ہے اور اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے انداز میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور تین ہی چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ پہلا حکم عدل کا ہے اور دوسرا احسان کا۔ عدل تو یہ ہے کہ جس کا جس قدر حق ہے عین اسی قدر آپ اسے دے دیں' لیکن احسان ایک ایسا عمل ہے جو عدل سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ یعنی احسان یہ ہے کہ آپ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیں اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ چنانچہ اللہ محسنین کو محبوب رکھتا ہے۔ تیسرا حکم قرابت داروں کے حقوق کا خیال رکھنے کے بارے میں ہے' یعنی ان سے حسن سلوک سے پیش آنا' صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرنا اور انفاقِ مال کے سلسلے میں ان کو ترجیح دینا۔ یہ تین احکام اُن اعمال کے بارے میں ہیں جو ایک اچھے معاشرے کی بنیاد کا کام دیتے ہیں۔

جن چیزوں سے یہاں منع فرمایا گیا ہے ان میں سب سے پہلے بے حیائی ہے۔ حیا گویا انسان اور ہر بُرے کام کے درمیان پردہ ہے۔ جب تک یہ پردہ قائم رہتا ہے انسان عملی طور پر برائی سے بچا رہتا ہے' اور جب یہ پردہ اُٹھ جاتا ہے تو پھر انسان بے شرم ہو کر آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ع ''بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن!'' کا مصداق بن کر جو چاہے کرتا پھرتا ہے۔ بے حیائی کے بعد منکر سے منع کیا گیا ہے۔ منکر ہر وہ کام ہے جس کے برے ہونے پر انسان کی فطرت گواہی دے۔ تیسرا ناپسندیدہ عمل یا جذبہ البغی یعنی سرکشی ہے۔ یہ سرکشی اگر اللہ کے خلاف ہو تو بغاوت ہے اور یوں کفر ہے' اور اگر یہ انسانوں کے خلاف ہو تو اسے ''عُدوان'' کہا جاتا ہے یعنی ظلم اور زیادتی۔ بہرحال ان دونوں سطحوں پر یہ انتہائی ناپسندیدہ اور مذموم جذبہ ہے۔

اگلی چند آیات مشکلات القرآن میں سے ہیں۔ ان کی تفسیر کے بارے میں بہت سی آراء ہیں جو سب کی سب یہاں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ میں یہاں صرف وہ رائے بیان کروں گا جس سے مجھے اتفاق ہے۔ میری رائے کے مطابق ان آیات میں روئے سخن اہلِ کتاب کی طرف ہے۔ مکی سورتوں میں اگرچہ اہلِ کتاب سے ''يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ'' یا ''يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ'' کے الفاظ سے براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا' لیکن سورۃ الانعام اور اس کے بعد (مکی دور کے آخری سالوں میں) نازل ہونے والی سورتوں میں اہل کتاب کو بالواسطہ انداز میں

مخاطب کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں خبریں مدینہ پہنچ چکی تھیں اور یہودِ مدینہ ان خبروں کو سن کر بہت متجسسانہ انداز میں مزید معلومات کی ٹوہ میں تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو نبی آخر الزماں ﷺ کو پہچان بھی چکے تھے اور وہ اس انتظار میں تھے کہ مزید معلومات سے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق ہو جائے تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ دوسری طرف یہودِ مدینہ ہی میں سے کچھ لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کے خلاف حسد کی آگ بھی بھڑک چکی تھی۔ اس قسم کے لوگ آپ ﷺ کی مخالفت کے لیے قریشِ مکہ سے مسلسل رابطے میں تھے اور آپؐ کی آزمائش کے لیے قریشِ مکہ کو مختلف قسم کے سوالات بھیجتے رہتے تھے۔ ان سوالات میں ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام تو فلسطین میں آباد تھے لیکن ان کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کے لوگ وہاں سے مصر کیسے پہنچے؟ ان کا یہی سوال تھا جس کے جواب میں پوری سورۂ یوسف نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ وہ معروضی صورتِ حال تھی جس کی وجہ سے مکی دور کی آخری سورتوں میں کہیں کہیں اہل کتاب کا ذکر بھی موجود ہے اور بالواسطہ طور پر ان سے خطاب بھی ہے۔ اس پس منظر میں میری رائے یہی ہے کہ آئندہ آیات میں روئے سخن اہلِ کتاب کی طرف ہے۔

آیت ۹۱ ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ﴾ ”اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم عہد کر چکے ہو“

یہاں بنی اسرائیل کا وہ وعدہ مراد ہے جس کی تفصیل بعد میں مدنی سورتوں میں آئی۔ مدنی سورتوں میں اِن کے اس عہد کا بار بار ذکر کیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ ......﴾ (البقرۃ: ۶۳)۔ یہاں پر اس عہد کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اس کا تذکرہ کر دیا گیا کہ ”عاقلاں را اشارہ کافی است“۔ مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے صاحبانِ علم و بصیرت بات کو سمجھنا چاہیں تو سمجھ لیں۔

﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ﴾ ”اور اپنی قسموں کو مت توڑو مضبوطی سے باندھنے کے بعد جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ ٹھہرا چکے ہو۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۟﴾ ”یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔“

یعنی یہ عہد تم نے اللہ کو گواہ بنا کر اور اللہ کی قسمیں کھا کر باندھا ہوا ہے۔

آیت ۹۲ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ﴾ ”اور مت ہو جاؤ اُس (دیوانی) عورت کی مانند جس نے اپنا سوت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا‘ مضبوطی (سے کاتنے) کے بعد۔“

دیکھو تم تو ایک مدت سے نبی آخر الزماں ﷺ کے منتظر چلے آ رہے تھے اور اہلِ عرب کو اس حوالے سے دھمکایا بھی کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان آنے والے ہیں‘ جب وہ تشریف لے آئے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم لوگوں پر غالب آ جائیں گے۔ اب جب کہ وہ نبیؐ آ گئے ہیں تو تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اُنؐ کو جھٹلانے کے لیے بہانے ڈھونڈ رہے ہو! تو کیا اب تم لوگ اپنے منصوبوں اور افکار و نظریات کے تانے بانے خود اپنے ہی ہاتھوں تار تار کر دینے پر تُل گئے ہو؟ کیا اُس دیوانی عورت کی طرح تمہاری بھی مت ماری گئی ہے جو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ کاتتے ہوئے اپنے سُوت کی تار تار ادھیڑ کے رکھ دے؟

﴿تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ﴾ ''تم اپنی قسموں کو اپنے مابین دخل دینے کا ذریعہ بناتے ہو تا کہ نہ ہو جائے ایک قوم بڑھی ہوئی دوسری قوم سے۔''

یعنی تم نے تو اس معاملے کو گویا دو قوموں کا تنازعہ بنا لیا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ وہی نبی (ﷺ) ہیں جن کی بشارت تمہاری کتاب میں موجود ہے، تم آپس میں عہد و پیمان کر رہے ہو، قسمیں کھا رہے ہو کہ ہم ہرگز آپ (ﷺ) پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تمہاری اس ہٹ دھرمی کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ تم قومی عصبیت میں مبتلا ہو چکے ہو۔ چونکہ اس آخری نبی ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل یعنی اُمّیّین سے ہے، اس لیے تم لوگ نہیں چاہتے کہ بنی اسماعیل کو اب ویسی ہی فضیلت حاصل ہو جائے جو پچھلے دو ہزار سال سے تم لوگوں کو حاصل تھی۔

﴿اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ تمہیں آزما رہا ہے اس کے ذریعے سے۔''

اس میں تمہاری آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم لوگ حق پرست ہو یا نسل پرست؟ اگر تم لوگ اس معاملے میں نسل پرستی کا ثبوت دیتے ہو تو جان لو کہ اللہ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور اگر حق پرست بننا چاہتے ہو تو تمہیں سوچنا چاہیے کہ ایک مدت تک اللہ تعالیٰ نے نبوت تمہاری نسل میں رکھی اور اب اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کے ایک فرد کو اس کے لیے چن لیا ہے۔ لہٰذا اسے اللہ کا فیصلہ سمجھتے ہوئے تمہیں قبول کر لینا چاہیے۔ تمہیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ بنی اسماعیل بھی تو آخر تمہاری ہی نسل میں سے ہیں۔ وہ بھی تمہارے جدّامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں، مگر تم لوگ ہو کہ تم نے اس معاملے کو باہمی مخاصمت اور ضد ﴿بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ﴾ کی بھینٹ چڑھا دیا ہے اور اس طرح تم لوگ اللہ کی اس آزمائش میں ناکام ہو رہے ہو۔

﴿وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾﴾ ''اور وہ ضرور ظاہر کرے گا تم پر قیامت کے دن وہ سب کچھ جس میں تم لوگ اختلاف کرتے تھے۔''

آیت ۹۳ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا''

اللہ تعالیٰ یہ بھی کر سکتا تھا کہ پوری انسانیت کو ایک ہی امت بنا دیتا تا کہ نسلوں اور قوموں کی یہ تفریق ہی نہ ہوتی اور نہ ہی ایک امت کو معزول کر کے دوسری امت کو نوازنے کی ضرورت پیش آتی۔ پھر جس اللہ نے بختِ نصر کے ہاتھوں تمہاری بربادی کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام کی دعوتِ توبہ کے ذریعے تمہاری نشأۃ ثانیہ کی تھی، وہ یہ بھی کر سکتا تھا کہ ایک دفعہ پھر کسی اصلاحی تحریک کے ذریعے تمہیں اپنی ہدایت اور رحمت سے نواز دیتا۔ اس طرح آخری نبی بھی تم ہی میں آتے اور یہ قرآن بھی تم ہی کو ملتا۔ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا۔

﴿وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ ''لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔''

آیت کے اس حصے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ ''وہ گمراہ کرتا ہے اُسے جو (گمراہی) چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اُسے جو (ہدایت) چاہتا ہے۔''

﴿وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''اور تم سے ضرور پوچھا جائے گا اُس بارے میں جو کچھ تم

کرتے تھے۔‘‘

یعنی اِس وقت تم لوگ ایک بہت بڑے امتحان سے دوچار ہو۔ تمہارے پاس نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں واضح نشانیوں کے ساتھ علم آ چکا ہے اور تم اللہ کی کتاب کے وارث بھی ہو۔ اس کے باوجود اگر تم نے ہمارے نبی ﷺ کی تصدیق نہ کی اور آپؐ کو جھٹلانے پر تُلے رہے تو اس بارے میں تم سے ضرور جواب طلبی ہو گی۔

اب ذرا سورۃ البقرۃ کی ان آیات کو ذہن میں تازہ کیجیے:

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۡ وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

’’اے بنی اسرائیل! یاد کرو تم میری وہ نعمت جو میں نے تم پر انعام کی‘ اور پورا کرو میرا عہد‘ میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کیے گئے) عہد کو اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور ایمان لاؤ اُس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے‘ جو تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے‘ اور مت ہو جاؤ تم ہی سب سے پہلے اس کا کفر کرنے والے‘ اور مت بیچو میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ اور نہ ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور نہ چھپاؤ حق کو جانتے بوجھتے۔‘‘

ان آیات کو پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہاں سورۃ النحل میں جو بات اَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰهِ سے شروع ہوئی ہے یہ گویا تمہید ہے اُس مضمون کی جو سورۃ البقرۃ کی مندرجہ بالا آیات کی شکل میں مدینہ جا کر نازل ہونے والا تھا۔

آیت ۹۴ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَکُمْ دَخَلًاۢ بَیْنَکُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِھَا﴾ ’’اور مت بناؤ اپنی قسموں کو اپنے درمیان دھوکے کا ذریعہ کہ پھسل جائے کوئی قدم پختگی کے بعد‘‘

دیکھو‘ حقیقت یہ ہے کہ تم ہمارے نبی ﷺ کو اچھی طرح پہچان چکے ہو: ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ۭ﴾ (البقرۃ:١٤٦)۔ اب اس حالت میں اگر تم پھسلو گے تو یاد رکھو سیدھے جہنم کی آگ میں جا گرو گے: ﴿فَانْھَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ ۭ﴾ (التوبۃ:١٠٩)

﴿وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَکُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۹۴﴾ ’’اور تمہیں عذاب کا مزہ چکھنا پڑے بسبب اس کے کہ تم نے (لوگوں کو) روکا اللہ کے راستے سے‘ اور تمہارے لیے (اس کی پاداش میں) بہت بڑا عذاب ہے۔‘‘

تمہیں تو چاہیے تھا کہ سب سے پہلے کھڑے ہو کر گواہی دیتے کہ ہم نے محمد (ﷺ) کو اپنی کتاب میں دی گئی نشانیوں سے ٹھیک ٹھیک پہچان لیا ہے‘ آپ (ﷺ) واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اور تمہیں نصیحت بھی کی گئی تھی: ﴿وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍۢ بِهٖ ۠﴾ (البقرۃ:۴۱) ’’اور تم اس کے پہلے منکر نہ بن جانا‘‘۔ اس سب کچھ کے باوجود تم لوگ اس گواہی کو چھپا رہے ہو: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۴۰) ’’اور اُس

شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے چھپائی وہ گواہی جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے!''

آیت ۹۵ ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''اور اللہ کے اُس عہد کو حقیر سی قیمت کے عوض فروخت نہ کرو۔''

﴿اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹۵﴾ ''یقیناً اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم علم رکھتے ہو۔''

تمہیں دنیا کے چھوٹے چھوٹے مفادات بہت عزیز ہیں اور ان حقیر مفادات کے لیے تم لوگ اللہ کی ہدایت کو ٹھکرا رہے ہو، مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم لوگ اس ہدایت کو قبول کر لو گے تو اللہ کے ہاں اخروی انعامات سے نوازے جاؤ گے۔ اللہ کے ہاں جنت کی دائمی نعمتیں تمہارے ان مفادات کے مقابلے میں کہیں بہتر ہیں جن کے ساتھ تم لوگ آج چمٹے ہوئے ہو۔

آیت ۹۶ ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ ''جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔''

﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶﴾ ''اور ہم لازماً دیں گے صبر کرنے والوں کو ان کا اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق۔''

ہر نیکوکار شخص کے تمام اعمال ایک درجے کے نہیں ہوتے، کوئی نیکی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اور کوئی نسبتاً چھوٹے درجے کی۔ مگر جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے ان کی اعلیٰ درجے کی نیکیوں کو سامنے رکھ کر ان کے اجر و ثواب کا تعین کیا جائے گا۔

آیت ۹۷ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ ''جس کسی نے بھی نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مؤمن تو ہم اسے (دُنیا میں) ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔''

ایسے لوگ بے شک دنیا میں روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کریں مگر انہیں سکون قلب کی دولت نصیب ہوگی، ان لوگوں کے دل غنی ہوں گے، کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ))[1] کہ اصل امیری تو دل کی امیری ہے۔ اگر انسان کا دل غنی ہے تو انسان واقعتاً غنی ہے اور اگر ڈھیروں دولت پا کر بھی دل لالچ کے پھندے میں گرفتار ہے تو ایسا شخص دراصل غنی یا امیر نہیں، فقیر ہے۔ چنانچہ نیکوکار انسانوں کو دُنیوی زندگی میں ہی غنا اور سکونِ قلب کی نعمت سے نوازا جائے گا، کیونکہ یہ نعمت تو ثمرہ ہے اللہ کی یاد کا: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ)) (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس۔ وصحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب لیس الغنی عن کثرۃ العرض)

''دولت مندی اسبابِ دُنیوی کی کثرت سے نہیں ہوتی، بلکہ اصل دولت مند (غنی) تو وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔''

الْقُلُوْبُ﴿۲۸﴾﴾ (الرعد) ’’آگاہ رہو! دل تو اللہ کے ذکر ہی سے مطمئن ہوتے ہیں‘‘۔ ایسے لوگوں کا شمار اللہ کے دوستوں اور اولیاء میں ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرمایا جاتا ہے اور انہیں حزن و ملال کے سایوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۶۲﴾﴾ (یونس) ’’آگاہ رہو! یقیناً اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۹۷﴾﴾ ’’اور (آخرت میں) ہم انہیں ضرور دیں گے ان کے اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق۔‘‘

آیت ۹۸ ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴿۹۸﴾﴾ ’’تو جب آپ قرآن پڑھیں تو اللہ کی پناہ طلب کر لیجیے شیطانِ مردود سے۔‘‘

اس حکم کی رو سے قرآن کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا ضروری ہے۔

آیت ۹۹ ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴿۹۹﴾﴾ ’’اس کا کچھ بھی زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں اور جو اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۱۰۰ ﴿اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴿۱۰۰﴾﴾ ’’اُس کا زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور جو اس کو (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہرانے والے ہیں۔‘‘

شیطان کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُس کو اپنا رفیق اور سرپرست بنا لیتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کے بجائے اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔ گویا اس کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیتے ہیں، یا اُس کے بہکانے سے دوسری ہستیوں کو اللہ کا شریک بنا لیتے ہیں۔

آیات ۱۰۱ تا ۱۱۱

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ
ع بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ
نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

آیت ۱۰۱ ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ﴾ ’’اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت‘‘

قبل ازیں یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں بیان ہو چکا ہے: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ﴾ (آیت ۱۰۶)۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کے مطالعے کے دوران اس آیت کے تحت اس مضمون کی وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

﴿وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾ ’’اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے‘‘

قرآن کا نزول اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیّت کے عین مطابق ہو رہا ہے۔ اگر کوئی مخصوص حکم کسی ایک دور کے لیے تھا اور پھر بدلے ہوئے حالات میں اس حکم میں تبدیلی کی ضرورت ہے تو یہ سب کچھ اللہ کے علم کے مطابق ہے اور کسی خاص ضرورت اور حکمت کے تحت ہی کسی حکم میں تبدیلی کی جاتی ہے۔ مگر ایسی تبدیلی کو دیکھتے ہوئے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ﴾ ’’یہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ آپؐ خود ہی (اسے) گھڑنے والے ہیں‘‘

کہ پہلے یوں کہا گیا تھا‘ اب اسے بدل کر یوں کہہ رہے ہیں۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں اس طرح کی تبدیلی کیسے ممکن تھی؟

﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾﴾ ’’بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت علم سے عاری ہے۔

آیت ۱۰۲ ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ ’’آپؐ کہیے کہ اسے نازل کیا ہے روح القدس نے آپؐ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ‘‘

یہاں پر روح القدس کا لفظ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لیے آیا ہے کہ ایک پاک فرشتہ اس کلام کو لے کر آیا ہے۔

﴿لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ’’تاکہ وہ ثابت قدم رکھے اہل ایمان کو‘‘

سورۃ الفرقان میں یہی مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾﴾ ’’تاکہ ہم مضبوط کریں اس کے ساتھ آپؐ کے دل کو اور (اسی لیے) ہم نے پڑھ سنایا اسے ٹھہر ٹھہر کر۔‘‘

﴿وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ’’اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہو فرماں برداروں کے لیے۔‘‘

جیسے جیسے حالات میں تبدیلی آ رہی ہے‘ ویسے ویسے اس قرآن کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ہدایت و

راہنمائی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ مثلاً قصہ آدمؑ و ابلیس جب پہلی دفعہ بیان کیا گیا تو اس میں وہ تفصیلات بیان کی گئیں جو اس وقت کے مخصوص معروضی حالات میں حضور ﷺ اور مسلمانوں کے لیے جاننا ضروری تھیں۔ پھر جب حالات میں تبدیلی آئی تو یہی قصہ کچھ مزید تفصیلات کے ساتھ پھر نازل کیا گیا اور اسی اصول اور ضرورت کے تحت اس کا نزول بار بار ہوا تاکہ ہر دور کے حالات کے مطابق اہل حق اس میں سے اپنی راہنمائی کے لیے سبق حاصل کر سکیں۔

آیت ۱۰۳ ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ﴾ ''اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس کو تو ایک انسان سکھاتا ہے۔''

مشرکین رسول اللہ ﷺ پر ایک الزام یہ لگا رہے تھے کہ آپ نے کسی عجمی غلام کو یا اہل کتاب میں سے کسی آدمی کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے' جو تورات کا عالم ہے۔ اس سے آپ یہ ساری باتیں سیکھتے ہیں اور پھر وحی کے نام پر ہمیں سناتے ہیں اور ہم پر دھونس جماتے ہیں۔

﴿لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۰۳﴾ ''یہ لوگ جس کی طرف غلط طور پر منسوب کر رہے ہیں اُس کی زبان تو (ان کے بقول) عجمی ہے اور یہ (قرآن) فصیح عربی زبان ہے۔''

چنانچہ یہ الزام لگاتے ہوئے ان کو خود سوچنا چاہیے کہ کوئی عجمی ایسی فصیح و بلیغ عربی زبان کیسے بول سکتا ہے!

آیت ۱۰۴ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۴﴾ ''یقیناً جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے' اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی کو زبردستی کھینچ کر ہدایت کی طرف لے آئے۔

آیت ۱۰۵ ﴿اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۵﴾ ''جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے' اور وہی لوگ ہیں جو جھوٹے ہیں۔''

آیت ۱۰۶ ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ﴾ ''اور جو کوئی کفر کرے اللہ کا اپنے ایمان لانے کے بعد''

اس کا اطلاق ایمان کی دونوں کیفیتوں پر ہوگا۔ ایک یہ کہ دل میں ایمان آ گیا' بات پوری طرح دل میں بیٹھ گئی' دل میں یقین کی کیفیت پیدا ہو گئی کہ ہاں یہی حق ہے مگر زبان سے ابھی اقرار نہیں کیا۔ ایمان کی دوسری کیفیت یہ ہے کہ دل بھی ایمان لے آیا اور زبان سے ایمان کا اقرار بھی کر لیا۔ چنانچہ ان دونوں درجوں میں سے کسی بھی درجے میں اگر انسان نے حق کو حق جان لیا' دل میں یقین پیدا ہو گیا مگر پھر کسی مصلحت کا شکار ہو گیا اور حق کا ساتھ دینے سے کنی کترا گیا تو اس پر اس حکم کا اطلاق ہوگا۔

﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ ''سوائے اس کے کہ کوئی شخص مجبور کر دیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو''

کسی کی جان پر بنی ہوئی تھی اور اس حالت میں کوئی کلمہ کفر اس کی زبان سے ادا ہو گیا' مگر اس کا دل بدستور حالت ایمان میں مطمئن رہا تو ایسا شخص اللہ کے ہاں معذور سمجھا جائے گا۔

﴿وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ۱۰۶ ”مگر جس نے کھول دیا کفر کے ساتھ (اپنا) سینہ تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے‘ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

اوپر بیان کیے گئے استثناء کے مطابق مجبوری کی حالت میں تو کلمہ کفر کہنے والے کو معاف کر دیا جائے گا (بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر پوری طرح مطمئن ہو) مگر جو شخص کسی وجہ سے پورے شرحِ صدر کے ساتھ کفر کی طرف لوٹ گیا‘ وہ اللہ کے غضب اور بہت بڑے عذاب کا مستحق ہو گیا۔

آیت ۱۰۷ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ﴾ ”یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو محبوب رکھا آخرت کے مقابلے میں“

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ۱۰۷ ”اور یہ (اللہ کا قاعدہ ہے) کہ اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

آیت ۱۰۸ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں‘ کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے۔“

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ ۱۰۸ ”اور یہی لوگ ہیں جو غافل ہیں۔“

آیت ۱۰۹ ﴿لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ۱۰۹ ”اب اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خسارے والے ہوں گے۔“

یہ وہ لوگ ہیں جو دُنیوی زندگی کی محبت میں حق سے منہ موڑ کر غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اب ان کے اس طرزِ عمل کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کی بھلائیوں میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اگلی آیت میں پھر ہجرت کا ذکر آ رہا ہے‘ جو اس سے پہلے آیت ۴۱ میں بھی آ چکا ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۱۱۰ ”پھر یقیناً آپؐ کا رب ان کے حق میں جنہوں نے ہجرت کی‘ اس کے بعد کہ انہیں تکالیف پہنچائی گئیں‘ پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا‘ یقیناً آپؐ کا رب اس (سب کچھ) کے بعد بخشنے والا‘ نہایت رحم والا ہے۔“

جن مؤمنین پر مکہ میں مصائب کے پہاڑ توڑے گئے‘ ان حالات میں انہوں نے ہجرت کی‘ پھر وہ جہاد بھی کرتے رہے‘ اس طرح راہِ حق میں آنے والی آزمائشوں کے تمام مراحل انہوں نے کمال صبر سے طے کیے‘ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اِن قربانیوں اور سرفروشیوں کا ضرور اجر دے گا۔ انہیں بخشش عطا فرمائے گا اور ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا۔

آیت ۱۱۱ ﴿يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾ ”جس دن آئے گی ہر جان اپنی طرف سے

مدافعت کرتے ہوئے“

روزِ قیامت ہر شخص چاہے گا کہ کسی نہ کسی طرح جہنم کی سزا سے اس کی جان چھوٹ جائے۔ لہٰذا اس کے لیے وہ مختلف عذر پیش کرے گا۔

﴿وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۱۱﴾ ”اور (بدلہ میں) پورا پورا دیا جائے گا ہر جان کو جو کچھ اس نے کمایا ہوگا اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

آیات ۱۱۲ تا ۱۱۹

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ
جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ
حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ
وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا
عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَعَلَي الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع ۱۵

آیت ۱۱۲ ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ ”اور اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک بستی کی جو بالکل امن واطمینان کی حالت میں تھی‘ آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بافراغت ہر طرف سے“

﴿فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۱۲﴾ ”تو اُس نے ناشکری کی اللہ کی نعمتوں کی‘ تو اسے چکھا (پہنا) دیا اللہ نے لباس بھوک اور خوف کا‘ اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں۔“

اس تمثیل کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ ایک عام تمثیل ہے اور کسی خاص بستی سے متعلق نہیں۔ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قومِ سبا کی مثال ہے جس کے بارے میں تفصیل آگے چل کر سورۂ سبا میں آئے گی۔ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ اس مثال کے آئینے میں مکہ اور اہل مکہ کا ذکر ہے کہ یہ شہر ہمیشہ سے امن و

سکون کا گہوارہ چلا آ رہا تھا اور یہاں اہل مکہ کی تجارتی سرگرمیوں اور حج وعمرہ کے اجتماعات کے باعث خوشحالی اور فارغ البالی بھی تھی۔ دنیا بھر سے انواع واقسام کا رزق فراوانی سے ان کے پاس چلا آتا تھا' مگر حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپؐ کی دعوت کا انکار کرنے کی پاداش میں اس شہر کے باشندوں پر قحط کا عذاب مسلط کر دیا گیا تھا۔ مکہ میں یہ قحط اسی قانونِ خداوندی کے تحت آیا تھا جس کا ذکر سورۃ الانعام کی آیت ۴۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۹۴ میں ہوا ہے۔ اس اصول یا قانون کے تحت ہر رسولؑ کی بعثت کے بعد متعلقہ قوم پر چھوٹے چھوٹے عذاب آتے ہیں تاکہ انہیں خوابِ غفلت سے جاگنے اور سنبھلنے کا موقع مل جائے اور وہ رسول پر ایمان لا کر بڑے عذاب سے بچ جائیں۔

تاویل خاص کے اعتبار سے اس مثال میں یقیناً مکہ ہی کی طرف اشارہ ہے مگر اس کی عمومی حیثیت بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ کوئی بستی بھی اس قانونِ خداوندی کی زد میں آسکتی ہے۔ جیسے پاکستان کے عروس البلاد کراچی کے حالات کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب کراچی میں امن وامان' وسائلِ رزق کی فراوانی اور خوشحالی کی کیفیت ملک بھر کے لوگوں کے لیے باعثِ کشش تھی' مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر وہی نقشہ پیش کرنے لگا جس کی جھلک اس آیت میں دکھائی گئی ہے۔ یعنی کفرانِ نعمت کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کے باشندوں کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ ''اور آیا ان کے پاس ایک رسول انہی میں سے تو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا' پس آ پکڑا انہیں عذاب نے اور وہ خود ہی ظالم تھے۔''

آیت ۱۱۴ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠﴾ ''پس (اے اہلِ ایمان) تم کھایا کرو اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں''

﴿وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ ''اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم واقعتاً اُسی کی بندگی کرتے ہو۔''

نوٹ کیجیے کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر مختلف انداز میں اس سورت میں بار بار آ رہا ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ ''اُس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مُردار' خون' خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔''

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''پھر جو کوئی مجبور ہو جائے (لیکن نہ وہ طالب ہو' نہ حد سے بڑھنے والا' تو اللہ یقیناً بخشنے والا' نہایت رحم والا ہے۔''

یعنی انتہائی مجبوری کی حالت میں' جان بچانے کے لیے وقتی طور پر بقدرِ ضرورت ان حرام اشیاء کو استعمال میں لا کر جان بچائی جا سکتی ہے' مگر نہ تو دل میں ان کی طلب ہو' نہ اللہ سے سرکشی کا ارادہ' اور نہ ہی ایسی حالت میں وہ چیز ضرورت سے زیادہ کھائی جائے۔

آیت ۱۱۶ ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ﴾ ''اور مت کہو جس کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ گھڑتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے''

حلال اور حرام کا فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے' اس لیے اس بارے میں غیر محتاط رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ بغیر علم' دلیل اور سند کے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

﴿لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ ''تاکہ تم اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرو۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ ''یقیناً جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''برتنے کا سامان ہے (دُنیوی زندگی میں) تھوڑا سا' اور پھر ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۱۸ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کی تھیں (وہ چیزیں) جو ہم بیان کر چکے ہیں آپ پر اس سے پہلے۔''

اس بارے میں تفصیل سورۂ آل عمران:۹۳' النساء:۱۶۰ اور الانعام:۱۴۶ میں گزر چکی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی مرضی سے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا' جس کی تعمیل بعد میں وہ پوری قوم کرتی رہی۔ اس کے علاوہ مختلف حیوانات کی چربی بھی بنی اسرائیل پر حرام کر دی گئی تھی۔

﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ ''اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔''

آیت ۱۱۹ ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''پھر یقیناً آپ کا رب ان لوگوں کے حق میں جو جہالت سے کوئی بُرا کام کر بیٹھیں' پھر اس کے بعد وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں' تو یقیناً آپ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

جو لوگ جذبات کی رو میں بہہ کر یا نادانی میں کوئی گناہ کر بیٹھیں' پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں اور غلط روش سے باز آ جائیں تو ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ ضرور غفور و رحیم ہے۔

آیات ۱۲۰ تا ۱۲۸

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَی الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۱۲۴ اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ
هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۱۲۵ وَاِنْ
عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۱۲۶ وَاصْبِرْ وَمَا
صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۱۲۷ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۱۲۸ ع ۱۶/۹ ۲۲

آیت ۱۲۰ ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۲۰﴾ ”یقیناً ابراہیمؑ ایک امت تھے‘ اللہ کے لیے فرمانبردار اور یکسو‘ اور آپؑ مشرکین میں سے نہیں تھے۔“

اُمّ ”ء م م“ کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں۔ سورۂ یوسف (آیت ۴۵) میں اُمَّۃ کا لفظ وقت اور مدت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے (وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ)۔ وقت اور زمانے کے بھی ہم پیچھے چلتے ہیں تو گویا اس کا قصد کرتے ہیں۔ اسی طرح راستے پر چلتے ہوئے بھی انسان اس کا قصد کرتا ہے۔ اس حوالے سے لفظ اُمَّۃ وقت اور راستے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بہت سے لوگ ایک نظریے کا قصد کر کے اکٹھے ہو جائیں تو انہیں بھی اُمَّۃ کہا جاتا ہے‘ یعنی ہم مقصد لوگوں کی جماعت۔ چنانچہ اسی معنی میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں فرمایا گیا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ﴾۔ اس لحاظ سے آیت زیر نظر میں لفظ اُمت کا مفہوم یہ ہو گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک راستہ بنانے والے‘ اور ایک ریت ڈالنے والے تھے‘ اور اس طرح آپؑ اپنی ذات میں گویا ایک اُمت تھے۔ جب دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا اور پوری دنیا کفر کے راستے پر گامزن تھی تو آپؑ تن تنہا اسلام کے علمبردار تھے۔

آیت ۱۲۱ ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۱۲۱﴾ ”شکر گزار تھے اُس کی نعمتوں کے۔ اللہ نے ان کو پسند کر لیا تھا اور اُن کو ہدایت دی تھی سیدھی راہ کی طرف۔“

آیت ۱۲۲ ﴿وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۱۲۲﴾ ”اور ان کو ہم نے دنیا میں بھی بھلائی عطا کی تھی‘ اور یقیناً آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں سے ہوں گے۔“

آیت ۱۲۳ ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۲۳﴾ ”پھر (اے محمد ﷺ!) ہم نے وحی کی آپ کی طرف کہ پیروی کیجیے ملتِ ابراہیمؑ کی یکسو ہو کر‘ اور وہؑ ہرگز مشرکین میں سے نہ تھے۔“

آیت ۱۲۴ ﴿اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَی الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ﴾ ”ہفتہ کا دن تو انہی لوگوں کے لیے معیّن کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔“

دراصل بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے جمعہ کا دن ہی مقرر فرمایا تھا' مگر انہوں نے اپنی شرارت کی وجہ سے اس کی ناقدری کی اور اسے چھوڑ کر ہفتہ کا دن اختیار کر لیا۔ چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس حیثیت میں ہفتہ کا دن ہی مقرر کر دیا۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب اُن کے مابین فیصلہ کرے گا قیامت کے دن اُن چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

آیت ۱۲۵ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ ''آپؐ دعوت دیجیے اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ''

یہ دعوت الی الحق کا طریقہ اور اس کے آداب کا ذکر ہے' جیسا کہ سورۂ یوسف' آیت ۱۰۸ میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے' میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ' میں خود بھی اور میرے پیروکار بھی (اس راستے پر گامزن ہیں)۔''

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ﴾ ''اور ان سے بحث کیجیے بہت اچھے طریقے سے۔''

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ ''یقیناً آپؐ کا رب خوب واقف ہے اُن سے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے اُن کو بھی جو راہِ ہدایت پر ہیں۔''

اپنے موضوع کے حوالے سے یہ بہت عظیم آیت ہے۔ اس میں انسانی معاشرے کے اندر انسانوں کی تین بنیادی اقسام کے حوالے سے دعوتِ دین کے تین مدارج بیان کیے گئے ہیں' مگر عام طور پر اس آیت کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے اس پہلو کو اجاگر نہیں کیا جاتا۔

کسی بھی معاشرے میں علم و دانش کی بلند ترین سطح پر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اس معاشرے کا دانشور طبقہ (intelligentsia) یا ذہین اقلیت (intellectual minority) کہا جاتا ہے۔ اس طبقے کی حیثیت اس معاشرے یا قوم کے دماغ کی سی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے بہت چھوٹی اقلیت پر مشتمل ہوتے ہیں مگر کسی معاشرے کی مجموعی سوچ اور اس کے مزاج کا رخ متعین کرنے میں اُن کا کردار یا حصہ فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جذباتی تقاریر اور خوش کن وعظ متاثر نہیں کر سکتے' بلکہ ایسے لوگ کسی سوچ یا نظریے کو قبول کرتے ہیں تو مصدقہ علمی و منطقی دلیل سے قبول کرتے ہیں اور اگر رد کرتے ہیں تو ایسی ہی ٹھوس دلیل سے ردّ کرتے ہیں۔

آیت زیر نظر میں بیان کردہ پہلا درجہ ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے اور وہ ہے ''حکمت''۔ یہ علم و عقل کی پختگی کی بہت اعلیٰ سطح ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۹ میں اللہ تعالیٰ نے حکمت کو 'خیر کثیر' قرار دیا ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ﴾۔ قرآن میں تین مقامات (البقرۃ ۱۲۹' آل عمران: ۱۶۴ اور الجمعہ: ۲) پر ان مراحل اور درجات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے تحت حضور ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کی تربیت

فرمائی۔ ان میں بلند ترین مرحلہ یا درجہ حکمت کا ہے۔ حکمت کے سبب کسی انسان کی سوچ اور علم میں پختگی آتی ہے' اس کی گفتگو میں جامعیت پیدا ہوتی ہے اور اس کی تجزیاتی اہلیت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ کسی سے بات کرتے ہوئے یا کسی کو دین کی دعوت دیتے ہوئے معروضی صورتِ حال' مخاطب کے ذہنی رجحان اور ترجیحات کا درست تجزیہ کرنے کے بعد اپنی گفتگو کے نکات اور دلائل کو ترتیب دیتا ہے۔ اسے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ کس وقت اسے کیا پیش کرنا ہے اور کس انداز میں پیش کرنا ہے۔ کون سا نکتہ بنیادی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے اور کون سی دلیل ثانوی اہمیت کی حامل ہے۔ بہر حال کسی بھی معاشرے کے وہ لوگ جو علم' عقل اور شعور میں غیر معمولی اہلیت کے حامل ہوں' اُن کو دعوت دینے کے لیے بھی کسی ایسے داعی کی ضرورت ہے جو خود بھی علم و حکمت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور ان سے برابری کی سطح پر کھڑے ہو کر بات کر سکے۔ کیونکہ جب قرآن اپنے مخالفین کو چیلنج کرتا ہے: ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (البقرۃ) ''اپنی دلیل لاؤ اگر تم واقعی سچے ہو''۔ تو ایسی صورت میں ہمارے مخالفین کو بھی حق ہے کہ وہ بھی ہم سے دلیل مانگیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم عقل اور منطق کی اعلیٰ سے اعلیٰ سطح پر ان کی تسلی و تشفی کا سامان فراہم کریں۔ لہٰذا آیت زیر نظر میں دعوت و تبلیغ کا پہلا درجہ حکمت بیان کیا گیا ہے جس کا حق ادا کرنے کے لیے داعی کا صاحبِ حکمت اور حکیم ہونا لازمی ہے۔

حکمت کے بعد دوسرا درجہ ''موعظۂ حسنہ'' کا ہے' یعنی اچھا خوبصورت وعظ۔ یہ درجہ عوام الناس کے لیے ہے۔ کسی بھی معاشرے میں اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کے ذہنوں میں عقل اور منطق کی چھلنیاں نہیں لگی ہوتیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے لیے منطقی مباحث اور فلسفیانہ تقاریر ''تکلیف مالا یطاق'' کے مترادف ہیں۔ ان کے دل کھلی کتاب اور ذہن صاف سلیٹ کی مانند ہوتے ہیں' آپ ان پر جو لکھنا چاہیں لکھ لیں۔ ایسے لوگوں کو دعوت دینے کے لیے ان کے جذبات کو اپیل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ پُرتاثیر وعظ اور خلوص و ہمدردی سے کی گئی بات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ داعی ہم پر اپنے علم کا رعب نہیں ڈالنا چاہتا' ہم پر دھونس نہیں جمانا چاہتا' وہ ہم سے اظہارِ نفرت نہیں کر رہا' ہماری تحقیر نہیں کر رہا' بلکہ اس کے پیش نظر ہماری خیر خواہی ہے۔ چنانچہ داعی کے دل سے نکلی ہوئی بات ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق سیدھی ان کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔

دعوتِ حق کا تیسرا درجہ ﴿جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اُن عناصر کے لیے ہے جو کسی معاشرے میں خلقِ خدا کو گمراہ کرنے کے مشن کے علمبردار ہوتے ہیں۔ آج کل بہت سی تنظیموں کی طرف سے باقاعدہ پیشہ وارانہ تربیت سے ایسے لوگ تیار کر کے میدان میں اتارے جاتے ہیں۔ یہ لوگ خلوص و اخلاص سے کی گئی بات کو کسی قیمت پر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہر حال میں اپنے نظریے اور موقف کی طرف داری کرنا ان لوگوں کی مجبوری ہوتی ہے' چاہے وہ کسی علمی و عقلی دلیل سے ہو یا ہٹ دھرمی سے۔ ایسے لوگوں کو مُسکِت جواب دے کر لاجواب کرنا ضروری ہوتا ہے' ورنہ بعض اوقات عوامی سطح کے اجتماعات میں اُن کی بحث برائے بحث کی پالیسی بہت خطرناک ہو سکتی ہے' جس سے عوام الناس کے ذہن منفی طور پر متاثر ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بحث و مباحثہ کے عمل کو ہمارے ہاں ''مناظرہ'' کہا جاتا ہے' جبکہ قرآن نے اسے ''مجادلہ'' کہا ہے۔ بہر حال قرآن نے اپنے پیروکاروں کے لیے اس میں بھی اعلیٰ معیار مقرر کر دیا ہے کہ مخالفین سے مجادلہ بھی ہو تو احسن

انداز میں ہو۔ اگر آپ کا مخالف کسی طور سے گھٹیا پن کا مظاہرہ بھی کرے تب بھی آپ کو جواب میں اچھے اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں‘ جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۸ میں حکم دیا گیا: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ﴾ ’’اور جن کو یہ (مشرک) اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا بھلا نہ کہو کہ کہیں یہ بھی بغیر سوچے سمجھے مخالفت میں اللہ کو برا بھلا کہنے لگ جائیں‘‘۔ آج کل مختلف مذاہب کی تنظیمیں مثلاً عیسائی مشنریز با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اسلام کو ہدف بنانے کے لیے کچھ خاص موضوعات اور مسائل کو ایک مخصوص انداز میں پیش کرتی ہیں۔ یہ لوگ ایسے موضوعات و مسائل پر مناظرے کرنے کے لیے باقاعدہ ٹریننگ کے ذریعے سپیشلسٹ (specialist) تیار کرتے ہیں۔ ایسے پیشہ وارانہ لوگوں کے مقابلے اور مجادلے کے لیے داعیانِ حق کو خصوصی تعلیم و تربیت دینے کی ضرورت ہے۔

آیت ۱۲۶ ﴿وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ؕ﴾ ’’اور (اے مسلمانو!) اگر تم بدلہ لو تو اسی قدر جس قدر تمہیں تکلیف دی گئی ہو۔‘‘

﴿وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾﴾ ’’اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔‘‘

آیت ۱۲۷ ﴿وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر ہے‘‘

یہ حکم براہِ راست رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور آپ ﷺ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کے لیے بھی۔ اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ اللہ پر جس قدر اعتماد ہوگا‘ جیسا اس پر توکّل ہوگا‘ جتنا پختہ اس کے وعدوں پر یقین ہوگا‘ اسی انداز میں انسان صبر بھی کر سکے گا۔

﴿وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ وَلَا تَکُ فِیۡ ضَیۡقٍ مِّمَّا یَمۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ’’اور آپؐ ان پر غم نہ کریں‘ اور نہ آپ تنگی میں پڑیں اس بارے میں جو سازشیں یہ لوگ کر رہے تھے۔‘‘

یہ لوگ اپنے کرتوتوں کے سبب عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپؐ ان کے انجام کے بارے میں بالکل رنجیدہ اور فکرمند نہ ہوں اور نہ ہی ان کی سازشوں اور گھٹیا معاندانہ سرگرمیوں کے بارے میں سوچ کر آپؐ اپنا دل میلا کریں۔

آیت ۱۲۸ ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾﴾ ’’یقیناً اللہ اہلِ تقویٰ اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔‘‘

جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہوئے درجۂ احسان پر فائز ہو گئے ہیں‘ اللہ کی معیّت‘ نصرت اور تائید اُن کے شاملِ حال رہے گی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہوگا تو یہ مشرکین آپ کو کچھ گزند نہیں پہنچا سکتے۔ ؎

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے!

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذّكر الحكيم ○○

سُورۃ بَنی اِسْرَاءِیل

تمہیدی کلمات

سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف دونوں مل کر ایک حسین وجمیل جوڑا بناتی ہیں۔ قرآن عظیم کے وسط میں یہ دوسورتیں حکمتِ قرآنی کے دو عظیم خزانے ہیں۔ ان دونوں کے مابین کئی حوالوں سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے اور کئی پہلوؤں سے ان کی آپس میں نسبتِ زوجیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ دونوں سورتیں کس کس اعتبار سے complementary حیثیت رکھتی ہیں یہ بات ان کے مطالعہ کے دوران واضح ہو جائے گی' تاہم اس سلسلے میں اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) سورۂ بنی اسرائیل کا آغاز اللہ کی تسبیح ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ ......﴾ سے ہوتا ہے' جبکہ سورۃ الکہف بھی اللہ کی تحمید ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ......﴾ سے شروع ہوتی ہے۔ ان دونوں کلمات کا باہمی تعلق اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ((اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ یَمْلَؤُہٗ))(۱) ''تسبیح نصف میزان ہے اور الحمد للہ اسے بھر دیتا ہے''۔ یعنی سبحان اللہ کہنے سے معرفتِ خداوندی کی میزان آدھی ہو جاتی ہے اور الحمد للہ کہنے سے یہ میزان مکمل طور پر بھر جاتی ہے۔ گویا یہ دونوں کلمات مل کر کسی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اثاثے کی تکمیل کرتے ہیں۔ آگے چل کر المُسَبِّحَات (وہ سورتیں جن کا آغاز اللہ کی تسبیح سے ہوتا ہے) کے مطالعہ کے دوران اس مضمون پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

(۲) سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں مذکور ہے کہ ''اللہ اپنے بندے کو لے گیا'' جبکہ سورۃ الکہف کی پہلی آیت میں فرمایا کہ ''اللہ نے اپنے بندے پر کتاب اتاری''۔ گویا دونوں مقامات کی باہم متلازم (reciprocal) نسبت ہے۔

(۳) دونوں سورتوں کی ابتدائی آیات میں نبی اکرم ﷺ کے لیے رسول کے بجائے عبد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۴) سورۂ بنی اسرائیل کی آخری دو آیات کا آغاز لفظ ''قُلْ'' سے ہوتا ہے اور اسی طرح سورۃ الکہف کی آخری دو آیات بھی لفظ ''قُلْ'' سے شروع ہوتی ہیں۔ نیز ان دونوں مقامات کی دو دو آیات کے مضامین میں باہم متلازم (reciprocal) نسبت ہے۔

(۵) یہ دونوں سورتیں ریل کے ڈبوں کی طرح آپس میں جڑی ہوئی (inter locked) ہیں۔ وہ اس طرح

---

(۱) سنن الترمذی' ابواب الدعوات ـ ومسند احمد' ح: ۲۱۹۹۵ـ

کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت ایک حکم پر ختم ہو رہی ہے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ......﴾ ''اور کہیے کہ کُل حمد اور کُل تعریف اس اللہ کے لیے ہے......'' جبکہ سورۃ الکہف کی پہلی آیت کے مضمون سے یوں لگتا ہے جیسے یہ اس حکم کی تعمیل میں نازل ہوئی ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ......﴾۔

مضمون اور موضوع کے اعتبار سے سورۂ بنی اسرائیل کا پہلا رکوع بہت اہم اور عظیم ہے۔ اس رکوع میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اُن چار ادوار کا تذکرہ ہے جو حضور ﷺ کی بعثت تک گزر چکے تھے۔ یہاں بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ کو چار آیات کے اندر سمو کر گویا اُمتِ مُسلمہ کے لیے ایک آئینہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ اس آئینے کو سامنے رکھ کر ہم اپنے ماضی' حال اور مستقبل کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ اس کی وضاحت اس حدیث نبوی ﷺ میں ملتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ......)) (۱)

''میری اُمت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے' بالکل اسی طرح جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے......''

اس حدیث میں جوتی کے دونوں پاؤں کی مشابہت کی یہ مثال اس اٹل حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عروج و زوال کے جو چار ادوار بنی اسرائیل پر گزر چکے ہیں بالکل ایسے ہی چار ادوار امتِ مسلمہ پر بھی وارد ہوں گے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو سورۂ بنی اسرائیل کی ان چار آیات (۴ تا ۷) میں علم و معرفت اور معلومات کا ایک خزانہ پوشیدہ ہے' جبکہ مذکورہ بالا حدیث اس خزانے کی چابی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے اس چابی کی مدد سے اس خزانے تک رسائی ملی ہے' جس کے نتیجے میں میرے لیے ان بیش بہا علمی و تاریخی معلومات کو ضبطِ تحریر میں لانا ممکن ہوا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر میرا ایک مختصر کتابچہ ''تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر'' کے نام سے اور ایک مفصل کتاب ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کے عنوان سے دستیاب ہیں۔

ان دونوں مطبوعات کے انگلش تراجم بھی Rise and Decline of the Muslim Ummah اور Lessons from Histroy کے عنوانات سے طبع ہوتے ہیں۔ (اس موضوع کو سمجھنے کے لیے ان کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

آیات ۱ تا ۱۰

(الجزء الخامس عشر (۱۵))

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ہُدًی

(۱) سنن الترمذی' ابواب الایمان' باب ما جاء فی افتراق ھذہ الامۃ

لِّبَنِیْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا
شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ
عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا
خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ
وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝۶ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ
فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝۷ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۹ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۰ ع ۱

آیت ۱ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ ''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے (ﷺ) کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (دُور کی مسجد) تک''

یہ رسول اللہ ﷺ کے سفر معراج کے پہلے مرحلے کی طرف اشارہ ہے جو مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک کے زمینی سفر پر مشتمل تھا۔ ''سُبْحٰنَ'' تنزیہہ کا کلمہ ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نقص وعیب سے پاک و منزہ ہے۔ اس کلمہ سے بات کا آغاز کرنا خود دلالت کرتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارقِ عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا۔ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا' بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کرایا۔

﴿الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ ''جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا''

اس علاقے کی برکت دنیوی اعتبار سے بھی ہے اور روحانی اعتبار سے بھی۔ دنیوی اعتبار سے یہ علاقہ بہت زرخیز ہے اور یہاں کی آب و ہوا خصوصی طور پر بہت اچھی ہے۔ روحانی اعتبار سے دیکھیں تو یہ علاقہ بہت سے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا مسکن رہا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت بہت سے انبیاء یہاں مدفون ہیں۔ ہیکل سلیمانی بنی اسرائیل کی مرکزی عبادت گاہ تھی۔ اس لحاظ سے نہ معلوم اللہ کے کیسے کیسے نیک بندے کس کس انداز میں یہاں عبادت کرتے رہے ہوں گے۔ اس کے علاوہ بیت المقدس کو بنی اسرائیل کے قبلہ کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ چنانچہ مادی و روحانی دونوں اعتبار سے اس علاقے کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ برکتوں سے نوازا ہے۔

سفر معراج کے پہلے مرحلے میں رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے یروشلم لے جایا گیا' وہاں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی ارواح کو جمع کیا گیا' انہیں جسد عطا کیے گئے (ہمارے حواس اس کیفیت کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں) اور وہاں حضور ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ حضور ﷺ کے سفرِ معراج کے اس حصے کا ذکر جس انداز

میں یہاں ہوا ہے اس کی ایک خصوصی اہمیت ہے۔ یہ گویا اعلان ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ اور آپؐ کی امت کو توحید کے ان دونوں مراکز (بیت اللہ اور بیت المقدس) کا متولّی بنایا جا رہا ہے۔ اسی حوالے سے آپ ﷺ کو پہلے بیت المقدس لے جایا گیا اور پھر وہاں سے آپ ﷺ کے آسمانی سفر کا مرحلہ شروع ہوا۔ سفرِ معراج کے اس دوسرے مرحلے کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ سورۃ النجم میں کیا گیا ہے۔

﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①﴾ ''تا کہ ہم دکھائیں اُس (بندے محمد ﷺ) کو اپنی نشانیاں۔ یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا' دیکھنے والا۔''

بنی اسرائیل کے اہم ترین تاریخی مقام کا ذکر کرنے کے بعد اب آئندہ آیات میں بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اُن کی تاریخ کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔

آیت ۲ ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اُسے ہدایت بنایا بنی اسرائیل کے لیے''

یہاں تخصیص کر دی گئی کہ تورات تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ہدایت نہیں تھی' بلکہ درحقیقت وہ صرف بنی اسرائیل کے لیے ایک ہدایت نامہ تھی۔

﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ②﴾ ''کہ تم مت بناؤ میرے سوا کسی کو کارساز۔''

یعنی تورات توحید کا درس دیتی تھی۔ اس کی تعلیمات کا لُبِ لباب یہ تھا کہ اللہ کے سوا کسی بھی دوسری ہستی یا ذات کو اپنا کارساز مت سمجھو' اسے چھوڑ کر کسی دوسرے پر بھروسہ یا توکّل نہ کرو۔

آیت ۳ ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③﴾ ''اے اُن لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے سوار کرایا تھا نوحؑ کے ساتھ۔ یقیناً وہؑ ہمارا بہت ہی شکر گزار بندہ تھا۔''

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام' حام اور یافث تھے جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ ان میں سے حضرت سام کی نسل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے' جن کی اولاد کو یہاں بنی اسرائیل کے طور پر مخاطب کیا جا رہا ہے۔ انہیں یاد دلایا جا رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جن لوگوں کو ہم نے بچایا تھا انہی میں سے ایک کی اولاد تم ہو اور نوحؑ ہمارا بہت ہی شکر گزار بندہ تھا۔

آیت ۴ ﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④﴾ ''اور ہم نے متنبہ کر دیا تھا بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے اور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔''

یعنی تم پر دو ادوار ایسے آئیں گے کہ تم زمین میں سرکشی کرو گے' فساد برپا کرو گے' دین سے دور ہو جاؤ گے' لہو و لعب میں مبتلا ہو جاؤ گے' اور پھر اس کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے تم پر عذاب کے کوڑے برسیں گے۔

یہاں پر بین السطور یہ اشارہ بھی ہے کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل پر ایک بہتر دور بھی آیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازا تھا۔ سورۃ البقرۃ میں ان کے اس اچھے دور کی کچھ تفصیلات ہم

پڑھ آئے ہیں۔ یاددہانی کے طور پر اہم واقعات اختصار کے ساتھ یہاں پھر تازہ کر لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۴۰۰ قبل مسیح میں بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلے تھے۔ صحرائے سینا میں جبل طور کے پاس پڑاؤ کے زمانے میں آپؑ کو تورات عطا کی گئی۔ وہاں سے پھر شمال مشرق کی طرف کوچ کرنے اور فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا گیا۔ جہاد کے اس حکم سے انکار کی پاداش میں بنی اسرائیل کو صحرانوردی کی سزا ملی۔ اسی دوران میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ صحرانوردی کے دوران پروان چڑھنے والی نسل بہادر اور جفاکش تھی۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون کی سرکردگی میں جہاد کیا جس کے نتیجے میں فلسطین فتح ہو گیا۔ فلسطین کا جو شہر سب سے پہلے فتح ہوا وہ اریحا (Jericho) تھا۔ فلسطین کی فتح کے بعد ایک بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ ایک مضبوط مرکزی حکومت بنانے کے بجائے یہ علاقہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں نے آپس میں بانٹ لیا اور ہر قبیلے نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں نہ صرف بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں بہت کمزور تھیں بلکہ بہت جلد انہوں نے آپس میں بھی لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا' جس کے نتیجے میں ان کے زیر تسلط علاقے بہت جلد انتشار اور طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے شام اور اُردن کے ہمسایہ علاقوں میں بسنے والی مشرک اقوام نے ان پر تسلط حاصل کر کے ان کی بیشتر آبادی کو اس علاقے سے نکال باہر کیا۔

اس حالت کو پہنچنے پر انہوں نے اپنے نبی حضرت سموئیلؑ سے مطالبہ کیا کہ اُن کے لیے ایک بادشاہ یا سپہ سالار مقرر کر دیں تا کہ اس کی قیادت میں تمام قبیلے اکٹھے ہو کر جہاد کریں۔ اس مطالبے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت کو اُن کا بادشاہ مقرر کیا گیا۔ حضرت طالوت نے دشمن افواج کے خلاف لشکر کشی کی' جن کا سپہ سالار جالوت تھا۔ اس جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی شامل تھے۔ آپؑ نے جالوت کو قتل کر دیا' جس کے نتیجے میں دشمن لشکر پر بنی اسرائیل کو فتح نصیب ہوئی اور وہ علاقے میں ایک مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد آپؑ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ بنے۔

حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کے فتح ہونے سے لے کر طالوت اور جالوت کی جنگ تک تین سو سال کا وقفہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد حکومت اس تین سو سالہ دور کا نقطۂ عروج تھا۔ حضرت طالوت' حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا دورِ اقتدار تقریباً ایک سو سال کے عرصے پر محیط تھا۔ سولہ برس تک حضرت طالوت نے حکومت کی' اس کے بعد چالیس برس تک حضرت داؤدؑ اور پھر چالیس برس تک ہی حضرت سلیمانؑ برسر اقتدار رہے۔ یہ دور گویا بنی اسرائیل کی خلافتِ راشدہ کا دور تھا جو ہمارے دورِ خلافتِ راشدہ سے مماثلت رکھتا ہے۔ اگرچہ ان کی پہلی تین خلافتیں ایک سو برس کے عرصے پر محیط تھیں اور ہماری امت کی پہلی تین خلافتوں کا عرصہ چوبیس برس تھا' لیکن جس طرح اُن کے پہلے خلیفہ کا دورِ اقتدار مختصر اور بعد کے دونوں خلفاء کا دور نسبتاً طویل تھا اسی طرح ہمارے ہاں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت مختصر' جبکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا دور نسبتاً طویل تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں کیا تھا' چنانچہ شام اور مصر کے علاقے علیحدہ رہے تھے' بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کی مملکت بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد آپؑ کے

دو بیٹوں کے درمیان تقسیم ہوگئی۔ شمالی مملکت کا نام اسرائیل تھا جس کا دارالخلافہ سامریہ تھا' جبکہ جنوبی مملکت کا نام یہودیہ تھا اور اس کا دارالخلافہ یروشلم تھا۔

اس عظیم سلطنت کی تقسیم کے بعد بھی مادی اعتبار سے ایک عرصے تک بنی اسرائیل کا عروج برقرار رہا' لیکن رفتہ رفتہ عوام میں مشرکانہ عقائد' اوہام پرستی اور ہوسِ دنیا جیسی نظریاتی و اخلاقی بیماریاں پیدا ہوگئیں' اور احکامِ شریعت کا استہزا ان کا اجتماعی وطیرہ بن گیا۔ چنانچہ اخلاق و کردار کا یہ زوال منطقی طور پر ان کے مادی زوال پر منتج ہوا۔ بنی اسرائیل کا یہ عہدِ زوال بھی تقریباً تین سو سال ہی کے عرصے میں اپنی انتہا کو پہنچا۔ سب سے پہلے آشوریوں کے ہاتھوں ان کی شمالی سلطنت ''اسرائیل'' (سات آٹھ سو قبل مسیح کے لگ بھگ) تباہ ہوئی۔ اس کے بعد ۵۸۷ قبل مسیح میں عراق کے نمرود بخت نصر (Nebukadnezar) نے ان کی جنوبی سلطنت ''یہودیہ'' پر حملہ کیا اور پوری سلطنت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ یروشلم کو اس طرح تباہ و برباد کیا گیا کہ کسی عمارت کی دو اینٹیں بھی سلامت نہیں رہنے دی گئیں۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر کے اس کی بنیادیں تک کھود ڈالی گئیں۔ اس دوران بخت نصر نے چھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا جبکہ چھ لاکھ مَردوں' عورتوں اور بچوں کو جانوروں کی طرح ہانکتا ہوا بابل لے گیا' جہاں یہ لوگ سوا سو سال تک اسیری (Captivity) کی حالت میں رہے۔ ذلت و رسوائی کے اعتبار سے یہ ان کی تاریخ کا بدترین دور تھا۔

بنی اسرائیل کے دوسرے دورِ عروج کا آغاز حضرت عزیر علیہ السلام کی اصلاحی کوششوں سے ہوا۔ آپؑ کو بنی اسرائیل کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے نقیب کی حیثیت حاصل ہے۔ ۵۳۹ ق م میں ایران کے بادشاہ کیخورس (Cyrus) یا ذوالقرنین نے عراق (بابل) فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال اس نے بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی عام اجازت دے دی۔ چنانچہ یہودیوں کے قافلے فلسطین جانے شروع ہوگئے اور یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ ۴۵۸ ق م میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی ایک جلاوطن گروہ کے ساتھ یروشلم پہنچے اور اس شہر کو آباد کرنا شروع کیا اور ہیکل سلیمانی کی ازسرِنو تعمیر کی۔ اس سے قبل حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سو برس تک سلائے بھی رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سو سال کے لیے موت طاری کر دی تھی اور پھر انہیں زندہ کیا اور انہیں بچشم سر ان کے مردہ گدھے کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کرایا' جس کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۹) میں پڑھ آئے ہیں۔ بہرحال حضرت عزیر علیہ السلام نے توبہ کی منادی کے ذریعے ایک زبردست تجدیدی اور اصلاحی تحریک چلائی جس کے نتیجے میں ان کے نظریات اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہونا شروع ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے تورات کو بھی یادداشتوں کی مدد سے ازسرِنو مرتب کیا جو بخت نصر کے حملے کے دوران گم ہوگئی تھی۔

ایرانی سلطنت کے زوال' سکندر مقدونی کی فتوحات اور پھر یونانیوں کے عروج سے یہودیوں کو کچھ مدت کے لیے شدید دھچکا لگا۔ یونانی سپہ سالار انیٹوکس ثالث نے ۱۹۸ ق م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یونانی فاتحین نے پوری جابرانہ طاقت سے کام لے کر یہودی مذہب و تہذیب کی بیخ کُنی کرنا چاہی' لیکن بنی اسرائیل اس جبر سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندر ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں ''مکابی بغاوت'' کے نام سے مشہور

ہے۔ یہ حضرت عزیرؑ کی پھونکی ہوئی روحِ دینداری کا اثر تھا کہ انہوں نے بالآخر یونانیوں کو نکال کر اپنی ایک عظیم آزاد ریاست قائم کر لی جو ”مکابی سلطنت“ کہلاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے دوسرے دورِ عروج میں قائم ہونے والی یہ سلطنت ۱۷۰ ق م سے لے کر ۶۷ ق م تک پوری شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی۔ مکابی سلطنت اپنے وقت کی معلوم دنیا کے تمام علاقوں پر محیط تھی۔ چنانچہ رقبے کے اعتبار سے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے بھی وسیع تھی۔ اس زمانہ عروج میں پھر سے ان کی نظریاتی واخلاقی حالت بگڑنے لگی۔ مشرکانہ عقائد سمیت بہت سی اخلاقی برائیاں پھر سے اُن میں پیدا ہوگئیں، جن کے نتیجے میں ایک دفعہ پھر یہ قوم عذاب خداوندی کی زد میں آ گئی۔

مکابی تحریک جس اخلاقی و دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی اور بے روح ظاہر داری نے لے لی۔ آخر کار ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے خود رومی فاتح پومپئی کو فلسطین آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ پومپئی نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ رومیوں نے فلسطین میں اپنے زیر سایہ ایک دیسی ریاست قائم کر دی جو بالآخر ۴۰ ق م میں ہیرود نامی ایک ہوشیار یہودی کے قبضے میں آئی۔ یہ شخص ہیرود اعظم کے نام سے مشہور ہے اور اس کی فرماں روائی پورے فلسطین اور شرقِ اردن پر ۴۰ سے ۴ ق م تک رہی۔ اس شخص نے رومی سلطنت کی وفاداری کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کر کے قیصر کی خوشنودی حاصل کر لی تھی۔ اس زمانے میں یہودیوں کی دینی واخلاقی حالت گرتے گرتے زوال کی آخری حد کو پہنچ گئی تھی۔ ہیرود اعظم کے بعد اس کی ریاست اس کے تین بیٹوں کے درمیان تقسیم ہوگئی۔ لیکن ۶ء میں قیصر آگسٹس نے ہیرود کے بیٹے ارخلاؤس کو معزول کر کے اس کی پوری ریاست اپنے گورنر کے ماتحت کر دی اور ۴۱ء تک یہی انتظام قائم رہا۔ یہی زمانہ تھا جب حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے اٹھے تو یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے مل کر ان کی مخالفت کی اور انہیں واجب القتل قرار دے کر رومی گورنر پونٹس پیلاطس سے ان کو سزائے موت دلوانے کی کوشش کی اور اپنے خیال کے مطابق تو ان کو سولی پر چڑھوا ہی دیا۔

رومیوں نے ۴۱ء میں ہیرود اعظم کے پوتے ”ہیرود اگرپا“ کو ان تمام علاقوں کا حکمران بنا دیا جن پر ہیرود اعظم اپنے زمانے میں حکمران تھا۔ اس شخص نے برسر اقتدار آ کر مسیح علیہ السلام کے پیروؤں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ کچھ ہی عرصے بعد یہودیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہوگئی اور ۶۴ء تا ۶۶ء کے دوران یہودیوں نے رومیوں کے خلاف کھلی بغاوت کر دی، جو اُن کے عروج ثانی کے خاتمے پر منتج ہوئی۔ یہودیوں کی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لیے بالآخر رومی سلطنت نے ایک سخت فوجی کارروائی کی اور ۷۰ء میں ٹائٹس (Titus) نے بزورِ شمشیر یروشلم کو فتح کر لیا۔ ہیکل سلیمانی ایک دفعہ پھر مسمار کر دیا گیا۔ جنرل ٹائیٹس کے حکم پر شہر میں قتل عام ہوا۔ ایک دن میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہودی قتل ہوئے، جبکہ ۶۷ ہزار کو غلام بنا لیا گیا۔ اس طرح رومیوں نے پورے شہر میں کوئی متنفس باقی نہ چھوڑا۔ اس کے ساتھ ہی ارضِ فلسطین سے بنی اسرائیل کا عمل دخل مکمل طور پر ختم ہوگیا۔ بیسویں صدی کے شروع تک پورے دو ہزار برس یہ لوگ جلاوطنی اور انتشار (Diaspora) کی حالت میں ہی رہے۔ جنرل ٹائیٹس کے ہاتھوں ۷۰ء میں ہیکل سلیمانی مسمار ہوا تو آج تک تعمیر نہ ہو سکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش (۵۷۱ء) کے وقت اسے مسمار ہوئے پانچ سو برس گزر چکے تھے۔

یہ خلاصہ ہے اُس قوم کی داستانِ عبرت کا جو اپنے وقت کی اُمّتِ مُسلمہ تھی۔ جس کے اندر چودہ سو برس تک مسلسل نبوت رہی۔ جس کو تین الہامی کتابوں سے نوازا گیا اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ (البقرۃ) ''اے بنی اسرائیل یاد کرو میری وہ نعمت جو میں نے تم لوگوں کو عطا کی اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت دی تمام جہانوں والوں پر۔''

آخر کار بنی اسرائیل کو اُمّتِ مُسلمہ کے منصب سے معزول کر کے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو اس مَسندِ فضیلت پر متمکّن کیا گیا۔ حضور ﷺ نے اپنی اُمّت کے بارے میں فرمایا کہ تم لوگوں پر بھی عین وہی حالات وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں کو پہلا عروج عربوں کے زیر قیادت نصیب ہوا۔ اس کے بعد جب زوال آیا تو صلیبیوں کی یلغار کی صورت میں ان پر عذاب کے کوڑے برسے۔ پھر تاتاریوں نے ہلاکو خان اور چنگیز خاں کی قیادت میں عالم اسلام کو تاخت و تاراج کیا۔ اس کے بعد قدرت نے عالم اسلام کی قیادت عربوں سے چھین کر انہی تاتاریوں کے ہاتھوں میں دے دی' جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا تھا ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

چنانچہ ترکوں کی قیادت میں اس اُمت کو ایک دفعہ پھر عروج نصیب ہوا۔ ترکانِ تیموری' ترکانِ صفوی' ترکانِ سلجوقی اور ترکانِ عثمانی نے دنیا میں عظیم الشان حکومتیں قائم کیں۔ اس کے بعد اُمت مسلمہ پر دوسرا دورِ زوال آیا۔ بنی اسرائیلؑ پر دوسرا دورِ عذاب یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھوں آیا تھا جبکہ اُمتِ مسلمہ پر دوسرا عذاب اقوامِ یورپ کے تسلط کی صورت میں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انگریز' فرانسیسی' اطالوی' ہسپانوی اور ولندیزی (Dutch) پورے عالم اسلام پر قابض ہو گئے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں عظیم عثمانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ ان حالات و واقعات کا خلاصہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے آیت زیرِ نظر میں فرمایا ہے کہ ہم نے تو پہلے ہی بنی اسرائیل کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ تم لوگ اپنی تاریخ میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور سرکشی دکھاؤ گے۔

آیت ۵ ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىہُمَا بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَکَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ﴿۵﴾﴾ ''پھر جب ان دونوں میں سے پہلے وعدے کا وقت آ گیا تو ہم نے تم پر مسلط کر دیے اپنے سخت جنگجو بندے تو وہ تمہاری آبادیوں میں گھس گئے' اور (یوں ہمارا) جو وعدہ تھا وہ پورا ہو کر رہا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم پر واضح کیا گیا تھا کہ جب تم لوگ دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے' جب تم اللہ کی کتاب اور اس کے احکام کو ہنسی مذاق بنا لو گے تو تم ضرور اللہ کے عذاب کا نشانہ بنو گے۔ چنانچہ ان کے دین سے برگشتہ ہو جانے کے بعد آشوریوں اور عراق کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں ان پر عذاب کا کوڑا برسا' جس کے نتیجے میں دونوں اسرائیلی سلطنتیں ختم ہو گئیں' یروشلم مکمل طور پر تباہ ہو گیا' ہیکلِ سلیمانی مسمار کر دیا گیا' چھ لاکھ

یہودی قتل ہو گئے جبکہ چھ لاکھ کو غلام بنا لیا گیا۔

آیت ۶ ﴿ثُمَّ رَدَدۡنَا لَکُمُ الۡکَرَّۃَ عَلَیۡہِمۡ﴾ ''پھر ہم نے تمہاری باری لوٹائی ان پر''

یعنی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر تمہیں سہارا دیا اور ان پر غلبے کا موقع عطا کر دیا۔ اس سہارے کا باعث ایرانی بادشاہ کیخورس (Cyrus) یا ذوالقرنین بنا۔ اس نے عراق (بابل) پر تسلط حاصل کر لینے کے بعد تمہیں آزاد کر کے واپس یروشلم جانے اور اس شہر کو ایک دفعہ پھر سے آباد کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جب تم نے واپس آ کر یروشلم کو آباد کیا تو ہم نے ایک دفعہ پھر تمہاری مدد کی:

﴿وَ اَمۡدَدۡنٰکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ جَعَلۡنٰکُمۡ اَکۡثَرَ نَفِیۡرًا ﴿۶﴾﴾ ''اور ہم نے مدد کی تمہاری مال و دولت اور بیٹوں کے ذریعے سے اور بنا دیا تمہیں کثیر تعداد (والی قوم)۔''

ہم نے تمہیں مال و اولاد میں برکت دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا دی۔ تم لوگ خوب پھلے پھولے اور جلد ہی ایک مضبوط قوم بن کر اُبھرے۔

آیت ۷ ﴿اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَ اِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَہَا ؕ﴾ ''اگر تم نے کوئی بھلائی کی تو خود اپنے ہی لیے کی' اور اگر کوئی برائی کمائی تو وہ بھی اپنے ہی لیے کمائی۔''

تمہارے نیک اعمال کا فائدہ بھی تمہیں ہوا اور تمہاری برائیوں اور نافرمانیوں کا وبال دنیا میں بھی تم پر آیا اور اس کا وبال آخرت میں بھی تم پر پڑے گا۔

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ﴾ ''پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا''

جب دوبارہ تم نے اللہ کے دین سے سرکشی اختیار کی' تمہارے اعتقادات' نظریات اور اخلاق پھر سے مسخ ہو گئے تو وعدے کے عین مطابق تم پر عذاب کے دوسرے مرحلے کا وقت آ پہنچا۔

﴿لِیَسُوۡٓءٗا وُجُوۡہَکُمۡ﴾ ''تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں''

اس سلسلے میں آیت ۵ میں یہ الفاظ آئے تھے: ﴿بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ﴾ کہ ہم نے تم پر اپنے بندے مسلط کر دیے جو سخت جنگجو تھے۔ اس فقرے کا مفہوم یہاں بھی پایا جاتا ہے' لیکن یہاں دوبارہ اسے دہرایا نہیں گیا۔ چنانچہ اس فقرے کو یہاں محذوف سمجھا جائے گا اور آیت کا مفہوم یوں ہو گا کہ ہم نے پھر تم پر اپنے سخت جنگجو بندے مسلط کیے تا کہ وہ تمہارے حلیے بگاڑ دیں۔

﴿وَ لِیَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ کَمَا دَخَلُوۡہُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ﴾ ''اور وہ داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے کہ داخل ہوئے تھے پہلی مرتبہ''

یہاں اشارہ ہے بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کی بارِ دگر بے حرمتی کی طرف۔ جیسے ۵۸۷ قبل مسیح میں بخت نصر نے بیت المقدس اور ہیکلِ سلیمانی کو مسمار کیا تھا' ویسے ہی رومی جرنیل ٹائیٹس نے ۷۰ء میں ایک دفعہ پھر ان کے تقدس کو پامال کیا۔

﴿وَّ لِیُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِیۡرًا ﴿۷﴾﴾ ''اور تباہ و برباد کر کے رکھ دیں (ہر اُس شے کو) جس کے اوپر بھی

انہیں قبضہ حاصل ہو جائے۔‘‘

ان آیات میں بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ کے نشیب و فراز کی تفصیلات کو سمو دیا گیا ہے۔ اس عرصے میں انہوں نے دو مرتبہ عروج دیکھا اور دو دفعہ ہی زوال سے دوچار ہوئے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے زمانے میں ان آیات کے نزول کے وقت ان کے دوسرے دورِ زوال کو شروع ہوئے پانچ سو برس ہونے کو آئے تھے۔ اس سیاق و سباق میں انہیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ:

آیت ۸ ﴿عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ﴾ ’’ہوسکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے‘ اور اگر تم نے وہی روش اختیار کی تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے۔‘‘

اگر تم نے پہلے کی طرح ہماری نافرمانیوں اور اَحکامِ شریعت سے اِعراض کی روش اختیار کی تو ہم بھی اسی طرح پھر تمہیں سزا دیں گے۔

﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ۝۸﴾ ’’اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔‘‘

نافرمانیوں کی سزا دنیا میں تو ملے گی ہی‘ جبکہ جہنم کا عذاب اس کے علاوہ ہو گا۔ جس طرح جانوروں کو گھیر کر باڑے میں بند کر دیا جاتا ہے اسی طرح آخرت میں اللہ کے نافرمانوں کو اکٹھا کر کے جہنم کے قید خانے میں دھکیل دیا جائے گا۔ (اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مَعَھُمْ!)

آیت ۹ ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ﴾ ’’یقیناً یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اس راہ کی طرف جو سب سے سیدھی ہے‘‘

یاد رکھو! اب راہِ ہدایت وہی ہو گی جس کی نشان دہی یہ کتاب کرے گی جسے ہم اپنے آخری رسول ﷺ پر نازل کر رہے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے قصرِ رحمت میں داخل ہونے کا ’’شاہدرہ‘‘ ایک ہی ہے اور وہ ہے یہ قرآن۔ اب اگر تم اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ لینا چاہتے ہو تو اس قرآن کے راستے سے ہو کر آؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو اللہ کی رحمت کے دروازے ایک بار پھر تمہارے لیے کھل جائیں گے اور جو نعمتیں اور برکتیں اس آخری نبی ﷺ کی اُمت کے لیے لکھی گئی ہیں تم بھی ان میں حصہ دار بن جاؤ گے۔

﴿وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ۝۹﴾ ’’اور بشارت دیتا ہے اُن اہل ایمان کو جو نیک عمل بھی کریں کہ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝۱۰﴾ ’’اور یہ کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے آخرت پر‘ اُن کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے ایک دردناک عذاب۔‘‘

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ جہاں کہیں بھی اعمال کی خرابی کی بات ہوتی ہے وہاں ایمان بالآخرت کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔

اس رکوع کے حوالے سے یہ بات بہت اہم ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے آئینے میں جو تصویر دکھائی گئی ہے اس میں ہمارے لیے ایک دعوتِ فکر ہے۔ الحمد للہ! آج ہم (اُمّتِ محمد ﷺ) اُمّتِ مسلمہ ہیں‘

لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک زمانے میں بنی اسرائیل بھی اُمّتِ مسلمہ ہی تھے۔ وہ بحیثیتِ نسل آج بھی ایک قوم کے طور پر موجود ہیں مگر انہیں اُمّتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ اب ان لوگوں کی حیثیت سابقہ اُمتِ مسلمہ کی ہے اور پچھلے دو ہزار برس سے یہ لوگ بہت زیادہ سختیوں کا شکار رہے ہیں۔ ہمیں ان کی قومی تاریخ کے نشیب وفراز کا جائزہ لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ کون سے عوامل تھے اور ان کے عقائد واعمال کی وہ کون سی خرابیاں تھیں جن کے باعث وہ لوگ اللہ کے ہاں مغضوب ومعتوب ٹھہرے۔

یہاں دوسرا نکتہ یہ ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ سابقہ اور موجودہ اُمتوں کے درمیان مقابلے کے لیے میدان تیزی سے تیار ہو رہا ہے اور یوں سمجھئے کہ دو پتنگیں اوپر چڑھ رہی ہیں' جن کے درمیان پیچ پڑنے والا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے انتہائی زوال کو پہنچنے کے بعد بحیثیت ایک قوم کے پچھلے ایک سو سال سے مادی لحاظ سے رو بہ ترقی ہیں۔ ان کی پتنگ ۱۹۱۷ء میں بالفور (Balfor) ڈیکلریشن کی منظوری سے اوپر چڑھنا شروع ہوئی اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ریاست معرضِ وجود میں آ گئی۔ ۱۹۶۷ء میں اس کی مزید توسیع عمل میں آئی اور اس کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے غیر معمولی اقدامات کیے گئے۔ عرب دنیا کا واحد ملک عراق تھا جس سے اسرائیل کو خطرہ ہو سکتا تھا' اسے باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت تباہ وبرباد کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس پورے خطے میں اب کوئی ایسا ملک نہیں جو اسرائیل کی طاقت کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

دوسری طرف دیکھا جائے تو مسلم دنیا بھی اپنے زوال کی آخری حدوں کو چھونے کے بعد اب بیداری کی طرف مائل ہے اور اس اُمّت کے اندر نئی زندگی پیدا ہونے کا وقت قریب نظر آتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۴ء میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ گویا ہمارے زوال کی انتہا تھی۔ اس کے بعد عالمِ اسلام میں آزادی کی تحریکیں چلیں اور متعدد مسلم ممالک یورپی اقوام کے تسلط سے آزاد ہو گئے۔ مزید برآں اُمّتِ مسلمہ میں بہت سی احیائی تحریکیں اٹھیں' مثلاً پاک وہند میں جماعت اسلامی' مصر میں الاخوان المسلمون☆' ایران میں فدائی تحریک اور انڈونیشیا میں مسجومی پارٹی وغیرہ' اور اس طرح اس کی نشاۃِ ثانیہ کے عمل کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ پچھلی صدی سے اُمتِ مسلمہ کی صفوں میں زوال اور احیائی عمل پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔ جیسے سورۃ الرحمٰن میں متوازی چلنے والے دو دریاؤں کی مثال دی گئی ہے: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾﴾ ''اس نے دو دریا رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں۔ دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے''۔ اب صورت حال یہ ہے کہ سابقہ اور موجودہ اُمتِ مسلمہ کی صورت میں دو پتنگیں فضا میں تیر رہی ہیں اور ان کا آپس میں کسی وقت بھی پیچ پڑ سکتا ہے۔

یہ تمام تفصیلات ان لوگوں کے علم میں ہونی چاہئیں جو دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ انہیں زمان ومکان کے اعتبار سے درست ادراک ہونا چاہیے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں' ان کے دائیں بائیں کیا حالات ہیں؟ ماضی میں کیا ہوتا رہا ہے' ابھی سامنے کیا کچھ ہے اور مستقبل میں کیا امکانات ہیں؟

☆ یہاں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مصر کے موجودہ انتخابات (۲۰۱۲-۱۳ء) میں الاخوان المسلمون واضح اکثریت کے ساتھ برسراقتدار آ چکی ہے۔ (مرتب)

آیات ۱۱ تا ۲۲

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاۗءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝۱۱ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝۱۲ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ
عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ
عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝۱۴ ۭ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ
قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝۱۶ وَكَمْ اَهْلَكْنَا
مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝۱۷ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا
مَّدْحُوْرًا ۝۱۸ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَّشْكُوْرًا ۝۱۹ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰
اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝۲۱ لَا
تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝۲۲ ع ۲

آیت ۱۱ ﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاۗءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ﴾ ’’اور انسان شر مانگ بیٹھتا ہے (اپنے نزدیک) بھلائی مانگتے ہوئے۔‘‘

یعنی انسان اللہ سے دعا کر رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! میرے لیے یوں کر دے یوں کر دے۔ حالانکہ اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ اپنے لیے مانگ رہا ہے وہ اس کے لیے مفید ہے یا مضر۔ اس طرح انسان اپنے لیے اکثر وہ کچھ مانگ لیتا ہے جو اس کے لیے الٹا نقصان دہ ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے: ﴿عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــــًٔـا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۱۶﴾ ’’ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے شر ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے‘‘۔ چنانچہ بہتر لائحہ عمل یہ ہے کہ اللہ پر توکّل کرتے ہوئے انسان اپنے معاملات اس کے حوالے کر دے کہ اے اللہ! میرے معاملات تیرے سپرد ہیں‘ کیونکہ میرے نفع و نقصان کو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے: ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را   تو دانی حسابِ کم و بیش را!

دعائے استخارہ میں بھی ہمیں تفویضِ امر کا یہی انداز سکھایا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (۱)

''اے اللہ! میں تیرے علم کی بدولت تجھ سے خیر چاہتا ہوں اور تیری قدرت کی برکت سے طاقت مانگتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فضل عظیم کا' بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں' تو سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ بھی نہیں جانتا' اور تو ہر قسم کے غیب کو جاننے والا ہے۔''

بہر حال انسان کا عمومی رویہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر توکل کرنے کے بجائے اپنی عقل اور سوچ پر انحصار کرتا ہے اور اس طرح اپنے لیے خیر کی جگہ شر کی دعائیں کرتا رہتا ہے۔

﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾﴾ ''اور انسان بہت جلد باز ہے۔''

اپنی اس جلد بازی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے وہ شر کو خیر اور خیر کو شر سمجھ بیٹھتا ہے۔

آیت ۱۲ ﴿وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اور ہم نے بنایا رات اور دن کو دو نشانیاں' تو تاریک کر دیا ہم نے رات کی نشانی کو اور روشن بنا دیا ہم نے دن کی نشانی کو' تاکہ تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل''

دن کو روشن بنایا تاکہ اس کی روشنی میں تم لوگ آسانی سے کسبِ معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکو۔

﴿وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿۱۲﴾﴾ ''اور تاکہ تم جان لو سالوں کی گنتی اور (نظام الاوقات کا) حساب' اور ہر چیز کو ہم نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔''

یہ دن اور رات کا الٹ پھیر ہی ہے جو نظام الاوقات کا بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے اور دنوں سے ہفتے' مہینے اور پھر سال بنتے ہیں۔

آیت ۱۳ ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ﴾ ''اور ہر انسان کی قسمت چپکا دی ہے ہم نے اس کی گردن میں۔''

''طائر'' کا لفظ عربی میں عام طور پر شگون' نحوست اور بدقسمتی کے لیے بولا جاتا ہے' لیکن یہاں پر خوش بختی اور بدبختی دونوں ہی مراد ہیں۔ یعنی کسی انسان کا جو بھی مقسوم و مقدور ہے' زندگی میں اچھا برا جو کچھ بھی اسے ملنا ہے' جیسے بھی اچھے برے حالات اسے پیش آنے ہیں' اس سب کچھ کے بارے میں اس کا جو کھاتہ ''اُمّ الکتاب'' میں موجود ہے اس کا حاصل اس کی گردن میں چپکا دیا گیا ہے۔ گردن میں چپکانے کے الفاظ کا استعمال محاورۃً بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کچھ مادی حقیقت بھی ہو۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی گردن میں کسی gland کی صورت میں واقعی کوئی مائیکرو کمپیوٹر نصب کر رکھا ہو۔ واللہ اعلم!

﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾﴾ ''اور ہم نکال لیں گے اس کے لیے قیامت

(۱) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب الدعاء عند الاستخارۃ۔ وسنن الترمذی' ابواب الصلاۃ' باب ما جاء فی صلاۃ الاستخارۃ۔

کے روز (اسے) ایک کتاب (کی شکل میں) وہ پائے گا اسے کھلی ہوئی۔"

ان الفاظ سے تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ انسانی جسم کے اندر ہی کوئی ایسا سسٹم لگا دیا گیا ہے جس میں اس کے تمام اعمال وافعال ریکارڈ ہو رہے ہیں اور قیامت کے دن ایک chip کی شکل میں اسے اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس chip کے اندر اس کی زندگی کی ساری فلم موجود ہو گی' ایک ایک حرکت جو اُس نے کی ہو گی' ایک ایک لفظ جو اس نے منہ سے نکالا ہو گا' ایک ایک خیال جو اس کے ذہن میں پیدا ہوا ہو گا' ایک ایک نیت جو اس کے دل میں پروان چڑھی ہو گی' سب ڈیٹا پوری تفصیل کے ساتھ اس میں محفوظ ہو گا۔ روز قیامت اس chip کو کھول کر کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور کہا جائے گا:

آیت ۱۴ ﴿اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ؕ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا ﴿ؕ۱۴﴾﴾ "پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود ہی اپنا حساب کر لینے کے لیے کافی ہو۔"

تمہاری زندگی کی کتاب کا ایک ایک ورق اس قدر تفصیل سے تمہارے سامنے موجود ہے کہ تم خود ہی اپنا حساب کر سکتے ہو۔ تمہارا سارا debit/credit تمہارے سامنے ہے۔

آیت ۱۵ ﴿مَنِ اہۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَہۡتَدِیۡ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیۡہَا ؕ﴾ "جس کسی نے ہدایت کی راہ اختیار کی تو اُس نے اپنے ہی (بھلے کے) لیے ہدایت کی راہ اختیار کی' اور جو کوئی گمراہ ہوا تو اُس کی گمراہی کا وبال اُسی پر ہے۔"

﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ؕ﴾ "اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی۔"

روزِ قیامت ہر کسی کو اپنی بداعمالیوں کا بوجھ ذاتی طور پر خود ہی اٹھانا ہو گا۔ اس سلسلے میں کوئی کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکے گا۔ سب اپنے اپنے اعمال کا انبار اپنے اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوں گے۔

﴿وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾﴾ "اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ کسی بھی قوم پر عذابِ استیصال اُس وقت تک نہیں بھیجا گیا جب تک کہ اس قوم کی ہدایت کے لیے اور حق و باطل کا فرق واضح کر دینے کے لیے کوئی رسولؑ مبعوث نہیں کر دیا گیا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے عذاب اس قانون سے مشروط نہیں۔ قرآن میں قوم نوحؑ' قوم ہودؑ' قومِ صالحؑ وغیرہ کی مثالیں بار بار بیان کی گئی ہیں جن سے اس اصول کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ کسی قوم کو عذاب کے ذریعے اس وقت تک مکمل طور پر تباہ و برباد نہیں کیا جاتا جب تک اللہ کا مبعوث کردہ رسولؑ اس قوم کے لیے حق کا حق ہونا بالکل واضح نہ کر دے اور اس سلسلے میں اُس قوم پر اتمامِ حجت نہ ہو جائے۔ یہی مضمون سورۃ النساء' آیت ۱۶۵ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ﴾ "(اُس نے بھیجے) رسولؑ خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت رسولوں کے بعد۔"

آیت ۱۶ ﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا﴾ ''اور جب ہم ارادہ کرتے کہ تباہ کر دیں کسی بستی کو تو ہم اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے اور وہ اس میں خوب نافرمانیاں کرتے''

﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ⑯﴾ ''پس ثابت ہو جاتی اس پر (عذاب کی) بات' پھر ہم اس کو بالکل نیست و نابود کر دیتے۔''

یہاں کسی بستی پر عذابِ استیصال کے نازل ہونے کا ایک اصول بتایا جا رہا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں اس کا سبب وہاں کے دولت مند اور خوشحال لوگ بنتے ہیں۔ یہ لوگ علی الاعلان اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی دیدہ دلیری کے سبب ان کی رسی مزید دراز کی جاتی ہے' یہاں تک کہ وہ اپنی عیاشیوں اور من مانیوں میں تمام حدیں پھلانگ کر پوری طرح عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں' عوام انہیں ان کے کرتوتوں سے باز رکھنے کے لیے کوئی کردار ادا نہیں کرتے' بلکہ ایک وقت آتا ہے جب وہ بھی ان کے ساتھ جرائم میں شریک ہو جاتے ہیں اور یوں ایسا معاشرہ اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ ایسے میں صرف وہی لوگ عذاب سے بچ پاتے ہیں جو نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے ہوں۔

آیت ۱۷ ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ⑰﴾ ''اور کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا نوحؑ کے بعد۔ اور کافی ہے آپؐ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے اور ان کو دیکھنے کے لیے۔''

آیت ۱۸ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ ''جو کوئی عاجلہ کا طلب گار بنتا ہے ہم اس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں سے جو کچھ ہم چاہتے ہیں' جس کے لیے چاہتے ہیں''

یہاں پر ''دنیا'' کی بجائے ''عاجلہ'' کا لفظ آیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ مؤنث ہیں۔ ''ادنیٰ'' قریب کی چیز کو کہا جاتا ہے' اس کی مونث ''دنیا'' ہے جبکہ ''عاجل'' کے معنی جلدی والی چیز کے ہیں اور اس کی مؤنث ''عاجلہ'' ہے۔ یہ دنیا نقد کا سودا ہے' یہاں پر راحت بھی فوراً آسودگی دیتی ہے اور اس کی تکلیف بھی فوری طور پر خود کو محسوس کراتی ہے۔ اسی لیے اسے ''عاجلہ'' کہا گیا ہے۔ عاجلہ کے مقابلے میں آیت زیر نظر میں ''آخرت'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ قرآن حکیم میں اکثر ''دنیا'' کے مقابلے میں بھی آتا ہے۔ دنیا یا عاجلہ کے مقابلے میں آخرت کو آخرت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثواب و عذاب بعد میں آنے والی چیز ہے۔

آیت زیر نظر میں جو اصول بیان ہوا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی عیش اور دنیا کی دولت و شہرت حاصل کرنے کا خواہش مند ہو اور صرف اسی کے لیے منصوبہ بندی' محنت اور دوڑ دھوپ کرے' اس کی محنت اور دوڑ دھوپ کو اللہ کسی نہ کسی درجہ میں کامیاب کر دیتا ہے' مگر ضروری نہیں کہ جس قدر کوئی دنیا سمیٹنا چاہے اسی قدر اسے مل بھی جائے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کوئی بھی اس ''عاجلہ'' کو پانے کی دوڑ میں شامل ہو' کامیاب ٹھہرے' بلکہ ہر کسی کو وہی کچھ ملے گا جو اللہ چاہے گا' اور صرف اسی کو ملے گا جس کے لیے وہ چاہے گا۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حصولِ دنیا کے لیے ساری عمر اپنے آپ کو ہلکان کر دیتے ہیں' مگر دنیا پھر بھی ہاتھ نہیں آتی۔

چنانچہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ جس کو وہ چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے دنیا میں اس کی محنت کا صلہ دے دیتا ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱﴾ ''پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنم۔ وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ' دھتکارا ہوا۔''

اس شخص کی خواہش اور محنت سب دنیا کے لیے کی تھی' چنانچہ دنیا کسی نہ کسی قدر اسے دے دی گئی۔ آخرت کے لیے اس نے خواہش کی تھی اور نہ محنت' لہٰذا آخرت میں سوائے جہنم کے اس کے لیے اور کچھ نہیں ہوگا۔

آیت ۱۹ ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''اور جو کوئی آخرت کا طلب گار ہو' اور اس کے لیے اس کے شایانِ شان کوشش کرے اور وہ مؤمن بھی ہو''

یعنی اس کی یہ طلب صرف زبانی دعویٰ تک محدود نہ ہو' بلکہ حصولِ آخرت کے لیے وہ ٹھوس اور حقیقی کوشش بھی کرے' جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہل ایمان میں سے ہو' کیونکہ ایمان کے بغیر اللہ کے ہاں بڑی سے بڑی نیکی بھی قابل قبول نہیں ہے۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ⑲﴾ ''تو یہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش کی قدر افزائی کی جائے گی۔''

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! یہ آیت ہم میں سے ہر ایک کے لیے لٹمس ٹیسٹ ہے۔ اس ٹیسٹ کی مدد سے ہر شخص ٹھیک سے معلوم کر سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے کس موڑ پر' کس حیثیت سے کھڑا ہے؟ چنانچہ ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی منصوبہ بندیوں اور شبانہ روز بھاگ دوڑ کی ترجیحات کا تجزیہ کر کے اپنا احتساب کرے کہ وہ کس قدر دنیا کا طالب ہے اور کس حد تک فلاحِ آخرت کو پانے کا خواہش مند؟ بہرحال دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا اور پھر اپنے قول و فعل سے اپنی ترجیحات کو ثابت کرنا ایک کٹھن اور دشوار کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آیت ۲۰ ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ﴾ ''ہم سب کو مدد پہنچائے جا رہے ہیں' ان کو بھی اور ان کو بھی' آپؐ کے رب کی عطا سے۔''

یہ دنیا چونکہ دار الامتحان ہے اس لیے جب تک انسان یہاں موجود ہیں' ان میں سے کوئی مجرم ہو یا اطاعت گزار' ہر ایک کی بنیادی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش ہے جس میں سے وہ اپنے نافرمانوں اور دشمنوں کو بھی نواز رہا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ⑳﴾ ''اور آپؐ کے رب کی عطا رُکی ہوئی نہیں ہے۔''

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اور بخشش عام ہے۔ اس میں دوست اور دشمن کے امتیاز کی بنیاد پر کوئی قدغن یا روک ٹوک نہیں ہے۔

آیت ۲۱ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ﴾ ''دیکھو کیسے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے!''

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بعض لوگوں کو مال و اسباب' ذہنی و جسمانی صلاحیتوں' شکل و صورت اور مقام و

مرتبے میں بعض دوسروں پر فضیلت دے رکھی ہے۔ یہ اس کی مرضی اور مشیت کا معاملہ ہے۔

﴿وَلَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكۡبَرُ تَفۡضِيۡلًا﴾ ''لیکن آخرت کی زندگی درجات اور فضیلت میں اس سے بہت بڑھ کر ہوگی۔''

دنیا میں تو درجات وفضائل جیسے بھی ہوں' جتنے بھی ہوں' محدود ہی ہوں گے' مگر آخرت کی نعمتیں اور نوازشیں ایسی لامحدود اور لامتناہی ہوں گی کہ ان کا موازنہ ومقابلہ دنیا کی کسی چیز سے ممکن ہی نہیں ہوگا۔ یہاں ایک شخص بیس پچیس سال کٹیا میں رہ لے گا اور ایک دوسرا شخص اتنا ہی عرصہ محل میں رہ لے گا تو کیا فرق واقع ہو جائے گا؟ آخر کار تو دونوں کو یہاں سے جانا ہے۔ لیکن آخرت کے آرام وآسائش ابدی ہوں گے۔ وہاں کے نعمتوں کے باغات کی اپنی ہی شان ہوگی: ﴿فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ﴾ (الواقعة) ''تو (اس کے لیے) آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔''

آیت ۲۲ ﴿لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا﴾ ''اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ' کہ پھر بیٹھے رہ جاؤ گے مذموم و بے سہارا ہو کر۔''

آئندہ دو رکوع اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں تورات کے احکامِ عشرہ (Ten Commandments) کو قرآنی اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ان احکام کے اندر تورات کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ ان احکام کا خلاصہ ہم سورۃ الانعام کے آخری حصے میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ یہاں پر وہی باتیں ذرا تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔

آیات ۲۳ تا ۴۰

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ
اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ﴿۲۳﴾ وَاخۡفِضۡ
لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ
بِمَا فِىۡ نُفُوۡسِكُمۡ ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى
حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ
الشَّيٰطِيۡنِ ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ
رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا
تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ
وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾ ع وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ
نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ

وَسَاۤءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ
جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ
اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا
تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾
وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ
كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ
مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

آیت ۲۳ ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ﴾ ''اور فیصلہ کر دیا ہے آپؐ کے رب نے کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اُس کے' اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

اللہ کے حقوق کے فوراً بعد والدین کے حقوق ادا کرنے کی تاکید اس سے پہلے ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۳ اور سورۃ النساء کی آیت ۳۶ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اس کے بعد سورۂ لقمان کی آیت ۱۴ میں یہی حکم چوتھی مرتبہ آئے گا۔

﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا﴾ ''اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کو ان میں سے کوئی ایک یا دونوں''

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾﴾ ''تو انہیں اُف تک مت کہو اور نہ انہیں جھڑکو' اور ان سے بات کرو نرمی کے ساتھ۔''

اگر کبھی والدین کی بات کو ٹالنا بھی پڑ جائے تو حکمت اور نرمی کے ساتھ ایسا کیا جائے۔ عقل اور منطق کے بل پر سینہ تان کر یوں جواب نہ دیا جائے کہ ان کا دل دکھے۔

آیت ۲۴ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ''اور جھکائے رکھو ان کے سامنے اپنے بازو عاجزی اور نیازمندی سے''

جب بھی اپنے والدین کے سامنے آؤ تو تمہاری چال ڈھال اور گفتگو کے انداز سے عاجزی وانکساری اور ادب واحترام کا اظہار ہونا چاہیے۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾﴾ ''اور دعا کرتے رہو: اے میرے رب ان

دونوں پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔“

اللہ تعالیٰ کے حضور ہر وقت ان کے لیے دعا گو رہنا چاہیے کہ اے اللہ جب میں ضعیف‘ کمزور اور محتاج تھا تو انہوں نے میری غذا‘ میرے آرام اور میری دوسری ضروریات کا انتظام کیا۔ میری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا اور میرے لیے اپنے آرام و آرائش کو قربان کیا۔ اب میں تو ان کے ان احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ اس لیے میں تجھی سے درخواست کرتا ہوں کہ تو ان پر رحم فرما اور اپنی خصوصی شفقت اور مہربانی سے اُن کی خطاؤں کو معاف فرما دے۔

آیت ۲۵ ﴿رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡ نُفُوۡسِكُمۡ ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِیۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِیۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾﴾ ”تمہارا رب خوب واقف ہے اس سے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم واقعی نیک ہو گے تو وہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کے لیے بڑا بخشنے والا ہے۔“

بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم پر کماحقہٗ عمل کرنا آسان کام نہیں۔ بڑھاپے میں انسان پر ”ارذلِ عمر“ کا مرحلہ بھی آتا ہے‘ جس کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿لِكَیۡ لَا یَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا ؕ﴾ (النحل: ۷۰)۔ ایسی کیفیت میں کبھی بچوں کی سی عادتیں لوٹ آتی ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ناقابلِ عمل اور اکثر احکام ناقابلِ تعمیل ہوتے ہیں۔ کہیں انہیں سمجھانا بھی پڑتا ہے اور کبھی روکنے ٹوکنے کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ ان سب مراحل میں کوشش کے باوجود کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے اور کبھی نہ کبھی کوئی کوتاہی رہ ہی جاتی ہے۔ یہاں اس سیاق و سباق میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے ظاہری عمل اور رویے ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ چنانچہ اگر بندے کے دل کا رجوع اللہ کی طرف ہو اور نیت اس کی نافرمانی کی نہ ہو تو چھوٹی موٹی لغزشوں کو وہ معاف فرمانے والا ہے۔

آیت ۲۶ ﴿وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ﴿۲۶﴾﴾ ”اور حق ادا کرو قرابت داروں‘ مسکینوں اور مسافروں کا اور فضول میں مال مت اڑاؤ۔“

تبذیر کے معنی بلاضرورت مال اڑانے کے ہیں اور یہ اسراف سے بڑا جرم ہے۔ اسراف تو یہ ہے کہ کسی ضرورت میں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے۔ مثلاً کھانا کھانا ایک ضرورت ہے اور یہ ضرورت دو روٹیوں اور تھوڑے سے سالن سے بخوبی پوری ہو جاتی ہے‘ مگر اسی ضرورت کے لیے اگر کئی کھانوں پر مشتمل دسترخوان سجا دیے جائیں تو یہ اسراف ہے۔ اسی طرح کپڑا انسان کی ضرورت ہے جس کے لیے ایک دو جوڑے کافی ہیں۔ اب اگر الماریوں کی الماریاں طرح طرح کے جوڑوں‘ سوٹوں اور پوشاکوں سے بھری پڑی رہیں تو یہ اسراف کے زمرے میں آئے گا۔ اسراف کے مقابلے میں تبذیر سے مراد ایسے بے تحاشا اخراجات ہیں جن کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہو‘ مثلاً شادی بیاہ کی رسموں پر بے حساب خرچ کرنا اور نام و نمود کے لیے طرح طرح کے مواقع پیدا کر کے ان پر مال و دولت کو ضائع کرنا تبذیر ہے۔

آیت ۲۷ ﴿اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ﴾ ”یقیناً مال کو فضول اڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔“

یہاں پر مبذّرین کو جو شیاطین کے بھائی قرار دیا گیا ہے‘ اس کی منطق اور بنیاد کیا ہے؟ یہ بات جب میری سمجھ میں آئی تو مجھ پر قرآن کے اعجاز کا ایک نیا پہلو منکشف ہوا۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۱ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَ الۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَ الۡمَیۡسِرِ......﴾ ”شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے شراب اور جوئے کے ذریعے سے......“ اس آیت کے مضمون پر غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ شراب اور جوا شیطان کے وہ خطرناک ہتھیار ہیں جن کی مدد سے وہ انسانوں کے درمیان بغض و عداوت کی آگ کو بھڑکا کر اپنے ایجنڈے کی تکمیل چاہتا ہے۔ چنانچہ اگر شیطان کا ہدف انسانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض اور عداوت کے جذبات پیدا کرنا ہے تو اس کا یہ ہدف تبذیر کے عمل سے بھی بخوبی پورا ہو جاتا ہے اور یوں ”مبذّرین“ اس مکروہ ایجنڈے کی تکمیل کے لیے شیطان کے کندھے سے کندھا اور اس کے قدم سے قدم ملائے سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں۔ اس تلخ حقیقت کو ایک مثال سے سمجھیں۔ ذرا تصور کریں کہ ایک سیٹھ صاحب کی بیٹی کی شادی کے موقع پر اس کی کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی ہے‘ خوب دھوم دھڑکا ہے اور محض نمود و نمائش کے لیے مال و دولت کو بے دریغ لٹایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف اسی سیٹھ صاحب کا ایک ملازم ہے جو صرف اپنی غربت کے سبب اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے نہیں کر پا رہا اور سیٹھ صاحب کے یہ تمام تبذیری چلن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے لازمی طور پر اس غریب کے دل میں نفرت‘ بغض اور دشمنی کا لاوا جوش مارے گا۔ اب اگر اسے موقع ملے تو یہ آتش فشاں پوری شدت سے پھٹے گا اور وہ غریب ملازم اپنے مالک کا پیٹ پھاڑ کر اس کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح فضول لٹائی جانے والی دولت کی نمائش سے امراء کے خلاف معاشرے کے محروم لوگوں کے دلوں میں بغض و عداوت اور نفرت کی آگ بھڑکتی ہے اور یوں شیطان کے ایجنڈے کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی شیطانی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے معاونین کا کردار ادا کرنے کے باعث مبذرین کو یہاں ”اِخوان الشّیاطین“ قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾﴾ ”اور یقیناً شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے۔“

آیت ۲۸ ﴿وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡہُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ تَرۡجُوۡہَا﴾ ”اور اگر تمہیں اعراض کرنا ہی پڑ جائے اُن سے اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے“

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی محتاج اپنی کسی حاجت برآری کے لیے ایسے موقع پر آپ کے پاس آتا ہے جب آپ کے پاس بھی اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے اچھے دنوں اور فراخ دستی کی امید تو ہے مگر وقتی طور پر آپ سائل کی حاجت سے اعراض کرنے پر مجبور ہیں اور چاہتے ہوئے بھی اس کی مدد نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کسی وقت ایسی صورت حال کا سامان ہو:

﴿فَقُلۡ لَّہُمۡ قَوۡلًا مَّیۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾﴾ ”تو ان سے کہو نرم بات۔“

ایسے موقع پر سائل کو جھڑکو نہیں‘ بلکہ متانت اور شرافت سے مناسب الفاظ میں اس سے معذرت کر لو۔

آیت ۲۹ ﴿وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ﴾ ”اور نہ باندھ لو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ“

یہ استعارہ ہے بخل اور کنجوسی کا۔ یعنی آپ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر کسی کو کچھ دینے سے خود کو معذور نہ کر لیں۔

﴿وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ﴾ ''اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو''

بعض اوقات انسان کے اندر نیکی کا جذبہ اس قدر جوش کھاتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دینا چاہتا ہے۔

﴿فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾﴾ ''کہ پھر بیٹھے رہو ملامت زدہ ہارے ہوئے۔''

ایسا نہ ہو کہ ایک وقت میں تو جذبات میں آ کر انسان سارا مال قربان کر دے مگر بعد میں پچھتائے کہ یہ میں نے کیا کر دیا؟ اب کیا ہوگا؟ اب میری اپنی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟ چنانچہ انسان کو ہر حال میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

آیت ۳۰ ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ﴾ ''یقیناً تمہارا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)۔''

بعض اوقات اللہ کا کوئی بندہ چاہتا ہے کہ میں کوشش کر کے اپنے فلاں نادار رشتہ دار کے حالات بہتر کر دوں' مگر اس کی پوری کوشش کے باوجود اس کے حالات نہیں سدھرتے۔ ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ کسی کے رزق کی تنگی اور فراخی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے' اس میں تم لوگوں کو کچھ اختیار نہیں۔ لہٰذا تم لوگ اپنی سی کوشش کرتے رہو اور نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾﴾ ''یقیناً وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا (اور ان کے حالات کو) دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ﴾ ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مُفلسی کے اندیشے سے۔''

قدیم زمانے میں قتل اولاد کا محرک افلاس کا خوف ہوا کرتا تھا۔ آج کل ہمارے ہاں برتھ کنٹرول اور آبادی کی منصوبہ بندی کے بارے میں جو اجتماعی سوچ پائی جاتی ہے اور اس سوچ کے مطابق انفرادی اور اجتماعی سطح پر جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کی کئی صورتیں بھی اس آیت کے حکم میں آتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجموعی طور پر کوئی ایک حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کی تمام صورتیں حرام مطلق نہیں' بلکہ بعض صورتیں جائز بھی ہیں' جبکہ بعض مکروہ اور بعض حرام۔ مگر ایسی سوچ کو ایک اجتماعی تحریک کی صورت میں منظم کرنا بہرحال ایمان اور توکل علی اللہ کی نفی ہے۔ اس کوشش کا سیدھا اور صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے رازق ہونے پر ایمان و یقین نہیں اور وہ خود اپنی جمع تفریق سے حساب پورا کرنے کی کوششیں کرنا چاہتا ہے۔ دراصل انسان اللہ کے خزانوں اور وسائل کی وسعتوں کا کچھ اندازہ نہیں کر سکتا اور اسے اپنی اس کوتاہی اور معذوری کا ادراک ہونا چاہیے۔ مثلاً کچھ عرصہ پہلے تک انسان کو اندازہ نہیں تھا کہ سمندر کے اندر انسانی غذا کے کس قدر وسیع خزانے پوشیدہ ہیں اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ سمندری گوشت ﴿لَحۡمًا طَرِيًّا﴾ (النحل:۱۴ اور فاطر:۱۲) کی افادیت انسانی صحت کے لیے red meat کے

مقابلے میں کس قدر زیادہ ہے۔

اس ضمن میں ایک اہم بات یہ جاننے کی ہے کہ مختلف مانع حمل طریقوں اور کوششوں پر ''قتلِ اولاد'' کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا' لیکن باقاعدہ حمل ٹھہر جانے کے بعد اسے ضائع کرنا بہرحال قتل کے زمرے میں ہی آتا ہے۔

﴿نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِیَّاکُمۡ ؕ﴾ ''ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔''

تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں جو رزق مل رہا ہے وہ تمہاری اپنی محنت اور منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں' تمہارے حقیقی رازق ہم ہیں اور جیسے ہم تمہیں رزق دے رہے ہیں اسی طرح تمہاری اولاد کے رزق کا بندوبست بھی ہمارے ذمہ ہے۔

﴿اِنَّ قَتۡلَهُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ﴿۳۱﴾﴾ ''یقیناً ان کو قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے۔''

آیت ۳۲ ﴿وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی﴾ ''اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ''

یہاں ''زنا مت کرو'' کے بجائے وہ حکم دیا جا رہا ہے جس میں انتہائی احتیاط کا مفہوم پایا جاتا ہے کہ زنا کے قریب بھی مت پھٹکو۔ یعنی ہر اس معاملے سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھو جو تمہیں زنا تک لے جانے یا پہنچانے کا سبب بن سکتا ہو۔

﴿اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿۳۲﴾﴾ ''یقیناً یہ بہت بے حیائی کا کام ہے' اور بہت ہی بُرا راستہ ہے۔''

آیت ۳۳ ﴿وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ﴾ ''اور مت قتل کرو اُس انسانی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔''

یہاں ''حق'' سے مراد چند وہ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کا قتل جائز ہے۔ ان میں خون کا بدلہ خون' اسلامی ریاست میں مُرتد کی سزا موت' شادی شدہ زانی اور زانیہ کا رجم اور حربی کافر کا قتل شامل ہے۔

﴿وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّهٖ سُلۡطٰنًا﴾ ''اور جسے قتل کر دیا گیا مظلومی میں' تو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے''

اسلامی قانون میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ جان کے بدلے جان کی سزا پر اصرار کریں یا معاف کر دیں یا پھر خون بہا لے لیں۔ یہ تینوں اختیارات مقتول کے ورثاء ہی کو حاصل ہیں۔ کسی عدالت یا سربراہِ مملکت کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔

﴿فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ﴾ ''تو وہ بھی قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔''

یعنی جان کے بدلے جان کا فیصلہ ہو تو اس میں تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک آدمی کے بدلے مخالف فریق کے زیادہ لوگ قتل کر دیے جائیں' طریقہ قتل میں کسی قسم کی زیادتی کی جائے یا کسی بھی انداز میں اپنے اس اختیار کا ناجائز استعمال کیا جائے۔

﴿اِنَّهٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾﴾ ''اُس کی مدد کی جائے گی۔''

قاتل کو پکڑنے‘ اس پر مقدمہ چلانے اور انصاف دلانے تک کے طویل اور پیچیدہ عمل میں ہر مرحلے پر مقتول کے ورثاء کی مدد کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قتل کے مقدمات میں ریاست یا حکومت مدعی نہیں بنے گی‘ بلکہ مقتول کے ورثاء ہی مدعی ہوں گے۔ ہمارے ہاں جو ”سرکار بنام فلاں“ کے عنوان سے مقدمہ بنتا ہے وہ معاملہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ﴾ ”اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر احسن طریقے سے“

یہ آیت قبل ازیں ہم سورۃ الانعام (آیت ۱۵۲) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یعنی یتیم کے مال کو ہڑپ کرنے‘ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے یا اسے ضائع کرنے کی کوشش نہ کرو‘ بلکہ اس کی حفاظت کرو اور اسے ہر طرح سے سنبھال کر رکھو:

﴿حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ﴾ ”یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے“

﴿وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَہۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَہۡدَ کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۴﴾﴾ ”اور عہد کو پورا کرو‘ یقیناً عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“

آیت ۳۵ ﴿وَاَوۡفُوا الۡکَیۡلَ اِذَا کِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ؕ﴾ ”اور جب تم ناپو تو پیمانہ پورا بھرو‘ اور وزن کرو سیدھی ترازو کے ساتھ۔“

﴿ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۳۵﴾﴾ ”یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی خوب تر ہے۔“

اگر تم ناپ تول پورا کرتے ہو اور لین دین کے تمام معاملات دیانتداری سے سرانجام دیتے ہو تو حضرت شعیب علیہ السلام کے فرمان کے مطابق: ﴿بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۬ۚ﴾ (ھود:۸۶) ”اللہ کا دیا ہوا منافع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو“۔ دیانتداری سے کمایا ہوا منافع تھوڑا بھی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا کرے گا۔

آیت ۳۶ ﴿وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ﴾ ”اور مت پیچھے پڑو اُس چیز کے جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں۔“

بحیثیت اشرف المخلوقات انسان کا طرزِ عمل خالص علم پر مبنی ہونا چاہیے۔ اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کسی عمل یا نظریے کی بنیاد توہمات پر رکھے یا ایسی معلومات کو لائق اعتناء سمجھے جن کی کوئی علمی سند نہ ہو۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسانی علم کی بنیاد اور اس کا منبع کیا ہے؟ اس سلسلے میں ہم جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر انسانی علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک اکتسابی علم (acquired knowledge) اور دوسرا الہامی علم (revealed knowledge)۔ اکتسابی علم کی بنیاد وہی علم الاسماء ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا اور جس کا ذکر ہم سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں پڑھ آئے ہیں۔ اس علم کا تعلق انسانی حواس اور ذہن سے ہے۔ انسان اپنے حواس کی مدد سے یہ علم حاصل کر کے اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہتا ہے۔ جوں جوں انسان کے تجربے اور مشاہدے کا دائرہ پھیلتا ہے

اس علم میں بھی توسیع ہوتی جاتی ہے اور یوں یہ علم کرۂ ارض پر انسانی زندگی کے روزِ اوّل سے لے کر آج تک مسلسل ارتقا پذیر ہے۔ دوسری طرف الہامی علم ہے جس کا انسان کے حواس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس علم کے تمام ذرائع مثلاً وحی (جلی یا خفی)' الہام' کشف اور رؤیائے صادقہ (سچے خواب) کا تعلق انسان کے حیوانی وجود کے بجائے اس کے روحانی وجود سے ہے۔ انسانی روح اس علم کو براہِ راست موصول کرتی ہے اور اس کا مسکن و مرکز انسانی قلب ہے۔ اس سلسلے میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ انبیاء ﷺ پر نازل ہونے والی وحی' چاہے جلی ہو یا خفی' نبوت کا حصہ ہے اور علمی لحاظ سے ایک قطعی دلیل یا برہانِ قاطع ہے۔ لیکن کسی عام شخص کو وحی خفی' الہام یا کشف کے ذریعے ملنے والا علم دوسروں کے لیے کوئی علمی دلیل فراہم نہیں کرتا۔ ایسا علم صرف متعلقہ شخص کے لیے دلیل ہو سکتا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب وہ خلافِ شریعت نہ ہو۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو آیت زیر نظر میں انسان کا اکتسابی علم زیر بحث ہے۔

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝۳۶﴾ ''یقیناً سماعت' بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کے اکتساب و استعمال کے لیے حواسِ خمسہ (جن میں سے دو اہم ترین حواس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے) اور عقل سے نوازا ہے اور اس لحاظ سے اس کی ان صلاحیتوں کا احتساب بھی ہوگا۔ یہاں پر لفظ فؤاد بہت اہم ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ عام طور پر اس لفظ کا ترجمہ ''دل'' کیا گیا ہے' مگر اس ترجمے کے لیے کوئی لغوی بنیاد موجود نہیں۔ اس لفظ کا مادہ وہی ہے جس سے لفظ ''فائدہ'' مشتق ہے اور لفظ ''فائدہ'' کے معنی کسی چیز کے اس جوہر یا لُبِّ لُباب کے ہیں جو اس چیز میں سے اصل مقصود ہوتا ہے۔ پرانے دور کی کتب میں یہ انداز عام ملتا ہے کہ کوئی حکایت یا روایت بیان کرنے کے بعد اس کا نتیجہ بیان کرنے کے لیے لفظ ''فائدہ'' یا صرف ''ف'' لکھ دیا جاتا تھا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی تفصیل کے خلاصہ یا کسی کام کے نتیجہ کو فائدہ کہا جاتا ہے۔ لفظ ''فئید'' بھی اسی مادہ سے مشتق ہے۔ عربی میں ''فئید'' کسی سبزی یا گوشت وغیرہ کی بھجیا کو کہا جاتا ہے اور اس لفظ (فئید) میں بھی نتیجہ یا خلاصہ وغیرہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی گوشت وغیرہ کو ابالنے یا بھوننے سے جب اس کا فالتو پانی خشک ہو جاتا ہے تب اس میں سے بہت تھوڑی مقدار میں وہ چیز حاصل ہوتی ہے جس پر لفظ فئید کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس لغوی وضاحت کے بعد لفظ ''فؤاد'' کے مفہوم اور انسانی حواس کے ساتھ اس کے تعلق کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ حواسِ انسانی اپنے اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کر کے دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ دماغ کا کمپیوٹر ان معلومات کو process کرتا ہے' پہلے سے موجود اپنے ذخیرۂ معلومات کے ساتھ ان کا تطابق (tally) یا تقابل (compare) کر کے اس سارے عمل سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اور پھر اس نتیجہ کو اپنے ذخیرۂ معلومات (memory) میں محفوظ (store) کر لیتا ہے۔ اسی ذخیرۂ معلومات کا نام علم ہے اور انسان کی وہ قوت یا صلاحیت جو اس سارے عمل کو ممکن بناتی ہے ''فؤاد'' کہلانے کی مستحق ہے۔ عرفِ عام میں اس قوت یا صلاحیت کو عقل یا شعور کہا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک ''فؤاد'' کا درست ترجمہ عقل یا شعور ہی ہے۔

اس پورے تناظر میں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مفید حواس (sense organs) عطا کیے ہیں اور ان حواس سے حاصل ہونے والی معلومات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے اسے نوازا ہے۔ اب اگر انسان اپنے ان حواس سے استفادہ نہ کرے، عقل و شعور کی صلاحیت سے کوئی کام نہ لے اور اپنے نظریات کی بنیاد توہّمات پر رکھ لے تو وہ بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہوگا۔ مثلاً زلزلے کے بارے میں کبھی لوگوں میں یہ نظریہ مشہور تھا کہ ہماری یہ زمین ایک بیل نے اپنے ایک سینگ پر اٹھا رکھی ہے۔ جب وہ تھک جاتا ہے تو اسے دوسرے سینگ پر منتقل کرتا ہے، جس سے زلزلہ آ جاتا ہے۔ اس مضحکہ خیز نظریے کے لیے نہ تو قرآن و حدیث میں کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی انسان کے اکتسابی اور تجرباتی علوم اس کے لیے کوئی دلیل فراہم کرتے ہیں —— یہی وجہ ہے کہ انسان کو اپنی ان صلاحیتوں کے حوالے سے اس ہستی کے سامنے جوابدہ رکھا گیا ہے جس نے اسے یہ سب کچھ عطا کیا ہے۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ جس چیز یا خبر کی بنیاد میں الہامی یا اکتسابی و تجرباتی علم کی کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو، اسے قابل اعتناء نہ سمجھے اور اپنے افکار و نظریات کی بنیاد ایسے ٹھوس علمی حقائق پر رکھے جن کی وہ سائنٹیفک انداز میں توثیق و تصدیق بھی کر سکتا ہو۔ یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس نے علمی میدان میں نوعِ انسانی کی راہنمائی اس راستے کی طرف کی ہے جو انسان کے شایانِ شان ہے۔

یہاں پر ارسطو کے استخراجی فلسفے کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک مدت تک پوری دنیا میں اس فلسفے کا ڈنکا بجتا رہا۔ عالم اسلام میں بھی یہ فلسفہ بہت مقبول رہا اور کئی صدیوں کے بعد اب جا کر کہیں اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی ہے۔ استخراجی منطق (deductive knowledge) کے مطابق صرف دستیاب معلومات سے ہی نتائج اخذ کیے جاتے تھے۔ چنانچہ کسی موضوع پر جو تھوڑی بہت معلومات دستیاب ہوتی تھیں، وقت کے فلسفی اور حکیم انہی میں سے بال کی کھال اتار اتار کر نتائج اخذ کرتے رہتے تھے۔ اس کے مقابلے میں قرآن نے استقرائی منطق (inductive knowledge) کا فلسفہ متعارف کرایا اور انسان کو مشاہدے اور تجربے کی مدد سے مسلسل علم حاصل کرنے کی راہ دکھائی: ﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾﴾ (الغاشیۃ) ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے نصب کیے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کیسے ہموار کی گئی ہے!'' علامہ اقبال نے اس فکرِ قرآنی کی ترجمانی یوں کی ہے: ؎

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

فطرت اور مظاہر فطرت کے بارے میں ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے قوانین بہت مضبوط اور مستحکم ہونے کے باوجود اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ جب چاہے فطرت کے ان قوانین کو معطل کر سکتا ہے یا بدل سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اصل حقیقت یہی ہے کہ اس کائنات کا عمومی نظام بہت مضبوط، محکم اور اٹل طبعی اصول و قوانین پر چل رہا ہے اور ان قوانین کو معطل کرنے کے معجزات روز روز رونما نہیں ہوتے۔ سمندر حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے لیے نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک ہی دفعہ پھٹا تھا اور آگ نے ایک ہی دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کیا تھا۔ بہرحال دنیا میں طبعی سائنس (Physical Science) کی مختلف ٹیکنالوجیز کا وجود فطرت کے اٹل قوانین کا ہی مرہونِ منت ہے اور اسی وجہ سے آج طرح طرح کی سائنسی ترقی ممکن ہوئی ہے۔ اسی بنیاد پر قرآن ان مظاہرِ فطرت کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیتا ہے اور انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اللہ کی ان نشانیوں کو غور سے دیکھے' ان کے اندر کارفرما قوانین کا تجزیاتی مطالعہ کر کے نتائج اخذ کرے اور پھر ان نتائج کو کام میں لا کر اپنی زندگی میں ترقی کی نئی منازل تلاش کرے۔

علامہ اقبال نے اسی حوالے سے اپنے خطبات میں فرمایا ہے: "The inner core of the western civilization is Quranic." کہ موجودہ مغربی تہذیب کا اندرونی محور خالص قرآنی ہے' کیونکہ اس کی بنیاد سائنس پر ہے اور سائنسی علوم کی طرف انسان کی توجہ قرآن نے مبذول کروائی ہے۔ بہرحال قرآن انسان کو ہر قسم کے توہمات' رمل' نجوم' پامسٹری وغیرہ سے بیزار کر کے اپنے معاملات اور نظریات کی بنیاد ٹھوس علمی حقائق پر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔

انسانی زندگی کے سفر میں توازن رکھنے کے لیے مذکورہ دونوں قسم کے علوم (اکتسابی اور الہامی) اپنے اپنے دائرۂ عمل میں نہایت اہم ہیں۔ دونوں کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے فوراً بعد آپؑ کو علم الاسماء (یہ وہی علم ہے جس کا تعلق انسانی حواس سے ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ جس کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے) سے بھی نواز دیا گیا تھا اور آپؑ کو زمین پر بھیجتے وقت الہامی علم کی اتباع کی ہدایت بھی کر دی گئی تھی: ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ) ''پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت' تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔''

یورپی معاشرہ اس سلسلے میں بہت بڑی کوتاہی کا مرتکب ہوا ہے کہ اس معاشرے میں ساری توجہ اکتسابی علم پر مرکوز کر کے الہامی علم سے بالکل ہی صرفِ نظر کر لیا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو آنکھیں دی تھیں' ان میں ایک اکتسابی علم کی آنکھ تھی اور دوسری الہامی علم کی۔ یورپ میں ایک آنکھ کو مکمل طور پر بند کر کے ہر چیز کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے دوسری اکیلی آنکھ پر ہی انحصار کر لیا گیا۔ نتیجتاً نہ تو انسان کی سوچ میں اعتدال رہا نہ عمل میں توازن' اور یوں اس پورے معاشرے نے یک چشمی دجالیت کی شکل اختیار کر لی۔

آیت ۳۷ ﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝﴾

''اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو' نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکو گے۔''

تم جس قدر چاہو طاقت ور ہو جاؤ' اور ہماری زمین پر جتنا بھی اکڑ اکڑ کر اور پاؤں مار مار کر چل لو' تم اپنی طاقت سے زمین کو پھاڑ نہیں سکتے' اور جس قدر چاہو گردن اکڑا لو اور طُرّہ و دستار سے سر بلند کر لو' تم قد میں ہمارے پہاڑوں کے برابر تو نہیں ہو سکتے۔

آیت ۳۸ ﴿کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْهًا ۝﴾ ''ان سب باتوں کی برائی (کا پہلو)

تیرے رب کو بہت ناپسند ہے۔‘‘

یعنی یہ جتنے بھی احکام ہیں ان میں اوامر (Do's) بھی ہیں اور نواہی (Don'ts) بھی۔ جہاں کسی کام کے کرنے کا حکم ہے وہاں اسے نہ کرنا برائی ہے اور جہاں کسی کام سے روکا گیا ہے وہاں اس میں ملوث ہونا برائی ہے۔ اور نافرمانی اور برائی اللہ تعالیٰ کو ہر صورت میں ناپسند ہے۔

آیت ۳۹ ﴿ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾ ’’یہ ہے جو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہے حکمت میں سے۔‘‘

یہ احکامِ نوعِ انسانی کے لیے خزینۂ حکمت ہیں۔ انسانی تہذیب و تمدن‘ ثقافت اور اجتماعیت کے ان اصولوں پر کاربند ہو کر انسان اسی دنیا میں اپنی اجتماعی زندگی کو جنّت بنا سکتا ہے۔

﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۳۹﴾ ’’اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ورنہ تم جھونک دیے جاؤ گے جہنم میں ملامت زدہ‘ دھتکارے ہوئے۔‘‘

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ان احکام میں اول و آخر توحید کا حکم دیا گیا ہے۔ آغاز میں ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ﴾ کے الفاظ آئے تھے‘ جبکہ آخر میں اسی مضمون کو ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ کے الفاظ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنَاثًا ؕ﴾ ’’تو کیا تمہیں تو منتخب کر لیا ہے تمہارے رب نے بیٹوں کے ساتھ اور اپنے لیے بنا لی ہیں فرشتوں میں سے بیٹیاں؟‘‘

یہ اہل عرب کے اس عقیدے کا جواب ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ لوگ بیٹوں پر فخر کرتے تھے اور بیٹیوں کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے تھے۔ ان کی اسی سوچ کی بنیاد پر ان سے سوال کیا گیا ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے عار سمجھتے ہو اسے آخر کس منطق کے مطابق اللہ سے منسوب کرتے ہو؟

﴿اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ۝۴۰﴾ ’’یہ تو تم بہت بڑی (گستاخی کی) بات کہتے ہو!‘‘

آیات ۴۱ تا ۵۲

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝۴۱ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ
كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ۝۴۲ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا
كَبِیْرًا ۝۴۳ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ
بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝۴۴ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا
بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝۴۵ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً
اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی

اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ
الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ
كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ
قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ
عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۵

آیت ۴۱ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیا ہے اس قرآن میں (اپنی آیات کو) تاکہ یہ سبق حاصل کریں۔''

ان کی نصیحت کے لیے ہم نے قرآن میں اسلوب بدل بدل کر حق کو واضح کیا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں قرآن کا لفظ اور ذکر بار بار آیا ہے۔ گویا اس سورت کے مضامین کا تانا بانا قرآن سے متعلق ہے۔ اس سے پہلے آیت ۹ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾۔ آیت زیر نظر میں بھی قرآن کا ذکر ہے اور یہ ذکر اس انداز میں آئندہ آیات میں بھی بار بار آئے گا۔

﴿وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾﴾ ''مگر یہ نہیں بڑھاتا انہیں مگر نفرت ہی میں۔''

یہ ان لوگوں کی بدبختی ہے کہ قرآن میں گوناگوں اسلوبوں میں حق واضح ہو جانے کے باوجود ان کی بیزاری اور نفرت ہی میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ حق سے اور زیادہ دور بھاگے جا رہے ہیں۔

آیت ۴۲ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾﴾ ''آپ کہیے کہ اگر اُس کے ساتھ کچھ دوسرے معبود بھی ہوتے' جیسا کہ یہ کہتے ہیں' تب تو وہ ضرور تلاش کرتے صاحبِ عرش کی طرف کوئی راستہ۔''

اگر واقعی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرے معبودوں کا بھی کوئی وجود ہوتا تو وہ ضرور سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے اس کے مقابلے میں آنے کی کوشش کرتے۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے راجوں کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے مہاراجہ کی کرسی تک پہنچ جائیں' اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ بغاوت تک کا خطرہ مول لے لیتے ہیں' اسی طرح اگر اللہ کے بھی شریک ہوتے تو وہ بھی اللہ کے مقابلے میں ضرور مہم جوئی کرتے اور اگر ایسا ہوتا تو اس کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

آیت ۴۳ ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾﴾ ''وہ پاک ہے اور بہت ہی بلند و برتر ہے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں۔''

آیت ۴۴ ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ﴾ ''اُسی کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں

ساتوں آسمان اور زمین اور (وہ تمام مخلوق بھی) جو ان میں ہے۔‘‘

اس کائنات کی ایک ایک چیز‘ چاہے جاندار ہو یا بظاہر بے جان‘ وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ تسبیح کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود سے گویا اپنے خالق کی خلاقی اور اپنے صانع کی صنّاعی کا اعلان کر رہی ہے۔ جیسے ایک تصویر اپنے مصور کے معیارِ فن کا اظہار کرتی ہے‘ لیکن تمام مخلوقات کا ایک طرزِ تسبیح قولی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو زبان عطا کر رکھی ہے اور وہ اپنی زبان خاص سے اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے۔

﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ ؕ﴾ ’’اور کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ وہ تسبیح کرتی ہے اُس کی حمد کے ساتھ‘ لیکن تم نہیں سمجھ سکتے ان کی تسبیح کو۔‘‘

﴿اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۴﴾﴾ ’’یقیناً وہ بہت تحمل والا‘ بہت بخشنے والا ہے۔‘‘

ہر چیز کا یہی اندازِ تسبیح ہے جس کا ادراک انسان نہیں کر سکتے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیت ۲۱ میں اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا ذکر ہے کہ اُس نے ہر چیز کو قوتِ ناطقہ عطا کی ہے۔ روزِ محشر جب انسانوں کے اپنے اعضاء ان کے خلاف شہادت دیں گے تو وہ حیران ہو کر اپنی کھالوں سے پوچھیں گے کہ یہ سب کیا ہے؟ ﴿قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ﴾ ’’ان کے چمڑے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں اُس اللہ نے قوتِ گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو بولنا سکھایا ہے۔‘‘

آیت ۴۵ ﴿وَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَیۡنَکَ وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ حِجَابًا مَّسۡتُوۡرًا ﴿۴۵﴾﴾

’’اور جب آپؐ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپؐ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے‘ ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔‘‘

اس آیت میں ایک دفعہ پھر قرآن کا ذکر آیا ہے۔ یہاں ایک غیر مرئی پردے کا ذکر ہے جو منکرین آخرت اور ہدایت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کے ہر عمل کا معیار و مقصود صرف اور صرف دنیا کی زندگی ہے۔ وہ نہ تو آخرت کی زندگی کے قائل ہیں اور نہ ہی وہاں کے اجر و ثواب کے بارے میں سنجیدہ۔ دنیا میں وہ ’’بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست‘‘ کے نظریے پر زندگی بسر کر رہے ہیں اور قرآن کو یا ہدایت کی کسی بھی بات کو توجہ سے نہیں سنتے۔ ایسے لوگوں کو ان کے اسی رویے کی بنا پر ہدایت سے مستقلاً محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ اللہ کا قانون ہے اس لیے آیت زیر نظر میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ جب آپ ﷺ انہیں قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ان کے غیر سنجیدہ رویّے کی بنا پر ہم آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک غیر مرئی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿وَّجَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اَکِنَّۃً اَنۡ یَّفۡقَہُوۡہُ وَفِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرًا ؕ﴾ ’’اور ان کے دلوں پر بھی ہم پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں‘ اور ان کے کانوں میں ثقل (پیدا کر دیتے ہیں)۔‘‘

﴿وَاِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَہٗ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ نُفُوۡرًا ﴿۴۶﴾﴾ ’’اور جب آپؐ قرآن میں تنہا اپنے رب ہی کا ذکر کرتے ہیں تو یہ اپنی پیٹھیں موڑ کر چل دیتے ہیں نفرت کے ساتھ۔‘‘

یہ لوگ اپنے تعصب کی وجہ سے اکیلے اللہ کا ذکر بطور معبود برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ساتھ اُن کے معبودوں کا بھی کبھی کبھار ذکر ہوا کرے اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں وہ اکیلے اللہ کا ذکر سننے کو تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ بدک کر نفرت کے ساتھ پیٹھ موڑ کر چلے جاتے ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَسۡتَمِعُوۡنَ بِہٖۤ اِذۡ یَسۡتَمِعُوۡنَ اِلَیۡکَ﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے وہ توجہ سے سنتے ہیں اس (قرآن) کو جب وہ کان لگائے بیٹھے ہوتے ہیں آپؐ کی طرف''

قریشِ مکہ کی اس چال کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اُن کے بعض بڑے سردار اپنے عوام کو دھوکا دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے اور بظاہر بڑے انہماک سے سب کچھ سنتے۔ پھر واپس جا کر کہتے کہ لو جی ہم تو بڑے خلوص اور اشتیاق کے ساتھ گئے تھے محمد (ﷺ) کی محفل میں کہ وہ جو کلام پیش کرتے ہیں اس کو سنیں اور سمجھیں، مگر افسوس کہ ہمیں تو وہاں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ اس طرح وہ کوشش کرتے کہ ان کے عوام بھی ان کے ہم نوا بن جائیں اور ان میں بھی یہ سوچ عام ہو جائے کہ یہ بڑے بڑے سردار آخر سمجھدار ہیں، بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، محمد (ﷺ) کی بات سننے اور سمجھنے کے لیے مخلص بھی ہیں اور اسی اخلاص میں وہ خصوصی طور پر آپ (ﷺ) کی مجلس میں بھی جاتے ہیں۔ اگر اس نئے کلام میں کوئی خاص بات ہوتی تو وہ ضرور ان کی سمجھ میں آ جاتی۔ اب جب یہ لوگ وہاں جا کر اور اس کلام کو سن کر کہہ رہے ہیں کہ اس میں کچھ بھی خاص بات نہیں ہے تو یقیناً یہ لوگ سچ ہی کہہ رہے ہیں۔

﴿وَاِذۡ ہُمۡ نَجۡوٰۤی اِذۡ یَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ۴۷﴾ ''اور جب وہ علیحدگی میں سرگوشیاں کرتے ہیں، جب یہ ظالم (ایک دوسرے سے) کہہ رہے ہوتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے ہو مگر ایک سحر زدہ شخص کی۔''

ان میں سے کسی کے دل پر جب قرآن کی کوئی آیت اثر کرتی ہے اور وہ اس کا اظہار اپنے ساتھیوں کے ساتھ کرتا ہے کہ ہاں بھئی محمد (ﷺ) نے آج جو فلاں بات کی ہے اس میں بہت وزن ہے، اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تو ایسی صورت میں وہ فوراً اس کا توڑ کرنے کے لیے اپنے اس ساتھی کو سمجھانا شروع کر دیتے ہیں کہ جی چھوڑو! تم کہاں ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے چل پڑے۔ اُن (ﷺ) کی باتوں پر کوئی سنجیدہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

آیت ۴۸ ﴿اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَکَ الۡاَمۡثَالَ﴾ ''دیکھئے کیسے بیان کرتے ہیں یہ لوگ آپؐ کے لیے مثالیں''

کبھی وہ آپؐ کو سحر زدہ آدمی کہتے ہیں، کبھی کاہن اور کبھی شاعر! دیکھیں کیسی کیسی بیہودہ باتیں کرتے ہیں اور اس میں بھی کسی ایک رائے پر اتفاق نہیں کر سکتے۔

﴿فَضَلُّوۡا فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَبِیۡلًا ۴۸﴾ ''چنانچہ وہ بھٹک گئے ہیں اور اب راہ یاب نہیں ہو سکیں گے۔''

آیت ۴۹ ﴿وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا ۴۹﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ

کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چُورا چُورا' تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے ایک نئی تخلیق میں؟''

یہ لوگ آپؐ سے بڑی حیرت سے سوال کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) جو انسانوں کی دوبارہ زندگی کی بات کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے؟ جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور گوشت گل سڑ جائے گا' تو اس کے بعد ہمیں پھر سے نئی زندگی کیسے مل سکتی ہے؟ گویا ان کی سوچ کے مطابق ایسا ہونا بالکل محال اور ناممکن ہے۔

آیت ۵۰ ﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴾ ''(ان سے) کہیے کہ خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔''

آیت ۵۱ ﴿اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ﴾ ''یا ایسی مخلوق (بن جاؤ) جو تمہارے دلوں میں ان سے بھی سخت ہو۔''

اے نبی ﷺ! ان سے کہیے کہ آپ تو ہڈیوں کی بات کرتے ہو اور اپنے جسموں کے ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جانے کا تصور لیے بیٹھے ہو۔ تم اگر پتھر اور لوہا بھی بن جاؤ یا اپنی سوچ کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر کسی عجیب مخلوق کا روپ دھار لو' تب بھی تمہیں از سرِ نو اٹھا لیا جائے گا۔

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ﴾ ''پھر کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ لوٹائے گا؟''

﴿قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ﴾ ''آپؐ کہیے کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا۔''

﴿فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ﴾ ''پھر وہ آپؐ کے سامنے اپنے سروں کو مٹکائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہو گا؟''

لاجواب ہو کر اپنے سروں کو مٹکاتے ہوئے بولیں گے کہ چلو مان لیا کہ یہ سب کچھ ممکن ہے' مگر یہ تو بتائیے کہ ایسا ہو گا کب؟

﴿قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴾ ''آپؐ کہیے کہ ہو سکتا ہے (اس کا وقت) قریب ہی ہو۔''

عجب نہیں کہ تمہاری شامت کی وہ گھڑی آیا ہی چاہتی ہو' زیادہ دور نہ ہو۔

آیت ۵۲ ﴿يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ﴾ ''جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم (اُس کی پکار پر) لبیک کہو گے اُس کی حمد کرتے ہوئے''

جب وہ گھڑی آئے گی اور تمہارا خالق تمہیں قبروں سے باہر آنے کے لیے بلائے گا تو تمہاری ہڈیاں اور تمہارے جسموں کے بکھرے ذرات سب سمٹ کر پھر سے زندہ انسانوں کا روپ دھار لیں گے اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کی تعمیل میں بھاگے چلے جا رہے ہو گے۔

﴿وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ''اور تم گمان کرو گے کہ تم نہیں رہے مگر بہت تھوڑا (عرصہ)۔''

اُس وقت تمہیں دُنیا اور عالم برزخ (قبر) میں اپنا بیتا ہوا زمانہ ایسے لگے گا جیسے کہ چند گھڑیاں ہی تم وہاں گزار کر آئے ہو۔

آیات ۵۳ تا ۶۰

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ ۭ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ
لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ
اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا
بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا
یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ
الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ
مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا
شَدِیْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ
بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴿۵۹﴾
وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ
وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ﴿۶۰﴾ ع

آیت ۵۳ ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۭ﴾ ”اور آپؐ میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہی بات کہیں جو بہت اچھی ہو۔“

یہاں وہ نکتہ ذہن میں تازہ کر لیجیے جس کی قبل ازیں وضاحت ہو چکی ہے کہ مکی سورتوں میں اہل ایمان کو براہِ راست مخاطب نہیں کیا گیا۔ اُن سے براہِ راست تخاطب کا سلسلہ (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) تحویل قبلہ کے بعد شروع ہوا' جب انہیں باقاعدہ اُمتِ مسلمہ کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ اس سے پہلے اہل ایمان کو رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے ہی مخاطب کیا جاتا رہا۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت یہاں بھی حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ میرے بندوں (مؤمنین) کو میری طرف سے یہ بتا دیں کہ وہ ہر حال میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کریں اور گفتگو میں کبھی ترشی اور تلخی نہ آنے دیں۔ اس طرح آپس میں بھی شیر وشکر بن کر رہیں اور مخالفین کے سامنے بھی بہتر اخلاق کا نمونہ پیش کریں —— اقامتِ دین کے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مؤمنین کے سامنے بہت زیادہ رکاوٹیں ہیں۔ ان کے مخاطبین جہالت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے جاہلانہ اعتقادات نسلوں سے چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح انہیں اپنے رسم ورواج' سیاسی ومعاشی مفادات اور غیرت وحمیت کے جذبات بہت عزیز ہیں۔ انہیں اس سب کچھ کا دفاع کرنا ہے اور اس کے لیے وہ ہر طرح کی قربانیاں دینے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں داعیانِ حق کو تحمل' بردباری اور برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اشتعال میں آ کر اعلیٰ اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ ۭ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾﴾ ”یقیناً شیطان ان

کے درمیان جھگڑا ڈال دے گا۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔"

آیت ۵۴ ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ﴾ "تمہارا ربّ تم سے خوب واقف ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو تم پر رحم فرمائے گا' یا اگر چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا۔"

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۵۴﴾ "اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔"

ہدایت کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہر شخص کا ذاتی معاملہ اور ذاتی انتخاب ہے۔ آپ ﷺ ان تک پیغام پہنچانے کے ذمہ دار ہیں' انہیں ہدایت پر لانے کے مکلّف نہیں۔

آیت ۵۵ ﴿وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ "اور آپؐ کا رب خوب جانتا ہے اس کو جو کوئی ہے آسمانوں اور زمین میں۔"

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ﴾ "اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی ہے"

یہاں اس فقرے کے سیاق و سباق کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل مکی دور کے آخری برسوں میں نازل ہوئی اور اس کا آغاز بھی بنی اسرائیل کی تاریخ سے ہوا۔ اس سورۃ کے نزول سے پہلے نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت اور قرآن کے بارے میں تمام خبریں مدینہ پہنچ چکی تھیں اور یہودِ مدینہ ایک ایک بات اور ایک ایک خبر کا باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔ پھر عنقریب حضور ﷺ خود بھی مدینہ تشریف لانے والے تھے۔ ان حالات میں جب مسلمانوں کا یہودیوں کے ساتھ عقائد و نظریات کے بارے میں تبادلہ خیالات ہونا تھا تو انبیاء کرامؑ کے فضائل کے بارے میں سوالات کا اٹھنا ناگزیر تھا' کہ اگر محمد (ﷺ) نبی ہیں تو آپ ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام میں سے افضل کون ہیں؟ یا یہ مسئلہ کہ محمد ﷺ افضل ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام؟ چنانچہ اس حوالے سے یہاں ایک بنیادی اور اصولی بات بیان فرما دی گئی کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں موجود اپنی تمام مخلوق کے احوال و کیفیات سے خوب واقف ہے اور اس نے اپنے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۳ میں یہی بات یوں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ﴾ "یہ رسولؐ ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے"۔ ایسا نہ ہو کہ اس بحث میں پڑ کر آپ لوگ اپنے نبی ﷺ کی فضیلت اس طرح بیان کریں کہ مخالفین کے منفی جذبات کو ہوا ملے اور وہ تعصب سے مغلوب ہو کر آپؐ کی بات ہی سننے سے انکار کر دیں۔

یہ بہت نازک مسئلہ ہے اور اس کی نزاکت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ سب سے افضل ہیں' مگر موقع محل دیکھے بغیر اپنے اس عقیدے کا اس طرح سے چرچا کرنا درست نہیں کہ اس سے دوسرے مشتعل ہوں اور ان کے مخالفانہ جذبات و خیالات کو انگیخت ملے۔ اس ضمن میں حضور ﷺ کی واضح حدیث ہے کہ ((لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ

اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰہِ))(۱) ''اللہ کے نبیوں کے مابین درجہ بندی نہ کیا کرو''۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا:((لَا یَنۡۢبَغِیۡ لِعَبۡدٍ اَنۡ یَقُوۡلَ اَنَا خَیۡرٌ مِنۡ یُوۡنُسَ بۡنِ مَتّٰی))(۲) ''کسی شخص کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں (محمد ﷺ) یونس بن متّٰی سے افضل ہوں''۔ آپ ﷺ نے یہاں حضرت یونس کا ذکر شاید اس لیے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام واحد نبی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ گرفت ہوئی ہے۔ بہرحال آپ ﷺ نے واضح طور پر اس سے منع فرمایا ہے کہ دوسرے انبیاء پر آپؐ کی فضیلت کا پرچار کیا جائے۔

﴿وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾﴾ ''اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا کی تھی۔''

اسی سیاق وسباق کی مناسبت سے یہاں بنی اسرائیل کے ایک نبی کا تذکرہ فرمادیا اور آپؐ کی فضیلت بھی بیان فرمادی کہ حضرت داود علیہ السلام کو ہم نے زبور جیسی جلیل القدر کتاب عطا فرمائی تھی۔ یہاں پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ موقع ومحل کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء ورسلؑ کے فضائل اور اعلیٰ مراتب کے ذکر سے ان کی عزت افزائی کرتا ہے۔

آیت ۵۶ ﴿قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ وَلَا تَحۡوِیۡلًا ﴿۵۶﴾﴾ ''آپؐ کہیے کہ ان کو پکار دیکھو جن کو تم نے اُس کے سوا (معبود) گمان کر رکھا ہے' تو نہ انہیں کچھ اختیار حاصل ہے تم سے کوئی تکلیف دُور کرنے کا اور نہ ہی (تمہاری حالت) بدلنے کا۔''

آیت ۵۷ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ﴾ ''وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے قرب کے متلاشی ہیں کہ ان میں سے کون (اُس کے) زیادہ قریب ہے''

لفظ ''وسیلہ'' بمعنی قرب اس سے پہلے ہم سورۃ المائدۃ (آیت ۳۵) میں پڑھ چکے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں اللہ کے بندے اللہ کے ہاں اپنے درجات بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اسی طرح عالمِ غیب یا عالمِ اَمر میں بھی تقرب الی اللہ کی یہ درجہ بندی موجود ہے۔ جیسے فرشتوں میں طبقۂ اسفل کے فرشتے' پھر درجۂ اعلیٰ کے فرشتے اور پھر ملائکہ مقربین ہیں۔

اللہ کی شریک ٹھہرائی جانے والی شخصیات میں سے کچھ تو ایسی ہیں جو بالکل خیالی ہیں اور حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ہر زمانے میں لوگ انبیاء' اولیاء اللہ اور فرشتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک سمجھتے رہے ہیں۔ ایسی ہی شخصیات کے بارے میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ چاہے انبیاء و رسل ہوں' یا اولیاء اللہ' یا فرشتے' وہ تو عالم امر میں خود اللہ کی رضا جوئی کے لیے کوشاں اور اس کے قرب کے متلاشی

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول اللہ تعالی وَاِنَّ یُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ...... وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب من فضائل موسٰی علیه السلام۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب قول اللہ تعالی وَاِنَّ یُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ...... وصحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فی ذکر یونس علیه السلام وقول النبی ﷺ لا ینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی۔

ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم میں متعدد بار ذکر ہوا ہے کہ ایسی تمام شخصیات جنہیں دنیا میں مختلف انداز میں اللہ کے سوا پکارا جاتا تھا قیامت کے دن اپنے عقیدت مندوں کے مشرکانہ نظریات سے اظہارِ بیزاری کریں گی اور صاف کہہ دیں گی کہ اگر یہ لوگ ہمارے پیچھے ہمیں اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے تھے تو ہمیں اس بارے میں کچھ خبر نہیں۔

﴿وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۵۷﴾ ''اور وہ امیدوار ہیں اُس کی رحمت کے اور ڈرتے رہتے ہیں اُس کے عذاب سے۔ واقعتاً آپؐ کے رب کا عذاب چیز ہی ڈرنے کی ہے۔''

آیت ۵۸ ﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی بستی مگر ہم اسے ہلاک کر کے رہیں گے روزِ قیامت سے قبل یا ہم عذاب دیں گے اُسے بہت ہی شدید عذاب۔''

یہ اشارہ ہے اُس بہت بڑی تباہی کی طرف جو قیامت سے پہلے اس دنیا پر آنے والی ہے۔ سورۃ الکہف کی دوسری آیت میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾۔ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کا آپس میں چونکہ زوجیت کا تعلق ہے اس لیے یہ مضمون ان دونوں آیات کو ملا کر پڑھنے سے واضح ہوتا ہے۔ احادیث میں المَلحمة العُظمٰی کے نام سے ایک بہت بڑی جنگ کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو قیامت سے پہلے دنیا میں برپا ہو گی۔ آیت زیر نظر میں اُسی تباہی کا ذکر ہے جس سے روئے زمین پر موجود کوئی بستی محفوظ نہیں رہے گی۔ سورۃ الکہف میں زیادہ صراحت کے ساتھ اس کا تذکرہ آئے گا۔

اس وقت دنیا میں ایٹمی جنگ چھڑنے کا امکان ہر وقت موجود ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت ایسا سانحہ رونما ہو جاتا ہے تو ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے دنیا پر جو تباہی آئے گی اس کو تصور میں لانا بھی مشکل ہے۔ ان حالات میں المَلحمة العُظمٰی کے بارے میں پیشین گوئیاں آج مجسم صورت میں سامنے کھڑی نظر آتی ہیں۔

﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۵۸﴾ ''یہ (اللہ کی) کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

یعنی یہ طے شدہ امور میں سے ہے۔ ایک وقت معین پر یہ سب کچھ ہو کر رہنا ہے۔

آیت ۵۹ ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ﴾ ''اور ہمیں نہیں روکا (کسی اور بات نے) کہ ہم نشانیاں بھیجیں' سوائے اس کے کہ ان کو جھٹلا دیا تھا پہلے لوگوں نے۔''

اللہ تعالیٰ نے حسّی معجزات دکھانے صرف اس لیے بند کر دیے ہیں کہ سابقہ قوموں کے لوگ ایسے معجزات کو دیکھ کر بھی کفر پر ڈٹے رہے اور ایمان نہ لائے۔ یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ الانعام اور اس کے بعد نازل ہونے والی مکی سورتوں میں تسلسل سے دہرایا جا رہا ہے۔

﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ﴾ ''اور ہم نے قومِ ثمود کو اونٹنی دی آنکھیں کھول دینے والی نشانی (کے طور پر) تو انہوں نے اس کے ساتھ بھی ظلم کیا۔''

قومِ ثمود کو ان کے مطالبے پر اونٹنی کا بصیرت افروز معجزہ دکھایا گیا مگر انہوں نے اس واضح معجزے کو دیکھ

لینے کے بعد بھی حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مٹی سے زندہ پرندے بنانے اور ''قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ'' کہہ کر مُردوں کو زندہ کرنے تک کے معجزات دیے گئے' مگر کیا انہیں دیکھ کر وہ لوگ ایمان لے آئے؟

﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا﴾ ''اور ہم نہیں بھیجتے نشانیاں مگر صرف ڈرانے کے لیے۔''

نشانیاں یا معجزے بھیجنے کا مقصد تو لوگوں کو خبردار کرنا ہوتا ہے' سو یہ مقصد قرآن کی آیات بخوبی پورا کر رہی ہیں۔ اس کے بعد اب اور کون سی نشانیوں کی ضرورت باقی ہے؟ اگلی آیت میں یہی بات تین مثالوں سے مزید واضح کی گئی ہے کہ یہ لوگ کس طرح قرآن کی آیات کے ساتھ بحث برائے بحث اور انکار کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں اور یہ کہ اللہ نے حسّی معجزات دکھانا کیوں بند کر دیے ہیں۔

آیت ۶۰ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ط﴾ ''اور جب ہم آپؐ سے کہتے ہیں کہ آپؐ کے رب نے لوگوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔''

قرآن حکیم کی بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے' مثلاً: ﴿وَّاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِہِمْ مُّحِیْطٌ ﴿۲۰﴾﴾ (البروج) ''اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے''۔ یہ لوگ جب ایسی آیات سنتے ہیں تو ڈرنے کی بجائے فضول بحث پر اتر آتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کہاں ہے اللہ؟ ہمارا احاطہ کیوں کر ہوا ہے؟

اگر فلسفیانہ پہلو سے دیکھا جائے تو اس آیت میں ''حقیقت و ماہیتِ وجود'' کے موضوع سے متعلق اشارہ پایا جاتا ہے جو فلسفے کا مشکل ترین مسئلہ ہے اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں ہے' یعنی ایک وجود خالق کا ہے' وہ ہر جگہ' ہر آن موجود ہے' اور ایک وجود مخلوق یعنی اس کائنات کا ہے۔ اب خالق و مخلوق کے مابین ربط کیا ہے؟ اس سلسلے میں کچھ لوگ ''ہمہ اوست'' (Pantheism) کے قائل ہو گئے۔ ان کے خیال کے مطابق یہ کائنات ہی خدا ہے' خدا نے ہی کائنات کا روپ دھار لیا ہے' جیسے خدا خود ہی انسانوں کا روپ دھار کر ''اوتار'' کی صورت میں زمین پر آ جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا کفر اور شرک ہے۔ دوسری طرف اگر یہ سمجھیں کہ اللہ کا وجود اس کائنات میں نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس کا وجود کہیں الگ ہے اور وہ نعوذ باللہ کہیں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمیں بس اس قدر سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کا وجود مطلق (Absolute) ہے۔ وہ حدود و قیودِ زمان و مکان' کسی سمت یا جہت کے تصور سے ماوراء' وراء الوراء' ثم وراء الوراء ہے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ﴾ ''اور نہیں بنایا ہم نے اس مشاہدے کو جو ہم نے آپؐ کو دکھایا تھا مگر ایک فتنہ لوگوں کے لیے''

یہاں پر لفظ ''رؤیا'' خواب کے معنی میں نہیں آیا بلکہ اس سے رُؤیت بصری مراد ہے۔ انسان اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہے اس پر بھی ''رؤیا'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں حضور ﷺ کو جو مشاہدات کرائے تھے اور جو نشانیاں آپ ﷺ کو دکھائی تھیں اُن کی تفصیل جب کفارِ مکہ نے سنی تو یہ معاملہ ان کے

لیے ایک فتنہ بن گیا۔ وہ نہ صرف خود اس کے منکر ہوئے' بلکہ اس کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو اُن کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر انہوں نے پوری شدّ و مدّ سے یہ پرچار شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) پر جنون کے اثرات ہو چکے ہیں (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ)۔ اس زمانے میں جب مکّہ سے بیت المقدس پہنچنے میں پندرہ دن لگتے تھے' یہ دعویٰ انتہائی ناقابلِ یقین معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص راتوں رات نہ صرف بیت المقدس سے ہو آیا ہے بلکہ آسمانوں کی سیر بھی کر آیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے موقع غنیمت سمجھ کر اس موضوع کو خوب اچھالا اور مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر بحث مباحثے کیے۔ اس طرح نہ صرف یہ بات کفّار کے لیے فتنہ بن گئی بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی ایک آزمائش قرار پائی۔

جب یہی ناقابل یقین بات ان لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی اور آپؓ سے تبصرہ چاہا تو آپؓ نے بلاتوقف جواب دیا کہ اگر واقعی حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ فرمایا ہے' کیونکہ جب میں یہ مانتا ہوں کہ آپ ﷺ کے پاس آسمانوں سے ہر روز فرشتہ آتا ہے تو مجھے آپ ﷺ کا یہ دعویٰ تسلیم کرنے میں آخر کیونکر تامل ہوگا کہ آپ ﷺ راتوں رات آسمانوں کی سیر کر آئے ہیں! اسی بلاتامل تصدیق کی بنا پر اس دن سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب ''صِدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ'' قرار پایا۔

﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ﴾ ''اور اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت وارد ہوئی ہے۔''

اسی طرح جب قرآن میں زقوم کے درخت کا ذکر آیا اور اس کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اس درخت کی جڑیں جہنم کی تہہ میں ہوں گی (الصافات: ۶۴) اور وہاں سے یہ جہنم کی آگ میں پروان چڑھے گا تو یہ بات بھی ان لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن گئی۔ بجائے اس کے کہ وہ لوگ اسے اللہ کی قدرت سمجھ کر تسلیم کر لیتے' اُلٹے اس بات پر تمسخر اور استہزا کرنے لگے کہ آگ کے اندر بھلا درخت کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ انہیں کیا معلوم کہ یہ اُس عالم کی بات ہے جس کے طبعی قوانین اس دنیا کے طبعی قوانین سے مختلف ہوں گے اور جہنم کی آگ کی نوعیت اور کیفیت بھی ہماری دنیا کی آگ سے مختلف ہوگی۔

﴿وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۟﴾ ''اور (ان باتوں سے) ہم تو انہیں تنبیہ کرتے ہیں مگر یہ تنبیہ ان کی سرکشی ہی میں اضافہ کیے جا رہی ہے۔''

قرآن میں یہ سب باتیں انہیں خبردار کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں' مگر یہ ان لوگوں کی بدبختی ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ڈرنے اور ایمان لانے کی بجائے وہ مزید سرکش ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی سرکشی میں روز بروز مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

آیات ۶۱ تا ۶۵

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ۟

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا

قَلِیْلًا﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ
مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ
وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ
سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰی بِرَبِّكَ وَكِیْلًا﴿۶۵﴾

آیت ۶۱ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ﴾ ''اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدمؑ کو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہیں کیا)۔''

﴿قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ﴿۶۱﴾﴾ ''اُس نے کہا کہ کیا میں اُسے سجدہ کروں جسے تو نے پیدا کیا ہے مٹی سے؟''

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا یہ قصہ یہاں چوتھی مرتبہ بیان ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ رکوع ۴' سورۃ الاعراف رکوع ۲ اور سورۃ الحجر رکوع ۳ میں اس قصے کا ذکر ہو چکا ہے۔

آیت ۶۲ ﴿قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾﴾ ''اُس نے (مزید) کہا کہ ذرا دیکھ تو اُس کو جس کو تُو نے مجھ پر فضیلت دی ہے' اگر تُو مجھے مہلت دے دے قیامت کے دن تک' تو میں اس کی پوری نسل کو قابو میں کر کے چھوڑوں گا' سوائے بہت تھوڑے سے لوگوں کے۔''

آیت ۶۳ ﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾﴾ ''اللہ نے فرمایا: جاؤ (دفع ہو جاؤ!) ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں گے تو یقیناً تم سب کی سزا جہنم ہوگی' وافر سزا۔''

آیت ۶۴ ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ ''اور تُو پھسلا لے جس پر تیرا بس چلتا ہے ان میں سے اپنی آواز سے''

عربی میں بکری کے ایسے نوزائیدہ بچے کو فزّ کہتے ہیں جو ابھی ٹھیک سے چلنے کے قابل نہ ہو اور کھڑا ہونے کی کوشش میں اس کی ٹانگیں لڑکھڑاتی ہوں۔ اس مناسبت سے یہ لفظ محاورۃً اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کی ٹانگیں کسی معاملے میں لڑکھڑا جائیں' قدم ڈگمگا جائیں اور ہمت جواب دے دے۔

﴿وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ﴾ ''اور چڑھا لا اُن پر اپنے سواروں اور پیادوں کو اور شریک بن جا اُن کا مالوں میں اور اولاد میں' اور ان سے (جو چاہے) وعدے کر!''

﴿وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾﴾ ''اور نہیں وعدہ کرتا اُن سے شیطان مگر دھوکے کا۔''

آیت ۶۵ ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ﴾ ''یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔''

تم انسانوں کو بہکانے اور پھسلانے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو کر لو‘ ان کے دلوں میں وسوسے ڈالو‘ ان سے جھوٹے سچے وعدے کرو اور انہیں سبز باغ دکھاؤ۔ یہ تمام حربے تو تم استعمال کر سکتے ہو‘ لیکن تمہیں یہ اختیار ہرگز نہیں ہو گا کہ تم میرے کسی بندے کو اس کی مرضی کے خلاف گمراہی کے راستے پر لے جاؤ۔

﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝۶۵﴾ ”اور کافی ہے تیرا رب بطور کارساز۔“

وہ بندے جو شیطان سے بچنا چاہیں گے اللہ ان کی مدد کرے گا‘ اور جس کسی کا مددگار اور کارساز اللہ ہو اسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی‘ وہی اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔

آیات ۶۶ تا ۷۲

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۶۶ وَاِذَا
مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ
الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۶۷ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا
تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝۶۸ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ
الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝۶۹ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ
وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِيْلًا ۝۷۰ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ يَقْرَءُوْنَ ع۷
كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۱ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ
سَبِيْلًا ۝۷۲

آیت ۶۶ ﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ﴾ ”تمہارا ربّ وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو سمندر میں تا کہ تم اُس کا فضل تلاش کر سکو۔“

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۶۶﴾ ”یقیناً وہ تم پر بہت ہی رحیم ہے۔“

آیت ۶۷ ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ﴾ ”اور جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے سمندر میں“

جب کشتی طوفان میں گھر جاتی ہے اور موت سامنے نظر آنے لگتی ہے تو:

﴿ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ﴾ ”گم ہو جاتے ہیں وہ سب جنہیں تم پکارتے ہو‘ سوائے اُس (ایک اللہ) کے۔“

اس وقت تمہیں اپنے ان معبودوں میں سے کوئی بھی یاد نہیں رہتا جنہیں تم عام حالات میں اپنا مددگار سمجھتے ہو۔ اس آڑے وقت میں تم صرف اللہ ہی کو مدد کے لیے پکارتے ہو۔ یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آ چکا ہے۔

﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۶۷﴾ ''پھر جب وہ تمہیں بچا لاتا ہے خشکی کی طرف تو تم مُنہ موڑ لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

آیت ۶۸ ﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ ''تو کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ دھنسا دے تمہیں کہیں خشکی میں ہی؟''

جب تم جان بچا کر سمندر سے خشکی پر آتے ہو تو پھر اللہ کی ناشکری کرتے ہوئے اس سے منہ موڑ لیتے۔ کیا تمہیں اس بات سے خوف نہیں آتا کہ اگر اللہ چاہے تو تمہیں خشک زمین ہی کے اندر دھنسا دے؟ کیا خشکی پر لوگوں کو موت نہیں آتی؟ ؎

آسودۂ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں' خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں!

﴿اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝۶۸﴾ ''یا وہ تم پر بھیج دے کنکر برسانے والی تیز ہوا' پھر تم نہ پاؤ اپنے لیے کوئی بچانے والا!''

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ چاہے تو سنگریزوں والی خوفناک آندھی سے بھی تمہیں ہلاک کر سکتا ہے۔

آیت ۶۹ ﴿اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ﴾ ''یا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ وہ پھیر لے جائے تمہیں اسی (سمندر) میں دوسری مرتبہ' پھر بھیج دے تم پر ہوا کا زوردار جھکڑ''

﴿فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝۶۹﴾ ''سو تمہیں غرق کر دے تمہارے کفر کی پاداش میں' پھر تم نہ پاؤ اپنے لیے ہمارے خلاف اس کی وجہ سے کوئی تعاقب کرنے والا!''

پھر ایسا نہیں کہ کوئی ہم سے باز پرس کر سکے کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کیا؟

آیت ۷۰ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ ''اور ہم نے بڑی عزت بخشی ہے اولادِ آدمؑ کو''

یہ آیت بہت واضح انداز میں اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی معراج (climax) انسان ہے۔ اس فلسفے کی وضاحت سورۃ النحل کی آیت ۴۰ کی تشریح کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ وہاں میں نے بہت تفصیل سے کائنات اور انسان کی تخلیق کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کا نقطہ آغاز اللہ تعالیٰ کا امر کن ہے۔ حرفِ کن سے خنک نور کا ظہور ہوا' اس نور سے ملائکہ اور انسانی ارواح کی تخلیق ہوئی' پھر Big Bang کے نتیجے میں حرارت کا گولا وجود میں آیا' جس کے متحرک ذرات سے کہکشائیں' ستارے اور سیارے بنے۔ اسی دور میں اس حرارت سے جِنّات کی تخلیق ہوئی۔ دوسرے بے شمار ستاروں اور سیّاروں کی طرح ہماری زمین بھی ابتدا میں بہت گرم تھی۔ یہ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی۔ پھر اس پر ہزاروں برس مسلسل بارش برستی رہی' جس سے زمین پر ہر طرف پانی پھیل گیا۔ اس کے بعد زمین پر نباتاتی اور

حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد پھر تمام مخلوق کے بادشاہ ''انسان'' کی تخلیق عمل میں آئی۔ اس پورے فلسفے کو مرزا بیدل نے اپنے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے: ؎

ہر دو عالَم خاک شُد تا بست نقشِ آدمی

اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!

اس خوبصورت شعر کا مفہوم و مطلب بھی سورۃ النحل کی مذکورہ آیت کی تشریح کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ ''اور ہم اٹھائے پھرتے ہیں انہیں خشکی اور سمندر میں''

یہاں ''ہم'' سے اللہ تعالیٰ کا نظامِ قدرت مراد ہے' جس کے تحت بحر و بر میں انسانوں کی مختلف نوعیت کی سرگرمیاں ممکن بنا دی گئیں ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے یہ معاون اور دوستانہ ماحول انسان کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہے۔

﴿وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝﴾ ''اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور انہیں فضیلت دی اپنی بہت سی مخلوق پر' بہت بڑی فضیلت۔''

آیت ۷۱ ﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ﴾ ''جس دن ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے سرداروں کے ساتھ۔''

پھر ذرا اُس دن کا خیال کرو جس دن تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے لیے اس طرح بلایا جائے گا کہ ہر گروہ اپنے راہنما یا لیڈر کے ساتھ حاضر ہوگا۔ پچھلی آیات میں تمام مخلوق پر انسان کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب انسان کو اس کائنات میں اس قدر اعلیٰ مقام اور مرتبے سے نوازا گیا ہے تو پھر اس کا محاسبہ بھی ہونا چاہیے: ؏ ''جن کے رتبے ہیں سوا' ان کی سوا مشکل ہے!''

﴿فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝﴾ ''تو جس کو دیا جائے گا اُس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں تو ایسے لوگ پڑھیں گے اپنے اعمال نامہ کو (خوشی کے ساتھ) اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا دھاگے کے برابر بھی۔''

آیت ۷۲ ﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝﴾ ''اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا' اور راہ سے بہت دور بھٹکا ہوا۔''

جس شخص نے اس دنیا میں اپنی پوری زندگی حیوانوں کی طرح گزار دی' جس کا دیکھنا اور سننا حیوانوں کا سا دیکھنا اور سننا تھا' جس نے نہ تو انفس و آفاق میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نشانیوں کو چشمِ بصیرت سے دیکھا نہ ان کے ذریعے سے اپنے خالق و مالک کو پہچانا' اُس نے اپنی زندگی گویا اندھے پن میں گزار دی۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھایا جائے گا کہ وہ اندھا ہوگا۔ اسی اندھے پن سے بچنے کے لیے علامہ اقبال نے کیا خوب نصیحت کی ہے: ؏ ''دیدن دگر آموز' شنیدن دگر آموز!''

آیات ۷۳ تا ۸۴

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ڰ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ
خَلِيْلًا ۝۷۳ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْــًٔا قَلِيْلًا ۝۷۴ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ
الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝۷۵ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ
الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۷۶ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝۷۷ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ع ۸
وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝۷۸ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ڰ عَسٰٓى
اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ
صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۸۰ وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝۸۲ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَي الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ
كَانَ يَــــُٔوْسًا ۝۸۳ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝۸۴ ع ۹

آیت ۷۳ ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ تو اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ آپ کو فتنے میں ڈال کر اُس چیز سے ہٹا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور چیز گھڑ کر ہم سے منسوب کر دیں“

یہ آیت اس بے پناہ دباؤ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کا سامنا رسول اللہ ﷺ کو قریش کی طرف سے مکہ میں تھا۔ ایک طرف تو قریش مکہ آپ ﷺ پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ آپ ﷺ قرآن کے غیر لچک دار احکام میں کچھ نرمی پیدا کریں‘ اس کلام میں کچھ ترمیم کر لیں‘ کچھ اپنی بات منوائیں اور کچھ ہماری مانیں۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ یونس (آیت ۱۵) میں بھی آ چکا ہے: ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ﴾ ”(اے محمد ﷺ) آپ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن پیش کریں یا پھر اس میں کچھ ردّوبدل کر لیں۔“

دوسری طرف وہ مسلسل یہ مطالبہ بھی کیے جاتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو نشانی کے طور پر ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں۔ ان کا یہ مطالبہ ان کے عوام تک میں بہت مقبول ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے‘ مگر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ انہیں کوئی حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ اس سے پہلے سورۃ الانعام (آیت ۳۵) میں ہم اللہ تعالیٰ کا دو ٹوک فیصلہ بایں الفاظ پڑھ

آئے ہیں: ﴿وَاِنۡ کَانَ کَبُرَ عَلَیۡکَ اِعۡرَاضُہُمۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِیَ نَفَقًا فِی الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاۡتِیَہُمۡ بِاٰیَۃٍ﴾ ''اور اگر آپؐ پر ان کی یہ بے اعتنائی گراں گزرتی ہے تو اگر آپؐ استطاعت رکھتے ہیں تو زمین میں کوئی سرنگ کھود یں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگائیں اور لے آئیں ان کے لیے کوئی معجزہ!'' چنانچہ ان دونوں پہلوؤں سے حضور ﷺ کو شدید دباؤ کا سامنا تھا' اور اسی دباؤ کا اظہار اس آیت میں نظر آ رہا ہے۔

﴿وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡکَ خَلِیۡلًا﴿۷۳﴾﴾ ''اور اگر آپؐ ایسا کرتے تب تو یہ لوگ آپؐ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے۔''

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ اس نوعیت کی مداہنت (compromise) کے عوض وہ لوگ آپؐ کو اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے۔

آیت ۷۴ ﴿وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ لَقَدۡ کِدۡتَّ تَرۡکَنُ اِلَیۡہِمۡ شَیۡئًا قَلِیۡلًا﴿۷۴﴾﴾ ''اور اگر ہم آپؐ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو عین ممکن تھا کہ آپؐ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔''

یہ بہت نازک اور اہم مضمون ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سورۂ یوسف' آیت ۲۴ میں اسی طرح فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَقَدۡ ہَمَّتۡ بِہٖ ۚ وَہَمَّ بِہَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡہَانَ رَبِّہٖ﴾ یعنی عزیز مصر کی بیوی نے تو قصد کر ہی لیا تھا' اور یوسفؑ بھی قصد کر لیتے اگر وہ اللہ کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ یعنی یہ امکان تھا کہ بربنائے طبع بشری وہ بھی ارادہ کر بیٹھتے' مگر اللہ نے انہیں اس سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ حضور ﷺ کے لیے بھی یہاں اسی طرح فرمایا کہ اگر ہم نے آپؐ کے پاؤں جما کر آپ ﷺ کے دل کو اچھی طرح سے مضبوط نہ کر دیا ہوتا تو قریب تھا کہ آپؐ کسی نہ کسی حد تک ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ بہرحال ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس دور میں قریش مکہ کی طرف سے کس قدر شدید دباؤ تھا۔

آیت ۷۵ ﴿اِذًا لَّاَذَقۡنٰکَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوۃِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ﴾ ''(اگر ایسا ہو جاتا) تب ہم آپؐ کو دگنی سزا دیتے زندگی میں اور دگنی سزا دیتے موت پر''

اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنۡ تَنَزَّلَ وَالۡعَبۡدُ عَبۡدٌ وَاِنۡ تَرَقّٰی

''رب تو آخر رب ہے جتنا بھی تنزل فرما لے اور بندہ بہرحال بندہ ہی ہے جس قدر بھی ترقی پا لے!''

﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا﴿۷۵﴾﴾ ''پھر نہ پاتے آپؐ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔''

آیت کا مضمون بہت نازک ہے۔ بہرحال میں نے الفاظ کے مطابق ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن موقع محل اور سیاق و سباق کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اصل مفہوم کو دقت نظری سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے مگر سختی کا رخ اُن لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے آپؐ کے مقابلے میں ایسے حالات پیدا کر رکھے تھے۔ ان الفاظ میں ان لوگوں کو سنایا جا رہا ہے کہ بدبختو! تم جو چاہو کر لو' ہمارے نبی (ﷺ) تمہارے اس دباؤ میں آ کر تمہارے مطالبات ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت ۷۶ ﴿وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَکَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡکَ مِنۡہَا وَاِذًا لَّا یَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیۡلًا﴿۷۶﴾﴾ ''اور یہ تلے ہوئے ہیں کہ آپؐ کے قدم اکھاڑ دیں اس زمین سے' تاکہ آپؐ کو یہاں سے

نکال باہر کریں' اور (اگر ایسا ہوا تو) تب وہ خود بھی نہیں ٹھہریں گے آپؐ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ۔''

یہ مکی دور کے آخری ایام کے اُن حالات کی جھلک ہے جب اس کش مکش کی شدّت انتہا کو پہنچ چکی تھی اور حالات بے حد نازک رخ اختیار کر چکے تھے۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ) مکّہ سے نکالنے کے لیے قریش کی منصوبہ بندی کا صرف ذکر کیا گیا ہے' مگر اس کی نفی کرنے کے بجائے یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ اگر ایسا ہوا تو آپؐ کے بعد وہ خود بھی یہاں پر زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش کے اکثر سردار تو ہجرت کے دوسرے برس ہی جنگِ بدر میں قتل ہو گئے جبکہ صرف آٹھ سال بعد مکہ شہر پر آپ ﷺ کا باقاعدہ تسلط بھی قائم ہو گیا۔

آیت ۷۷ ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ ''یہی (ہمارا) طریقہ رہا اُن کے باب میں جنہیں ہم نے آپؐ سے پہلے بھیجا اپنے رسولوں میں سے''

یعنی آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسولؑ آئے ان کے بارے میں ہمارا قاعدہ اور قانون یہی رہا ہے کہ رسولؑ کی ہجرت کے بعد متعلقہ قوم پر سے اللہ کی اَمان اٹھا لی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ قوم بہت جلد عذاب کی گرفت میں آجاتی ہے۔

﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝۷۷﴾ ''اور آپؐ ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔''

آیت ۷۸ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ ''نماز قائم رکھیے سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک' اور قرآن کا پڑھا جانا فجر کے وقت۔''

یہ حکم پنج گانہ نماز کے نظام کے بارے میں ہے۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ ہی ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ پھر عصر' مغرب اور عشاء کی نمازوں کا ایک سلسلہ ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ پانچویں نماز یعنی فجر کو یہاں پر ''قرآن الفجر'' سے تعبیر کیا گیا ہے' کیونکہ اس میں طویل قراءت کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ نماز پنجگانہ کے اوقات کے بارے میں یہ حکم عمومی نوعیت کا ہے' جبکہ ہر نماز کے وقت کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی بعد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کی جس کی تفصیل کتب احادیث میں ملتی ہے۔

﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝۷۸﴾ ''یقیناً فجر کے وقت قرآن کا پڑھا جانا مشہود ہے۔''

گویا فجر کا وقت نماز اور قراءت کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ رات بھر جسمانی اور ذہنی آرام کے بعد فجر کے وقت انسان تازہ دم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نماز میں اس کی حضوریٔ قلب کی کیفیت بھی بہتر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ فجر کا وقت فرشتوں کی حاضری کے اعتبار سے بھی اہم ہے۔ دنیا کے معاملات کی نگرانی کرنے والے فرشتوں کی ڈیوٹیاں صبح اور عصر کے اوقات میں تبدیل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان دونوں نمازوں میں دونوں جماعتوں کے فرشتے موجود ہوتے ہیں۔ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر جانے والے فرشتے بھی اور آئندہ ڈیوٹی کا چارج لینے والے بھی۔ لہٰذا فرشتوں کی اس حاضری کی وجہ سے بھی نمازِ فجر خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

آیت ۷۹ ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ ''اور رات کے ایک حصے میں آپؐ جاگیے اس (قرآن) کے ساتھ''

یہاں لفظ ''بِہٖ'' میں وہی انداز ہے جس کی تکرار اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام میں دیکھ چکے ہیں۔ (اَنۡذِر بِہٖ' ذَکِّر بِہٖ) یعنی انذار' تذکیر' تبشیر' تبلیغ سب قرآن کے ذریعے سے ہو۔ چنانچہ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دیا گیا تو فرمایا گیا کہ رات کا ایک حصہ آپؐ قرآن کے ساتھ جاگیے۔ تہجد کی نماز آپؐ قرآن کے ساتھ پڑھیں۔ گویا تہجد کا مقصد اور اس کی اصل روح یہی ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھا جائے۔ چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ رکعتوں کی مخصوص تعداد پوری کر لینے سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔

﴿نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ ''یہ اضافی چیز ہے آپؐ کے لیے' امید ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

''مقامِ محمود'' بہت ہی اعلیٰ اور ارفع مقام ہے جس پر آنحضور ﷺ کو میدانِ حشر میں اور جنّت میں فائز کیا جائے گا۔ ہم اس مقام کی عظمت اور کیفیت کا اندازہ اپنے تصور سے نہیں کر سکتے۔

آیت ۸۰ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ ''اور دعا کیجیے کہ اے میرے رب مجھے داخل کر عزّت کا داخل کرنا اور مجھے نکال عزّت کا نکالنا''

یہ ہجرت کی دعا ہے۔ جب ہجرت کا اِذن آیا تو ساتھ ہی یہ دعا بھی تعلیم فرما دی گئی کہ اے اللہ! تُو مجھے جہاں بھی داخل فرمائے یعنی یثرب (مدینہ) میں' عزّت و تکریم کے ساتھ داخل فرما' وہاں پر میرا داخلہ سچا داخلہ ہو' اور یہاں مکہ سے مجھے نکالنا ہے تو باعزّت طریقے سے نکال۔ یاد کیجیے کہ سورۂ یونس کی آیت ۹۳ میں بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ عطا کیے جانے کا ذکر بھی ''مُبَوَّاَ صِدْقٍ'' کے الفاظ سے ہوا ہے۔

﴿وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾ ''اور مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار قوت عطا فرما۔''

یعنی مدینہ میں جس نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اس میں اپنے دین کے غلبے کے اسباب پیدا فرما' اور مجھے وہ طاقت' قوت اور اقتدار عطا فرما جس سے دین کی عملی تنفیذ کا کام آسان ہو جائے۔ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ کو بالکل وہی کچھ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے جو عنقریب آپؐ کو ملنے والا تھا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ میں آپؐ کا استقبال ایک بادشاہ کی طرح ہوا۔ اوس اور خزرج کے قبائل نے آپؐ کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ یہودیوں کے تینوں قبائل ایک معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ کی مرضی کے تابع ہو گئے اور یوں آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوتے ہی وہاں کے بے تاج بادشاہ بن گئے۔

آیت ۸۱ ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ ''اور آپؐ کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔''

بظاہر تو ابھی اس انقلاب کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے' ابھی آٹھ سال بعد جا کر کہیں مکہ فتح ہونے والا تھا' لیکن عالم امر میں چونکہ اس کا فیصلہ ہو چکا تھا لہٰذا ابھی سے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کی آمد اور باطل کے فرار کا اعلان کرایا جا رہا ہے۔

﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ ''یقیناً باطل ہے ہی بھاگ جانے والا۔''

باطل کو ثبات نہیں۔ جب بھی اس کا حق کے ساتھ معرکہ ہوگا تو حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ پسپائی اختیار

کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

آیت ۸۲ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴾ ”اور ہم قرآن سے وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو شفا اور رحمت ہے اہل ایمان کے حق میں۔“

یہاں پر پھر قرآن کا لفظ ملاحظہ ہو۔ نوٹ کیجیے کہ خود قرآن کا ذکر اس سورت میں جتنی مرتبہ آیا ہے کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس آیت میں قرآن کے احکام کو اہل ایمان کے لیے شفا اور رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اس سے قبل یہی مضمون سورۂ یونس میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ”اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کی شفا اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت“۔ یعنی قرآن ایک مؤمن کے سینے کو تمام آلائشوں اور بیماریوں (مثلاً کفر' شرک' تکبر' حسد' حُبِّ مال' حُبِّ جاہ' حُبِّ اولاد وغیرہ) سے صاف اور پاک کر دیتا ہے۔

﴿وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝﴾ ”لیکن یہ ظالموں کو نہیں بڑھاتا مگر خسارے ہی میں۔“

جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾۔

آیت ۸۳ ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ﴾ ”اور جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور (ہم سے) کنی کترانے لگتا ہے۔“

﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوْسًا ۝﴾ ”اور جب اس پر کوئی تکلیف آ پڑتی ہے تو مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔“

آیت ۸۴ ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ ہر شخص کام کرتا ہے اپنے شاکلہ کے مطابق۔“

”شاکلہ“ سے مراد ہر انسان کی شخصیت کا مخصوص سانچہ ہے' جیسے آپ کو کسی دھات سے کوئی شے بنانی ہے تو پہلے اس کا ایک سانچہ (pattern) بناتے ہیں اور اس دھات کو پگھلا کر اس میں ڈال دیتے ہیں تو وہ دھات وہی مخصوص شکل اختیار کر لیتی ہے۔ انسانی شخصیت کے مخصوص سانچے کی تشکیل میں انسان کے موروثی genes اور اس کا خارجی ماحول بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ گویا موروثی عوامل اور ماحولیاتی عوامل کے حاصل ضرب سے انسان کی شخصیت کا جو ہیولیٰ بنتا ہے وہی اس کا شاکلہ ہے۔ کسی شخص نے نیکی اور برائی کے لیے جو بھی محنت اور کوشش کرنی ہے وہ اپنے اس شاکلہ کے اندر رہ کر ہی کرنی ہے۔ گویا کسی انسان کا شاکلہ اس کے دائرۂ عمل کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ وہ نہ تو ان حدود سے تجاوز کر سکتا ہے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر عمل کرنے کا وہ مکلف ہے۔ جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے: One cannot grow out of his skin یعنی کسی نے موٹا ہونے کی جتنی بھی کوشش کرنی ہے اپنی کھال کے اندر رہ کر ہی کرنی ہے۔ وہ اپنی کھال سے باہر بہر حال نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ ہر شخص اپنے شاکلہ کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ کو خوب علم ہے کہ اس نے کس کو کس طرح کا شاکلہ دے رکھا ہے۔ اور وہ ہر شخص سے اس کے شاکلہ کی مناسبت سے ہی حساب لے گا۔ (اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو بیان القرآن' جلد اول' سورۃ البقرۃ' تشریح آیت ۲۸۶۔)

﴿فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾﴾ ''پس آپ کا رب خوب جانتا ہے اُسے جو زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔''

اس مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ))(۱) کہ انسان معدنیات کی طرح ہیں۔ معدنیات میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیات (properties) ہوتی ہیں۔ سونے کی ore چاندی کی ore سے بالکل مختلف خصوصیات کی حامل ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی خصوصیات سے خوب واقف ہے۔

آیات ۸۵ تا ۹۳

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾
وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً
مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ
يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا
لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ
الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاۗءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ
قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاۗءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع ۱۰

آیت ۸۵ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں روح کے بارے میں۔''

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾﴾ ''آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا علم مگر تھوڑا سا۔''

روح کے بارے میں یہ سوال ان تین سوالات میں سے تھا جو ایک مرتبہ مدینہ کے یہودیوں نے قریشِ مکہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے پوچھ بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک سوال اصحابِ کہف کے بارے میں تھا اور دوسرا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء و کتاب المناقب۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب الارواح جنود مجندة۔

ذوالقرنین کے بارے میں۔ ان دونوں سوالات کے تفصیلی جوابات سورۃ الکہف میں دیے گیے ہیں' مگر روح کے متعلق سوال کا انتہائی مختصر جواب اس سورت میں دیا گیا ہے۔

اس بارے میں یہاں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ روح کا تعلق عالَمِ امر سے ہے اور عالَمِ امر چونکہ عالَمِ غیب ہے اس لیے اس کے بارے میں تم لوگ کچھ نہیں جان سکتے۔ انسان کے علم کا ذریعہ اس کے حواس ہیں اور اپنے ان حواس کے ذریعے وہ صرف عالَمِ خلق کی چیزوں کے بارے میں جان سکتا ہے' عالَمِ غیب (عالَمِ امر) تک اس کا علم رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ عالم غیب کی باتوں کو اسے ویسے ہی ماننا ہو گا جیسے قرآن اور رسولؐ کے ذریعے سے بتائی گئی ہوں۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے' جس کا ذکر قرآن مجید کے آغاز میں ہی کر دیا گیا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③﴾ (البقرۃ)۔ قبل ازیں سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ اور سورۃ النحل کی آیت ۴۰ کی تشریح کے ضمن میں عالَمِ خَلق اور عالمِ امر کے بارے میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔ وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ فرشتوں' انسانی ارواح اور وحی کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔

آیت ۸۶ ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ⑧⑥﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس (قرآن) کو جو ہم نے وحی کیا ہے آپ کی طرف' پھر آپ نہ پائیں گے اپنے لیے اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔''

آیت ۸۷ ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ⑧⑦﴾ ''مگر یہ تو رحمت ہے آپؐ کے رب کی طرف سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا فضل آپؐ پر بہت بڑا ہے۔''

یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے جس کے مطابق بظاہر خطاب تو حضور ﷺ سے ہے مگر اصل میں لوگوں کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ آپؐ کا اصل مقام و مرتبہ کیا ہے۔ اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ سے بار بار اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا اعلان کرایا گیا کہ اے لوگو! میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں' مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ یہاں اسی بات کی تاکید کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ یہ ہماری عطا اور مہربانی ہے کہ ہم نے بذریعہ وحی آپؐ پر یہ عظیم الشان کلام نازل کیا ہے۔ اگرچہ اس کا ہرگز ہرگز کوئی امکان نہیں تھا' مگر محض ایک اصولی بات سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ جس طرح ہم نے یہ کلام نازل کیا ہے اسی طرح ہم اسے واپس بھی لے سکتے ہیں' اسے سلب بھی کر سکتے ہیں۔ یہ کلام نہ تو آپ ﷺ کا خود ساختہ ہے اور نہ ہی آپ ﷺ اسے اپنے پاس رکھنے پر قادر ہیں۔ یہ تو سراسر اللہ کی مہربانی اور اُس کی رحمت کا مظہر ہے اور وہی اسے آپ ﷺ کے سینے میں جمع کر کے محفوظ فرما رہا ہے۔

آیت ۸۸ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ⑧⑧﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جن اس بات پر کہ وہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو وہ نہیں لا سکیں گے اس کی مانند' اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''

اس موضوع پر قرآن کا اپنے مخاطبین سے یہ سب سے پہلا مطالبہ ہے جس میں ان سے پورے قرآن کا جواب دینے کو کہا گیا ہے۔

آیت ۸۹ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں''

﴿فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۸۹﴾ ''لیکن اکثر لوگ انکار (اور کفرانِ نعمت) ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔''

آیت ۹۰ ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے''

﴿حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝۹۰﴾ ''یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔''

مشرکین مکہ کی طرف سے اس طرح کے مطالبات بار بار کیے جاتے تھے کہ جب تک آپ ﷺ ہمیں کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے ہم آپ کو رسول نہیں مانیں گے۔

آیت ۹۱ ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝۹۱﴾ ''یا آپ کے لیے بن جائے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ' پھر آپ جاری کر دیں اس کے اندر نہریں۔''

آیت ۹۲ ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاۗءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا﴾ ''یا آپ گرا دیں آسمان ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں''

یعنی آپ ﷺ ہمیں قیامت کے حوالے سے خبریں سنا سنا کر جو ڈراتے رہتے ہیں کہ اُس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' تو آپ ﷺ آسمان کا کوئی ٹکڑا ابھی ہم پر گرا کر دکھا دیں۔

﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ قَبِيْلًا ۝۹۲﴾ ''یا آپ لے آئیں اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے۔''

آیت ۹۳ ﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاۗءِ ۭ﴾ ''یا آپ کے لیے سونے کا ایک محل (تعمیر) ہو جائے' یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں''

﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ﴾ ''اور ہم آپ کے (آسمان میں) چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ایک کتاب جسے ہم خود پڑھیں۔''

ان لوگوں کے ان تمام مطالبات کے جواب میں صرف ایک بات فرمائی گئی:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝۹۳﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے' میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول۔''

یعنی میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ میں بھی اسی طرح پیدا ہوا ہوں جس طرح تم سب لوگ

پیدا ہوئے ہو۔ میں تمہاری ہی طرح کھاتا پیتا ہوں' دنیا کے کام کاج کرتا ہوں' بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں اور میں نے ہر سطح پر کاروبار بھی کیا ہے۔ میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اور میری سیرت اوراخلاق وکردار روزِ روشن کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ مجھ میں اورتم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے' اور اللہ کا وہ پیغام جو بذریعہ وحی مجھ تک پہنچتا ہے وہ میں تم لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہوں۔

اگرچہ سیرت وکردار اور مرتبہ رسالت ونبوت کے اعتبار سے عام انسانوں سے نبی اکرم ﷺ کی کوئی مناسبت نہیں' مگر عام بشری تقاضوں کے حوالے سے انہیں یہ جواب دیا گیا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۰

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا
رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ
يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾
ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ
خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

آیت ۹۴ ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾﴾ ''اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ گئی' مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے بھیجا ہے ایک بشر کو رسول بنا کر!''

اُن کا کہنا تھا کہ اس کام کے لیے ان کی طرف کوئی فرشتہ بھیجا جاتا تو بھی کوئی بات تھی۔ اب وہ اپنی ہی طرح کے ایک انسان کو آخر کیونکر اللہ کا رسول مان لیں؟ ان کے اس اعتراض کے جواب میں جو دلیل دی جا رہی ہے وہ بہت اہم ہے:

آیت ۹۵ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾﴾ ''آپ فرمائیں کہ اگر زمین میں فرشتے (آباد ہوتے اور وہ) اطمینان سے چلتے پھرتے

ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔"

رسول کا کام ہے اللہ کے پیغام کو انسانوں تک پہنچانا' اس کی ایک ایک بات کو سمجھانا اور پھر اللہ کے احکام کے مطابق عمل کر کے اپنی زندگی کو ان کے سامنے بطور نمونہ پیش کرنا۔ اب ظاہر ہے انسانوں کے لیے نمونہ تو ایک انسان ہی ہو سکتا ہے' فرشتہ تو ان کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اگر ان کے پاس ایک فرشتہ رسول بن کر آ جاتا تو یہی لوگ کہتے کہ یہ تو فرشتہ ہے' اس کی کوئی خواہش ہے نہ ضرورت' نہ رشتہ ہے نہ ناتا' نہ جذبات ہیں نہ احساسات' ہماری اس سے کیا نسبت؟ ہماری تو گھر گرہستی ہے' اہل و عیال ہیں' مجبوریاں ہیں' ضرورتیں ہیں' طرح طرح کے جنجال ہیں' ہم اس کی سیرت اور اس کے کردار کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ البتہ اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے اور ان کی طرف رسول بھیجنا ہوتا تو ضرور کسی فرشتے ہی کو اس کام پر مامور کیا جاتا' مگر اب معاملہ چونکہ انسانوں کا ہے لہٰذا ان پر حجت قائم کرنے کے لیے لازماً کسی انسان ہی کو بطور رسول بھیجا جانا چاہیے تھا' سو ایسا ہی ہوا۔

آیت ۹۶ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ﴾ "آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔"

ردّ و قدح بہت ہو چکی۔ اب میں یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں' جو میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اب وہی فیصلہ کرے گا۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝۹۶﴾ "یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر نظر رکھنے والا ہے۔"

آیت ۹۷ ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ﴾ "اور جسے اللہ ہدایت دیتا ہے بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے"

﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ﴾ "اور جسے وہ گمراہ کر دے تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ ایسے لوگوں کے لیے کوئی مددگار اُس کے سوا۔"

﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ﴾ "اور ہم انہیں جمع کریں گے قیامت کے دن ان کے مونہوں کے بل (چلاتے ہوئے) اندھے' گونگے اور بہرے۔"

﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝۹۷﴾ "ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے ان کے لیے مزید بھڑکا دیا کریں گے۔"

آیت ۹۸ ﴿ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ "یہ سزا ہے ان کی اس بنا پر کہ انہوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا"

﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝۹۸﴾ "اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چورا چورا' تو کیا ہم دوبارہ اٹھا لیے جائیں گے ایک نئی مخلوق کی صورت میں؟"

آیت ٩٩ ﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کر دے''

جب تمہیں اُس نے ایک دفعہ پیدا کیا ہے تو اب تمہاری طرح کے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہوگا؟

﴿وَجَعَلَ لَهُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۹۹﴾﴾ ''اور اُس نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایک وقتِ معین جس میں کوئی شک نہیں' مگر ان ظالموں نے انکار ہی کیا سوائے کفر (اور کفرانِ نعمت) کے۔''

انہوں نے اللہ کے ہر حکم اور اس کی ہر آیت سے کفر اور انکار کی روش اپنائے رکھی۔

آیت ١٠٠ ﴿قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِکُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّیۡۤ﴾ ''آپ کہیے کہ اگر تمہیں اختیار ہوتا میرے رب کی رحمت کے خزانوں پر''

﴿اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَةَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ﴾ ''تب بھی تم ضرور روک رکھتے (انہیں) خرچ ہو جانے کے ڈر سے۔''

اگر اللہ کی رحمت کے بے حساب خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم لوگ اپنے فطری بخل کے سبب اُن کے دروازے بھی بند کر دیتے کہ کہیں خرچ ہو کر ختم نہ ہو جائیں۔

﴿وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ﴿۱۰۰﴾﴾ ''اور انسان بہت ہی تنگ دل ہے۔''

آیات ١٠١ تا ١١١

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ
اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ
فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡکُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ
وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِکُمۡ لَفِیۡفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا
وَّنَذِیۡرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا
تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾
وَّیَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ وَیَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ

نصف يَبۡكُوۡنَ وَيَزِيۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ
الۡحُسۡنٰى ۚ وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ
الَّذِيۡ لَمۡ يَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ شَرِيۡكٌ فِي الۡمُلۡكِ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرۡهُ
تَكۡبِيۡرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

آیت ۱۰۱ ﴿وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى تِسۡعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ ’’اور ہم نے موسیٰؑ کو نو واضح نشانیاں عطا کی تھیں‘‘

ان میں سے دو نشانیاں تو وہ تھیں جو آپؑ کو ابتدا میں عطا ہوئی تھیں‘ یعنی عصا کا اژدھا بن جانا اور یدِ بیضا۔ ان کے علاوہ سات نشانیاں وہ تھیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیات ۱۳۰ اور ۱۳۳ میں ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے عذاب تھے (قحط سالی‘ پھلوں اور فصلوں کا نقصان‘ طوفان‘ ٹڈی دل‘ چچڑیاں‘ مینڈک اور خون) جو مصر میں قومِ فرعون پر مختلف اوقات میں آتے رہے۔ جب وہ لوگ عذاب کی تکالیف سے تنگ آتے تو اسے ٹالنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ عذاب ٹل جاتا۔

یہاں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ سورت کے آغاز میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اور اب آخر میں بھی آپؑ کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ یہ اسلوب ہمیں قرآن حکیم کی ان سورتوں میں ملتا ہے جو ایک خطبے کے طور پر ایک ہی تنزیل میں نازل ہوئی ہیں۔ ایسی سورتوں کی ابتدائی اور آخری آیات خصوصی اہمیت اور فضیلت کی حامل ہوتی ہیں اور ان کے مضامین میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے۔ سورت کے آغاز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کے اُس دور کا ذکر کیا گیا ہے جب آپؑ مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں آ چکے تھے اور وہاں سے آپؑ کو کوہِ طور پر بلا کر تورات عطا کی گئی تھی: ﴿وَاٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَجَعَلۡنٰهُ هُدًى لِّبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِيۡ وَكِيۡلًا ﴿۲﴾﴾ ’’اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اُسے بنایا ہدایت بنی اسرائیل کے لیے‘ کہ تم مت بناؤ میرے سوا کسی کو کارساز۔‘‘ اب آخر میں بنی اسرائیل کے زمانۂ مصر کے حالات کے حوالے سے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے:

﴿فَسۡـَٔلۡ بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّيۡ لَاَظُنُّكَ يٰمُوۡسٰى مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾﴾

’’تو ذرا پوچھیں بنی اسرائیل سے (اس زمانے کا حال) جب کہ موسیٰؑ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰؑ میں تو تمہیں ایک سحر زدہ آدمی سمجھتا ہوں۔‘‘

دیکھئے جو الفاظ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہے تھے عین وہی الفاظ حضور ﷺ کے لیے آپؐ کے مخالفین کی طرف سے استعمال کیے گئے ہیں۔ اسی سورت میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ قریش مکہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے تھے: ﴿اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۴۷﴾﴾ ’’تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایک سحر زدہ شخص کی۔‘‘

آیت ۱۰۲ ﴿قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ﴾ ’’موسیٰؑ نے کہا: تجھے خوب معلوم ہے کہ نہیں نازل کیا ان (نشانیوں) کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے آنکھیں

کھول دینے کے لیے۔“

﴿وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ ”اور اے فرعون! میں تو تمہیں ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں۔“

ایک تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج جلالی تھا‘ دوسرے آپؑ بچپن سے اس فرعون کے ساتھ پلے بڑھے تھے‘ اس طرح اس کی حیثیت آپؑ کے چھوٹے بھائی کی سی تھی۔ چنانچہ آپؑ نے بڑے بارعب انداز میں بلا جھجک جواب دیا کہ تمہیں تو مجھ پر جادو کے اثر کا گمان ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تو ربِ کائنات کی بصیرت افروز واضح نشانیوں کو جھٹلا کر اپنی ہلاکت اور بربادی کو یقینی بنا چکا ہے۔

آیت ۱۰۳ ﴿فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ”تو اُس نے ارادہ کیا کہ انہیں اکھاڑ پھینکے زمین سے“

فرعون باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بنی اسرائیل کی نسل کشی کر رہا تھا۔ وہ ان کے لڑکوں کو قتل کروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ اور کسی بھی قوم کے مکمل استیصال کا اس سے زیادہ مؤثر طریقہ بھلا اور کیا ہو سکتا ہے!

﴿فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا﴾ ”لیکن ہم نے غرق کر دیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو۔“

آیت ۱۰۴ ﴿وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ﴾ ”اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم لوگ زمین میں آباد ہو جاؤ“

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا﴾ ”پھر جب آئے گا پچھلے وعدے کا وقت تو ہم لے آئیں گے تم سب کو سمیٹ کر۔“

اکثر و بیشتر مفسرین نے وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے آخرت یعنی قیامت مراد لی ہے۔ یعنی جب قیامت آئے گی تو تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو گے سب کو اکٹھا کر کے ہم میدانِ حشر میں لے آئیں گے۔ لیکن میرے خیال میں ان الفاظ میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جب آخرت کا وقت قریب آئے گا تو بنی اسرائیل کو ہر کہیں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کر لیا جائے گا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اس کے بعد نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جھٹلا کر انہوں نے اپنے اس جرم کی مزید توثیق بھی کر دی۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قوم کی حیثیت اس قیدی کی سی ہے جس کو اس کے جرم کی سزا سنائی جا چکی ہو‘ مگر اس سزا کی تعمیل (execution) ابھی باقی ہو۔

اس سورت کے نزول کے وقت بنی اسرائیل کے دورِ انتشار (Diaspora) یعنی فلسطین سے بے دخل ہوئے ساڑھے پانچ سو سال ہو چکے تھے۔ پچھلی صدی تک بھی ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ لوگ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے تھے۔ چونکہ کسی اجتماعی سزا یا عذاب کے لیے ان کا ایک جگہ اکٹھے ہونا ضروری تھا اس لیے قدرت کی طرف سے اسرائیل کی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا اور آیت زیر نظر کے الفاظ کے عین مطابق دنیا کے کونے کونے سے تمام یہودیوں کو اکٹھا کر کے یہاں آباد کیا گیا۔ اب اپنے زعم میں تو ان لوگوں نے عظیم تر اسرائیل (Greater Israel) کا منصوبہ اور نقشہ تیار کر رکھا ہے اور عین ممکن ہے ان کا یہ منصوبہ پورا بھی ہو جائے‘ مگر بالآخر یہ عظیم تر اسرائیل ان کے لیے عظیم تر قبرستان ثابت ہو گا (واللہ اعلم!) آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور آپؑ ہی کے ہاتھوں اس قوم کی ہلاکت ہو گی۔

اب آخری آیات میں پھر سے قرآن مجید کا ذکر بڑے عظیم الشان انداز میں آرہا ہے:

آیت ۱۰۵ ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾ ''اور اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔''

یہاں ''حق'' کا لفظ خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور اس لفظ کی معنوی تاثیر کو واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے دونوں دفعہ خاص طور پر زور دے کر اور واضح کر کے پڑھا جائے۔ اس آیت کا انداز بالکل وہی ہے جو سورۃ الطارق کی ان آیات میں پایا جاتا ہے: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾﴾ ''یقیناً یہ (قرآن) قولِ فیصل ہے اور یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے''۔ اس مفہوم کی وضاحت ہمیں حضرت عمرؓ سے مروی اس حدیث نبویؐ میں ملتی ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))(۱) ''یقیناً اللہ اس کتاب کی بدولت کئی قوموں کو اٹھائے گا اور کئی دوسری قوموں کو گرائے گا''۔ چنانچہ قرآن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عروج بخشا اور جب ہم اس کے تارک ہوئے تو اسی جرم کی پاداش میں ہمیں زمین پر پٹخ دیا گیا:

خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی — شکوہ سنج گردشِ دوراں شُدی

اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ — در بغل داری کتابِ زندۂ (اقبال)

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اور (اے نبیﷺ!) نہیں بھیجا ہم نے آپؐ کو مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔''

آیت ۱۰۶ ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ ''اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے (کر کے نازل) کیا ہے' تاکہ آپؐ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں۔''

﴿وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾﴾ ''اور ہم نے اس کو اُتارا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے!''

قرآن کے مختلف احکام حالات کے عین مطابق مختلف مواقع پر نازل کیے جاتے رہے تاکہ جن آیات یا احکام کی جس وقت ضرورت ہو وہ ہی لوگوں کو پڑھ کر سنائے جائیں۔ جیسے جیسے رسول اللہﷺ کی تحریک اور دعوت آگے بڑھتی گئی ویسے ویسے قرآن کے احکام کے ذریعے اس کے لیے فکری رہنمائی مہیا کی جاتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ پورا قرآن یکبارگی نازل نہیں کیا گیا۔

آیت ۱۰۷ ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ!''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب یہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے

(۱) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ ...... وسنن ابن ماجہ' المقدمۃ' باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ۔ وسنن الدارمی ' کتاب فضائل القرآن ' باب ان اللہ یرفع بھذا القرآن اقواما ویضع آخرین۔

بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔''

اس آیت میں یہود کے بعض علماء کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۱۰۸ ﴿وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب' یقیناً ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔''

جب قرآن کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ علمائے یہود میں لازماً کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس طرح کے خیالات کے حامل ہوں گے۔ ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں اطلاعات تو یہود مدینہ کو ملتی رہتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کی کچھ آیات بھی ان تک ضرور پہنچ چکی ہوں گی۔ اس پس منظر میں ہوسکتا ہے کہ ان کے بعض اہل علم نہ صرف قرآن کو پہچان کر اللہ کے حضور سجدوں میں گرے ہوں بلکہ اُن کی زبانوں پر بے اختیار یہ الفاظ بھی آ گئے ہوں کہ اللہ نے جو آخری نبی بھیجنے کا وعدہ کر رکھا تھا وہ تو آخر پورا ہونا ہی تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی طرف اشارہ ہے جو بائبل کی کتاب استثناء کے اٹھارہویں باب کی آیت ۱۸ اور ۱۹ میں ان الفاظ میں آج بھی موجود ہے کہ اے موسیٰ میں ان کے بھائیوں (بنی اسرائیل کے بھائی یعنی بنو اسماعیل) میں تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا اور وہ لوگوں سے وہی کچھ کہے گا جو میں اسے بتاؤں گا۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹﴾ ''اور وہ گر پڑتے ہیں اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے اور یہ (قرآن) اضافہ کرتا ہے ان کے خشوع میں۔''

اب وہ دو آخری آیات آ رہی ہیں جن کے متعلق آغاز میں بتایا گیا تھا کہ وہ معرفتِ خداوندی اور توحیدِ ربانی کے عظیم خزانے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ الکہف کے آخر میں بھی دو آیات آئیں گی جو ان آیات کی طرح بہت عظیم ہیں۔

آیت ۱۱۰ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔''

﴿اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾ ''جس نام سے بھی تم پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔''

ہر خیر' ہر خوبی' ہر بھلائی' ہر حسن' ہر کمال' ہر جمال جس کا تم تصور کر سکتے ہو' وہ بہ تمام و کمال اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہے۔

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰﴾ ''اور مت بلند کرو آواز اپنی نماز میں اور نہ ہی بہت پست رکھو اس میں' بلکہ اس کے بین بین روش اختیار کرو۔''

تمہاری نمازیں اور دعائیں نہ تو بہت زیادہ جہری ہوں نہ بالکل ہی سرّی' بلکہ ان کے بین بین کی راہ اختیار کرو۔

آیت ۱۱۱ ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ کُل حمد اور کُل شکر اللہ ہی کے لیے ہے''

یہ آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۃ الاخلاص کی ہم وزن ہے۔ اس میں پانچ مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کا بیان ہے۔ اس ضمن میں یہ پہلی بات ہے' یعنی حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ اعلان

کہ تمام تعریفیں اور ہر قسم کا شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔

﴿الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ ’’جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد‘‘

یہ دوسری بات ہے‘ جسے سورۃ الاخلاص میں ﴿لَمْ یَلِدْ ۙ وَ لَمْ یُوْلَدْ ③﴾ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ﴾ ’’اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں‘‘

تیسری بات اقتدار واختیار سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ تنہا ہر چیز کا مالک ومختار اور مالک الملک ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔

﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ ’’اور نہ ہی اس کا کوئی دوست ہے کمزوری کی وجہ سے‘‘

یہ چوتھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کو اپنی دوستیوں پر قیاس مت کرو۔ تم تو دوستیاں اس لیے پالتے ہو کہ تم اپنے دوستوں کے محتاج ہوتے ہو۔ انسان دوست اس لیے بناتا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت کام آئے گا۔ بعض دفعہ انسان اپنے کسی دوست کی انتہائی ناجائز بات صرف اس لیے ماننے پر مجبور ہوتا ہے کہ کل وہ میری بھی کوئی ضرورت پوری کرے گا۔ انسان کی یہی کمزوری اسے دوست بنانے اور دوستانہ تعلق نبھانے پر مجبور کرتی ہے‘ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی تمام کمزوریوں سے پاک ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں۔ چنانچہ اللہ کی دوستی کسی ضرورت کی بنیاد پر نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کا کوئی دوست اس سے اپنی کوئی بات زبردستی منوا سکتا ہے۔ پانچویں اور آخری بات بہت اہم ہے:

﴿وَ کَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا ⑪﴾ ’’اُس کی تکبیر کرو جیسے کہ تکبیر کرنے کا حق ہے۔‘‘

یہ ترجمہ (تکبیر کرو) بہت اہم اور توجہ طلب ہے۔ صرف زبان سے ’’اللہ اکبر‘‘ کہہ دینے سے اللہ کی تکبیر نہیں ہو جاتی‘ اس کے لیے عملی طور پر بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ زبان سے اللہ اکبر کہنا تو تکبیر کا پہلا درجہ ہے کہ کسی نے زبان سے اقرار کر لیا کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد اہم اور کٹھن مرحلہ اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ کو عملی طور پر بڑا کرنے کا ہے۔ یہ مرحلہ تب طے ہوگا جب ہمارے گھر میں بھی اللہ کو بڑا تسلیم کیا جائے گا اور گھر کے تمام معاملات میں اسی کی بات مانی جائے گی‘ جب ہماری پارلیمنٹ میں بھی اس کی بڑائی کو تسلیم کیا جائے گا اور کوئی قانون اس کی شریعت کے خلاف نہیں بن سکے گا‘ جب ہماری عدالتوں میں بھی اس کی بڑائی کا ڈنکا بجے گا اور تمام فیصلے اسی کے احکامات کی روشنی میں کیے جائیں گے۔ غرض جب تک ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اور ہر کہیں اس کا حکم آخری حکم کے طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا‘ اللہ کی تکبیر کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اللہ کے احکام کو عملی طور پر نافذ نہ کرنے والوں کے لیے سورۃ المائدۃ کا یہ حکم بہت واضح ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ ㊹ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ㊺ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ㊼﴾۔ آج ہم نے اللہ کو (نعوذ باللہ) اپنے تئیں مسجدوں میں بند کر دیا ہے کہ اے اللہ آپ یہیں رہیں‘ ہم یہیں پر آ کر آپ کی تکبیر کے ترانے گائیں گے‘ آپ کی تسبیح وتحمید کریں گے ـــــ لیکن مسجد سے باہر ہماری

مجبوریاں ہیں۔ کیا کریں مارکیٹ میں مالی مفادات کے ہاتھوں مجبور ہیں' گھر میں بیوی بڑی ہے' کسی اور جگہ کوئی اور بڑا ہے۔ ایسے حالات میں ہمارے ہاں اللہ کی تکبیر کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا ہے اور اب تکبیر فقط دو الفاظ (اللہ اکبر) پر مشتمل ایک کلمہ ہے' جسے زبان سے ادا کر دیں تو گویا اللہ کی بڑائی کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى واِيّاكم بالآيات والذِّكر الحكيم ۝۝

سُورۃُ الکہف

تمہیدی کلمات

سورۃ الکہف اور سورۂ بنی اسرائیل کا آپس میں جوڑے اور زوجیت کا تعلق ہے۔ دونوں سورتوں کے بارہ بارہ رکوع ہیں اور آیات کی تعداد بھی تقریباً برابر ہے۔ دونوں کے عین وسط میں حضرت آدمؑ اور ابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں اس حد تک مشابہت ہے کہ نہ صرف دونوں سورتوں کے ساتویں رکوع کا آغاز اس واقعہ سے ہوتا ہے بلکہ دونوں جگہوں پر واقعہ کی ابتدا بھی ایک ہی آیت سے ہو رہی ہے۔ ان کی نسبت زوجیت سے متعلق اہم نکات کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں بھی ہو چکا ہے' جبکہ میری کتاب ''قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ'' میں اس مضمون کو مزید جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت اور سورۃ الکہف کی ابتدائی آیت میں ایک خاص ربط و تعلق ہے' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں سورتیں ایک ساتھ قرآن میں وارد ہوئی ہیں اور ریل کے ڈبوں کی طرح باہم inter locked ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا آغاز ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ......﴾ کے الفاظ سے ہو رہا ہے' یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کا حکم دیا جا رہا ہے' جبکہ سورۃ الکہف کا آغاز ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ......﴾ کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ گویا یہاں اس حکم کی تعمیل ہو رہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

آیات ۱ تا ۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؐ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا
شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾
مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۤ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا
لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ
نَّفْسَكَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِيْنَةً
لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾

آیت ۱ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ ''کُل حمد وثنا اور کُل شکر اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نازل کی اپنے بندے پر کتاب''

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلّق اور نسبت ہے اسے یہاں لفظ ''عبد'' سے نمایاں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞﴾ ''اور اس میں اُس نے کوئی کجی نہیں رکھی۔''

آیت ۲ ﴿قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ ''(یہ کتاب) بالکل سیدھی ہے' تاکہ وہ خبردار کرے ایک بہت بڑی آفت سے اُس کی طرف سے''

یعنی نبی اکرم ﷺ پر نزولِ قرآن کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپؐ لوگوں کو ایک بہت بڑی آفت کے بارے میں خبردار کر دیں۔ یہاں لفظ بَاْسًا بہت اہم ہے۔ یہ لفظ واحد ہو تو اس کا مطلب جنگ ہوتا ہے اور جب بطور جمع آئے تو اس کے معنی سختی' مصیبت' بھوک' تکلیف وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ (آیت البر) میں یہ لفظ بطور واحد بھی آیا ہے اور بطور جمع بھی: ﴿وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ﴾۔ چنانچہ وہاں دونوں صورتوں میں اس لفظ کے معنی مختلف ہیں: ''اَلْبَاْسَآءِ'' کے معنی فقر و تنگدستی اور مصائب و تکالیف کے ہیں جبکہ ''وَحِیْنَ الْبَاْسِ'' سے مراد جنگ کا وقت ہے۔

بہرحال آیت زیر نظر میں ''بَاْسًا شَدِیْدًا'' سے ایک بڑی آفت بھی مراد ہو سکتی ہے اور بہت شدید قسم کی جنگ بھی۔ آفت کے معنی میں اس لفظ کا اشارہ اس دجّالی فتنہ کی طرف ہے جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجّال کے فتنے سے خبردار نہ کیا ہو' کیونکہ یہ فتنہ ایک مؤمن کے لیے سخت ترین امتحان ہوگا اور پوری انسانی تاریخ میں اس فتنے سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔

دوسری طرف اس لفظ (بَاْسًا شَدِیْدًا) کو اگر خاص طور پر جنگ کے معنی میں لیا جائے تو اس سے ''اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰی'' مراد ہے اور اس کا تعلق بھی فتنہ دجال ہی سے ہے۔ کتب احادیث (کتاب الفتن' کتاب آثار القیامۃ' کتاب الملاحم وغیرہ) میں اس خوفناک جنگ کا ذکر بہت تفصیل سے ملتا ہے۔ عیسائی روایات میں اس جنگ کو ''ہرمجدّون'' (Armageddon) کا نام دیا گیا ہے۔ بہرحال حضرت مسیح علیہ السلام کے تشریف لانے اور ان کے ہاتھوں دجّال کے قتل کے بعد اس فتنہ یا جنگ کا خاتمہ ہوگا۔

بہت سی احادیث میں ہمیں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ دجّالی فتنہ کے ساتھ سورۃ الکہف کی ایک خاص مناسبت ہے اور اس فتنہ کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے اس سورۃ کے ساتھ ذہنی اور قلبی تعلق قائم کرنا بہت مفید ہے۔ اس مقصد کے لیے احادیث میں جمعہ کے روز سورۃ الکہف کی تلاوت کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے' اور اگر پوری سورت کی تلاوت نہ کی جا سکے تو کم از کم اس کی ابتدائی اور آخری آیات کی تلاوت کرنا بھی مفید بتایا گیا ہے۔

یہاں پر دجّالی فتنہ کی حقیقت کے بارے میں کچھ وضاحت بھی ضروری ہے۔ ''دجل'' کے لفظی معنی دھوکہ

اور فریب کے ہیں۔ اس مفہوم کے مطابق ''دجال'' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بہت بڑا دھوکے باز ہو' جس نے دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹ اور فریب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔ اس لیے نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کو بھی دجّال کہا گیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جن تیس دجّالوں کی پیدائش کی خبر دی ہے ان سے جھوٹے نبی ہی مراد ہیں۔

دجالیت کے اس عمومی مفہوم کو مدنظر رکھا جائے تو آج کے دور میں مادہ پرستی بھی ایک بہت بڑا دجالی فتنہ ہے۔ آج لوگوں کے اذہان وقلوب' نظریات وافکار اور اخلاق واقدار پر مادیت کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ انسان اللہ کو بھول چکا ہے۔ آج وہ مسبّب الاسباب کو بھول کر مادی اسباب پر توکّل کرتا ہے۔ وہ قرآن کے اس فرمان کو یکسر فراموش کر چکا ہے کہ: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (آل عمران) یعنی دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے' جبکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ آخرت کی زندگی پر پڑے ہوئے دنیا اور اس کی مادیت کے پردے سے دھوکا کھا کر انسان نے دُنیوی زندگی ہی کو اصل سمجھ لیا ہے' لہٰذا اس کی تمام دوڑ دھوپ اسی زندگی کے لیے ہے۔ اسی زندگی کے مستقبل کو سنوارنے کی اس کو فکر ہے' اور یوں وہ مادّہ پرستی کے دجالی فتنے میں گرفتار ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ دجال اور دجالی فتنے کا ایک خصوصی مفہوم بھی ہے۔ اس مفہوم میں اس سے مراد ایک مخصوص فتنہ ہے جو قربِ قیامت کے زمانے میں ایک خاص شخصیت کی وجہ سے ظہور پذیر ہو گا۔ اس بارے میں کتبِ احادیث میں بڑی تفصیلات موجود ہیں' لیکن بعض روایات میں کچھ پیچیدگیاں بھی ہیں اور تضادات بھی۔ ان کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ علمی سطح پر غور وفکر کی ضرورت ہے' کیونکہ ظاہری طور پر نظر آنے والے تضادات میں مطابقت کے پہلوؤں کو تلاش کرنا اہلِ علم کا کام ہے۔ بہرحال یہاں ان تفاصیل کا ذکر اور ان پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں۔ اس موضوع کے بارے میں یہاں صرف اس قدر جان لینا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربِ قیامت کے زمانے میں دجال کے ظاہر ہونے اور ایک بہت بڑا فتنہ اٹھانے کے بارے میں خبریں دی ہیں۔ جو حضرات اس حوالے سے تفصیلی معلومات چاہتے ہوں وہ مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب ''تفسیر سورۃ الکہف'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس موضوع پر ''دنیا کی حقیقت'' کے عنوان سے میری ایک تقریر کی ریکارڈنگ بھی دستیاب ہے' جس میں میں نے سورۃ الکہف کے مضامین کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

﴿وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲﴾ ''اور (تاکہ) وہ بشارت دے اُن اہلِ ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہوں کہ ان کے لیے ہو گا بہت اچھا بدلہ۔''

آیت ۳ ﴿مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳﴾ ''وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

آیت ۴ ﴿وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴﴾ ''اور خبردار کر دے اُن لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔''

دورِ حاضر کی دجّالیت کی اصل جڑ موجودہ مسیحیت ہے جس کی بنیاد تثلیث پر رکھی گئی ہے اور اب اسے

مسیحیت کے بجائے Paulism کہنا زیادہ درست ہے۔ اس میں سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا گیا۔ پھر اس میں کفارے کا عقیدہ شامل کیا گیا کہ جو کوئی بھی حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے گا اسے تمام گناہوں سے پیشگی معافی مل جائے گی۔ اس کے بعد شریعت کو ساقط کر کے اس سلسلے میں تمام اختیارات پوپ کو دے دیے گئے' کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام۔ ان تحریفات کی وجہ سے یورپ میں عام لوگوں کو لفظ ''مذہب'' سے ہی شدید نفرت ہوگئی۔ پھر جب ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زیر اثر جدید علوم کو فروغ ملا تو فرانس' اٹلی' جرمنی وغیرہ کے بے شمار نوجوانوں نے قرطبہ' غرناطہ اور طلیطلہ کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لیا۔ یہ نوجوان حصولِ تعلیم کے بعد جب اپنے اپنے ممالک میں واپس گئے تو یورپ میں ان کی نئی فکر کی وجہ سے اصلاحِ مذہب (Reformation) اور احیائے علوم (Renaissance) کی تحریکات شروع ہوئیں۔ ان کی وجہ سے یورپ کے عام لوگ جدید علوم کی طرف راغب تو ہوئے مگر معاشرے میں پہلے سے موجود مذہب مخالف جذبات کی وجہ سے مذہب دشمنی خود بخود اس تحریک میں شامل ہوگئی۔ نتیجتاً جدید علوم کے ساتھ مذہب سے بیزاری' روحانیت سے لاتعلقی' آخرت سے انکار اور خدا کے تصور سے بیگانگی جیسے خیالات بھی یورپی معاشرے میں مستقلاً جڑ پکڑ گئے' اور یہ سب کچھ عیسائیت میں کی جانے والی مذکورہ تحریفات کا ردِعمل تھا۔ آیت زیرنظر میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے یہ عقیدہ ایجاد کیا تھا کہ مسیحؑ (نعوذ باللہ) اللہ کا بیٹا ہے۔

آیت ۵ ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ﴾ ''انہیں اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں اور نہ ہی ان کے آباء و اَجداد کو تھا۔''

انہوں نے یہ جو عقیدہ ایجاد کیا ہے اس کی نہ تو ان کے پاس کوئی علمی سند ہے اور نہ ہی ان کے آباء و اَجداد کے پاس تھی۔

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ﴾ ''بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔''

یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اولاد منسوب کر کے اس کی شان میں بہت بڑی گستاخی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝﴾ ''وہ نہیں کہتے مگر سراسر جھوٹ۔''

آیت ۶ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ شاید اپنے آپ کو غم سے ہلاک کر لیں گے ان کے پیچھے' اگر وہ ایمان نہ لائے اس بات (قرآن) پر۔''

تثلیث جیسے غلط عقائد کے جو بھیانک نتائج مستقبل میں نسل انسانی کے لیے متوقع تھے ان کے تصور اور اِدراک سے رسول اللہ ﷺ پر شدید دباؤ تھا۔ آپؐ خوب سمجھتے تھے کہ اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے اور اپنے موجودہ مذہب پر ہی قائم رہے تو ان کے غلط عقائد کے سبب دنیا میں دجالیت کا فتنہ جنم لے گا' جس کے اثرات نسل انسانی کے لیے تباہ کن ہوں گے۔ یہی غم تھا جو آپؐ کی جان کو گھلائے جا رہا تھا۔

آیت ۷ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا﴾ ''یقیناً ہم نے بنا دیا ہے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا

بناؤ سنگھار''

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لیجیے کہ لفظ ''زینت'' اور دُنیوی آرائش و زیبائش کا موضوع اس سورت کے مضامین کا عمود ہے۔ یعنی دنیا کی رونق' چمک دمک اور زیب و زینت میں انسان اس قدر کھو جاتا ہے کہ آخرت کا اسے بالکل خیال ہی نہیں رہتا۔ دنیا کی یہ رنگینیاں امریکہ اور یورپ میں اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ انہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور انسان اس سب کچھ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم امریکی اور یورپی اقوام کی علمی ترقی سے متاثر اور ان کے مادی اسباب و وسائل سے مرعوب ہیں۔ اپنی اسی مرعوبیت کے باعث ہم ان کی لادینی تہذیب و ثقافت کے بھی دلدادہ ہیں اور ان کے طرزِ معاشرت کو اپنانے کے بھی درپے ہیں۔

﴿لِنَبۡلُوَهُمۡ اَيُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۝﴾ ''تاکہ انہیں ہم آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں۔''

دُنیا کے یہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ دراصل انسان کی آزمائش کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ایک طرف دنیا کی یہ سب دلچسپیاں اور رنگینیاں ہیں اور دوسری طرف اللہ اور اس کے احکام ہیں۔ انسان کے سامنے یہ دونوں راستے کھلے چھوڑ کر دراصل یہ دیکھنا مقصود ہے کہ وہ ان میں سے کس کا انتخاب کرتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے یا اپنے خالق و مالک کو پہچانتے ہوئے اس کے احکام کی تعمیل کو اپنی زندگی کا اصل مقصود سمجھتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی شاعر کا یہ شعر اگرچہ شانِ باری تعالیٰ کے لائق تو نہیں مگر اس مضمون کی وضاحت کے لیے بہت خوب ہے: ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اِدھر آتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ جاتا ہے!

اب جس پروانے (انسان) کو اس شمع کی ظاہری روشنی اور چمک اپنی طرف کھینچ لے گئی تو وہ ﴿فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ۝﴾ (النساء) کے مصداق تباہ و برباد ہو گیا اور جو اس کی ظاہری اور وقتی چکا چوند کو نظر انداز کر کے حسن ازلی اور اللہ کے جلال و کمال کی طرف متوجہ ہو گیا وہ حقیقی کامیابی اور دائمی نعمتوں کا مستحق ٹھہرا۔

آیت ۸ ﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَيۡهَا صَعِيۡدًا جُرُزًا ۝﴾ ''اور یقیناً ہم بنا کر رکھ دیں گے جو کچھ اس (زمین) پر ہے اسے ایک چٹیل میدان۔''

قیامت برپا ہونے کے بعد اس زمین کی تمام آرائش و زیبائش ختم کر کے اسے ایک صاف ہموار میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ نہ پہاڑ اور سمندر باقی رہیں گے اور نہ یہ حسین و دلکش عمارات۔ اس وقت زمین کی سطح ایک ایسے کھیت کا منظر پیش کر رہی ہو گی جس کی فصل کٹ چکی ہو اور اس میں صرف بچا کھچا سوکھا چورا اِدھر اُدھر بکھرا پڑا ہو۔

آیات ۹ تا ۱۶

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى

اٰذَانِهِمۡ فِی الۡکَهۡفِ سِنِیۡنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَیُّ الۡحِزۡبَیۡنِ اَحۡصٰی لِمَا لَبِثُوۡۤا
اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡیَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَ زِدۡنٰهُمۡ هُدًی ﴿۱۳﴾ ع ۱۲ ۱۳
وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ
اِلٰـهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡ لَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ
بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَ اِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَ مَا
یَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَی الۡکَهۡفِ یَنۡشُرۡ لَکُمۡ رَبُّکُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَ یُهَیِّیٔۡ لَکُمۡ مِّنۡ اَمۡرِکُمۡ
مِّرۡفَقًا ﴿۱۶﴾

آیت ۹ ﴿اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَهۡفِ وَ الرَّقِیۡمِ ۙ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾﴾ ’’کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور رقیم (تختی) والے اصحاب ہماری بہت عجیب نشانیوں میں سے تھے؟‘‘

اب اصحابِ کہف کے متعلق اس سوال کے جواب کا آغاز ہو رہا ہے جو یہودِ مدینہ نے قریشِ مکّہ کے ذریعے حضور ﷺ سے پوچھا تھا۔ کہف کے معنی غار کے ہیں اور رقیم سے مراد وہ تختی ہے جس پر اصحابِ کہف کے حالات لکھ کر اسے غار کے دہانے پر لگا دیا گیا تھا۔ اس نسبت سے انہیں اصحابِ کہف بھی کہا جاتا ہے اور اصحاب الرّقیم بھی۔ مراد یہ ہے کہ تم لوگ شاید اصحاب کہف کے واقعہ کو ایک بہت غیر معمولی واقعہ اور ہماری ایک بڑی عجیب نشانی سمجھتے ہو، مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری تخلیق اور صنّاعی میں تو اس سے بھی بڑے بڑے عجائبات موجود ہیں۔

اس قصے کے بارے میں اب تک جو ٹھوس حقائق ہمارے سامنے آئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے: حضرت مسیح علیہ السلام کی فلسطین میں بعثت کے وقت بظاہر یہاں ایک یہودی بادشاہ کی حکمرانی تھی مگر اس بادشاہ کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی اور عملی طور پر یہ پورا علاقہ رومن ایمپائر ہی کا حصہ تھا۔ رومی حکمران مذہباً بت پرست تھے جبکہ فلسطین کے مقامی باشندے اہل کتاب (یہودی) تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفعِ سماوی کا واقعہ ۳۰ اور ۳۳ عیسوی کے لگ بھگ پیش آیا۔ اس کے بعد یہودیوں کی ایک بغاوت کے جواب میں رومی جنرل ٹائیٹس نے ۷۰ عیسوی میں یروشلم پر حملہ کر کے اس شہر کو بالکل تباہ و برباد کر دیا، ہیکلِ سلیمانی مسمار کر دیا گیا، یہودیوں کا قتل عام ہوا اور جو یہودی قتل ہونے سے بچ گئے انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ مقامی عیسائیوں کو اگرچہ علاقے سے بے دخل تو نہ کیا گیا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور موحد ہونے کی وجہ سے انہیں رومیوں کی طرف سے اکثر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ اسی حوالے سے رومی بادشاہ دقیانوس (Decius) کے دربار میں چند راسخ العقیدہ موحّد نوجوانوں کی پیشی ہوئی۔ بادشاہ کی طرف سے ان نوجوانوں پر واضح کیا گیا کہ وہ اپنے عقائد کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لیں ورنہ انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ بادشاہ کی طرف سے انہیں اس فیصلے کے لیے مناسب مہلت دی گئی۔ اسی مہلت کے دوران انہوں نے شہر سے نکل کر کسی غار میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ لوگ غار میں پناہ گزیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان پر ایسی نیند طاری کر دی کہ وہ تقریباً تین سو سال تک سوتے

رہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۹ میں بھی اسی نوعیت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو ان کی موت کے سو سال بعد زندہ کر دیا گیا) اور ان کی نیند کے دوران ان کی کروٹیں بدلنے کا بھی باقاعدہ اہتمام رہا۔ جس غار میں اصحابِ کہف سو رہے تھے وہ ایسی جگہ پر واقع تھی جہاں لوگوں کا آنا جانا بالکل نہیں تھا۔ اس غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر روشنی منعکس ہو کر تو آتی تھی' لیکن براہِ راست روشنی یا دھوپ نہیں آتی تھی۔ اس طرح کے غاروں کا ایک سلسلہ افسس شہر (موجودہ ترکی) کے علاقے میں پایا جاتا ہے جبکہ ہندوستان (ایجنٹا) میں بھی ایسے غار موجود ہیں۔

بعد ازاں قسطنطین (Constantine) نامی فرمانروا نے عیسائیت قبول کر لی اور اس کی وجہ سے پوری رومن ایمپائر بھی عیسائی ہو گئی۔ پھر ۴۰۰ عیسوی کے لگ بھگ Theodosius کے عہدِ حکومت میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو جگایا۔ جاگنے کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو چاندی کا ایک سکّہ دے کر کھانا لینے کے لیے شہر بھیجا اور ساتھ ہدایت کی کہ وہ محتاط رہے' ایسا نہ ہو ان کے غار میں چھپنے کی خبر بادشاہ تک پہنچ جائے۔ (وہ اپنی نیند کو معمول کی نیند سمجھ رہے تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ تین سو سال تک سوئے رہے تھے۔) بہر حال کھانا لانے کے لیے جانے والا ان کا ساتھی اپنی تین سو سال پرانی وضع قطع اور کرنسی کی وجہ سے پکڑا گیا اور یوں ان کے بارے میں تمام معلومات لوگوں تک پہنچ گئیں۔ جب لوگوں کو حقیقت حال کا علم ہوا تو ہم مذہب ہونے کی وجہ سے عیسائی آبادی کی طرف سے ان کی بہت عزت افزائی کی گئی۔ اس کے بعد وہ لوگ غار میں پھر سے سو گئے یا اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔ ان لوگوں کی طبعی موت کے بعد غار کے دہانے کو بند کر دیا گیا اور ایک تختی پر ان لوگوں کا احوال لکھ کر اسے اس جگہ پر نصب کر دیا گیا۔ اصحابِ کہف کا یہ قصہ گبن کی کتاب The Decline and fall of Roman Empire میں بھی Seven Sleepers کے عنوان سے موجود ہے۔ اس قصے کا ذکر چونکہ رومن لٹریچر میں تھا اور یہودی اِن تمام تفصیلات سے آگاہ تھے' اس لیے انہوں نے یہ سوال حضور ﷺ سے امتحاناً پوچھ بھیجا تھا۔

آیت ۱۰ ﴿اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ۝۱۰﴾ ''جبکہ ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور انہوں نے کہا: اے ہمارے ربّ! تو ہمیں عطا فرما اپنے پاس سے رحمت اور آسان فرما دے ہمارے لیے ہمارے معاملات میں عافیت کا راستہ۔''

اپنے خاص خزانہ فضل سے ہمارے لیے رحمت کا بندوبست فرما دے۔

آیت ۱۱ ﴿فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ۝۱۱﴾ ''تو ہم نے تھپکی دے دی ان کے کانوں پر غار میں کئی سال کے لیے۔''

یعنی ہم نے غار کے اندر متعدد سال تک انہیں سلائے رکھا۔ یہاں پر یہ بحث نہیں چھیڑی گئی کہ کتنے سال تک انہیں نیند کی حالت میں رکھا گیا۔

آیت ۱۲ ﴿ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ۝۱۲﴾ ''پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ

ہم دیکھیں کہ دو گروہوں میں سے کس کو بہتر معلوم ہے کہ کتنا عرصہ وہ وہاں رہے تھے۔“
ان دو گروہوں سے کون لوگ مراد ہیں‘ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

آیت ۱۳ ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ ”ہم سنا رہے ہیں آپ کو ان کا قصہ حق کے ساتھ۔“
یہ واقعہ جیسے وقوع پذیر ہوا تھا بالکل ویسے ہی ہم آپ کو بلا کم و کاست سنانے جا رہے ہیں۔

﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾﴾ ”وہ چند نوجوان تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر اور ہم نے خوب بڑھایا تھا انہیں ہدایت میں۔“

آیت ۱۴ ﴿وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا﴾ ”اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ (بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے“

﴿فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾﴾ ”تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے‘ ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اُس کے سوا کسی اور کو معبود‘ (اگر ایسا ہوا) تب تو ہم بہت غلط بات کہیں گے۔“

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے دربار میں ڈٹ کر حق بات کہی تھی ویسے ہی ان نوجوانوں نے بھی علی الاعلان کہا کہ ہم ربّ کائنات کو چھوڑ کر کسی دیوی یا دیوتا کو اپنا ربّ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ ”ہماری اس قوم نے بنا لیے ہیں اُس کے سوا دوسرے معبود۔“

﴿لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ﴾ ”تو کیوں نہیں پیش کرتے وہ ان کے بارے میں کوئی واضح دلیل؟“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کوئی دلیل یا سند وہ اپنے اس دعوے کے ساتھ کیوں پیش نہیں کرتے؟

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾﴾ ”تو اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا!“

شاہی دربار میں اس تُند و تیز مکالمے کے بعد جب انہیں چند دن کی مہلت کے ساتھ اپنا دین چھوڑنے یا موت کا سامنا کرنے کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا تو وہ آپس میں یوں مشورہ کرنے لگے:

آیت ۱۶ ﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿١٦﴾﴾ ”اور اب جبکہ تم نے خود کو اُن لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں‘ ان سے علیحدہ کر لیا ہے تو اب کسی غار میں پناہ لے لو‘ تمہارا رب پھیلا دے گا تمہارے لیے اپنی رحمت اور تمہارے معاملے میں تمہارے لیے سہولت کا سامان پیدا فرما دے گا۔“

آیات ۱۷ تا ۲۶

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ
الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ
يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ڰ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ ع
الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ڰ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ
مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَاۗءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ
كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ
بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا
يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ
تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا
رَيْبَ فِيْهَا ڬ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ
قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ
وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ
رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڭ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ
فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ ع
رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓي اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ
ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

آیت ۱۷ ﴿وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ﴾ ”اور تم سورج کو دیکھتے کہ جب وہ طلوع ہوتا تو اُن کی غار سے داہنی طرف ہٹ جاتا“

﴿وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ”اور جب وہ غروب ہوتا تو بائیں جانب ان سے کنّی کترا جاتا“

یعنی اس غار کا دہانہ شمال کی طرف تھا جس کی وجہ سے سورج کی براہِ راست روشنی یا دھوپ اس میں دن کے کسی وقت بھی نہیں پڑتی تھی۔ ہمارے ہاں بھی دھوپ اور سائے کا یہی اصول کارفرما ہے۔ سورج کسی بھی موسم میں شمال

کی طرف نہیں جاتا۔ اسی اصول کے تحت کارخانوں وغیرہ کی بڑی بڑی عمارات میں یہاں north light shells کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ ایسے shells سے روشنی تو بلڈنگ میں آئے مگر دھوپ براہِ راست نہ آئے۔

﴿وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ﴾ ''اور وہ اس کی کھلی جگہ میں (لیٹے ہوئے) تھے۔''

یعنی غار اندر سے کافی کشادہ تھی اور اصحابِ کہف اس کے اندر کھلی جگہ میں سوئے ہوئے تھے۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔''

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝﴾ ''جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے' اور جسے وہ گمراہ کر دے تو اُس کے لیے تم نہیں پاؤ گے کوئی مددگار راہ پر لانے والا۔''

آیت ۱۸ ﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ڰ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ڰ﴾ ''اور (اگر تم انہیں دیکھتے تو) تم سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے' اور ہم ان کی کروٹیں بھی بدلتے رہے دائیں اور بائیں''

گویا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ان کی دیکھ بھال کے لیے نرسنگ ڈیوٹی پر مامور کر رکھا تھا' جو وقفے وقفے سے ان کی کروٹیں بدلتے رہے تاکہ سالہا سال تک ایک ہی پہلو پر لیٹے رہنے سے وہ bed sores جیسی کسی تکلیف سے محفوظ رہیں۔

﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ﴾ ''اور اُن کا کُتّا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا دہلیز پر''

اس دوران ان کا کتا اپنی اگلی دونوں ٹانگیں سامنے پھیلا کر کُتوں کے بیٹھنے کے مخصوص انداز میں غار کے دہانے پر بیٹھا رہا۔

﴿لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝﴾ ''اگر تم ان پر جھانکتے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور تم پر ان کی طرف سے ہیبت طاری ہو جاتی۔''

ایک ویرانے میں اندھیری غار اور اُس کے سامنے اپنے بازو پھیلائے بیٹھا ہوا ایک خوفناک کُتّا! یہ ایک ایسا منظر تھا جسے جو بھی دیکھتا ڈر کے مارے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھتا۔

آیت ۱۹ ﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَاۗءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں۔''

﴿قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ﴾ ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنا عرصہ یہاں رہے ہو گے؟''

﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ﴾ ''کچھ بولے کہ ہم رہے ہیں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ کچھ (دوسرے) بولے کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کتنا عرصہ رہے ہو!''

جب کچھ ساتھیوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ انہوں نے ایک دن یا اس سے کچھ کم وقت نیند میں گزارا ہے تو ان کے جواب پر کچھ دوسرے ساتھی بول پڑے کہ اس بحث کو چھوڑ دو‘ اللہ کو سب پتا ہے کہ تم لوگ یہاں کتنا عرصہ تک سوئے رہے ہو۔

﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ﴾ ’’اب تم بھیجو اپنے میں سے ایک (ساتھی) کو اپنے اس چاندی کے سکّے کے ساتھ شہر کی طرف‘‘

﴿فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ ’’تو وہ دیکھے کہ شہر کے کس حصے سے زیادہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے اور وہ وہاں سے تمہارے لیے کچھ کھانا لے آئے۔‘‘

ظاہر ہے کہ اپنے اعتقاد اور نظریے کے مطابق انہیں پاکیزہ کھانا ہی چاہیے تھا۔

﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ ’’اور وہ نرمی کا معاملہ کرے‘‘

یعنی جو ساتھی کھانا لینے کے لیے جائے وہ لوگوں سے بات چیت اور لین دین کرتے ہوئے خصوصی طور پر اپنا رویّہ نرم رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی سے جھگڑ پڑے اور اس طرح ہم سب کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے۔

یہاں پر نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کے حروف کی گنتی کے اعتبار سے لفظ وَلْيَتَلَطَّفْ کی ’’ت‘‘ پر قرآن کا نصف اوّل پورا ہو گیا ہے اور اس کے بعد لفظ ’’ل‘‘ سے نصف ثانی شروع ہو رہا ہے۔

﴿وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹﴾ ’’اور وہ آگاہ نہ کر دے تمہارے بارے میں کسی کو۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰﴾ ’’کیونکہ اگر انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں واپس لے جائیں گے اپنے دین میں‘ اور تب تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے۔‘‘

اگر انہوں نے تمہیں مجبور کر دیا کہ تم پھر سے ان کا دین قبول کر لو تو ایسی صورت میں تم ہمیشہ کے لیے ہدایت سے دور ہو جاؤ گے۔

آیت ۲۱ ﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ﴾ ’’اور اس طرح ہم نے مطلع کر دیا (لوگوں کو) ان پر‘‘

چنانچہ اصحاب کہف کا ایک ساتھی جب کھانا لینے کے لیے شہر گیا تو اپنے لباس‘ حلیے اور کرنسی وغیرہ کے باعث فوری طور پر اسے پہچان لیا گیا کہ وہ موجودہ زمانے کا انسان نہیں ہے۔ پھر جب اس سے تفتیش کی گئی تو سارا راز کھل گیا۔ اس وقت اگرچہ اس واقعہ کو تین سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا مگر اس کے باوجود یہ بات ابھی تک لوگوں کے علم میں تھی کہ فلاں بادشاہ کے ڈر سے اس شہر سے سات آدمی کہیں روپوش ہو گئے تھے اور پوری مملکت میں تلاشِ بسیار کے باوجود کہیں ان کا سراغ نہ مل سکا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی لوگوں کے علم میں تھی کہ اس پورے واقعے کو ایک تختی پر لکھ کر ریکارڈ کے طور پر شاہی خزانے میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔ لہٰذا اصحابِ کہف کے ساتھی سے ملنے والی معلومات کی تصدیق کے لیے جب مذکورہ تختی ریکارڈ سے نکلوائی گئی تو اس پر اس واقعہ کی تمام تفصیلات لکھی ہوئی مل گئیں اور یوں یہ واقعہ پوری وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے آ گیا۔

﴿لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ ’’تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچّا ہے اور یہ کہ قیامت کے بارے میں ہرگز کوئی شک نہیں۔‘‘

یہ واقعہ گویا بعث بعد الموت کے بارے میں ایک واضح دلیل تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تین سو سال تک ان لوگوں کو سلائے رکھا اور پھر اٹھا کھڑا کیا تو اُس کے لیے مُردوں کا دوبارہ زندہ کرنا کیونکر ممکن نہیں ہوگا؟

﴿اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ﴾ ’’جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے ان کے معاملے میں‘‘

اس کے بعد اصحابِ کہف تو اپنی غار میں پہلے کی طرح سو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر حقیقی موت وارد کر دی‘ لیکن لوگوں کے درمیان اس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ ان کے بارے میں حتمی طور پر کیا معاملہ کیا جائے۔

﴿فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ﴾ ’’چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ تعمیر کر دو ان پر ایک عمارت (بطور یادگار)‘ ان کا رب ان سے بہتر واقف ہے۔‘‘

کچھ لوگوں نے رائے دی کہ اس معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر یہاں ایک شاندار یادگار تعمیر کی جانی چاہیے۔

﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾﴾ ’’جو لوگ غالب آئے اپنی رائے کے اعتبار سے انہوں نے کہا کہ ہم بنائیں گے ان (کی غار) پر ایک مسجد۔‘‘

آیت ۲۲ ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ﴾ ’’اب یہ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے‘ اُن کا چوتھا اُن کا کُتّا تھا‘ اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے‘ اُن کا چھٹا ان کا کُتّا تھا‘ یہ سب تیر تُکّے چلا رہے ہیں اندھیرے میں‘ اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور ان کا آٹھواں اُن کا کُتّا تھا۔‘‘

﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۚ﴾ ’’آپ کہیے: میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو‘ نہیں جانتے ان (کے معاملے) کو مگر بہت تھوڑے لوگ۔‘‘

قرآن مجید میں ان کی تعداد کے بارے میں صراحت تو نہیں کی گئی مگر اکثر مفسرین کے مطابق بین السطور میں آخری رائے کے درست ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ اس میں ایک نکتہ تو یہ ہے کہ پہلے فقرے ﴿ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ﴾ اور دوسرے فقرے ﴿خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ کے درمیان میں ’’و‘‘ نہیں ہے‘ جبکہ تیسرے فقرے میں ﴿سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ﴾ کے درمیان میں ’’و‘‘ موجود ہے۔ چنانچہ پہلے دونوں کلمات کے مقابلے میں تیسرے کلمہ کے بیان میں ’’و‘‘ کی وجہ سے زیادہ زور ہے۔

اس ضمن میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جب وہ لوگ جاگے تھے تو اُن میں سے ایک نے سوال کیا تھا: ﴿كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ﴾ کہ تم یہاں کتنی دیر سوئے رہے ہو؟ اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں بایں الفاظ نقل ہوا ہے: ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم عرصہ تک سوئے رہے ہیں۔ یہاں پر قَالُوْا چونکہ جمع کا صیغہ ہے اس لیے یہ جواب دینے والے کم از کم تین لوگ تھے‘ جبکہ اس سوال کے جواب

میں ان کے جن ساتھیوں نے دوسری رائے دی تھی وہ بھی کم از کم تین ہی تھے' کیونکہ ان کے لیے بھی قَالُوْا جمع کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے: ﴿قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ط﴾۔ اس طرح ان کی تعداد سات ہی درست معلوم ہوتی ہے۔ یعنی ایک پوچھنے والا' تین لوگ ایک رائے دینے والے اور ان کے جواب میں تین لوگ دوسری رائے کا اظہار کرنے والے۔

اس کے علاوہ قدیم رومن لٹریچر میں بھی جہاں ان کا ذکر ملتا ہے وہاں ان کی تعداد سات ہی بتائی گئی ہے۔ قبل ازیں گبن کی کتاب کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے جس میں Seven Sleepers کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں جس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بحث کرنے اور جھگڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے:

﴿فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کے بارے میں جھگڑا مت کریں سوائے سرسری بحث کے' اور نہ ہی آپ پوچھئے ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے۔''

یعنی جو بات دعوتِ دین اور اقامت دین کے حوالے سے اہم نہ ہو اس میں بے مقصد چھان بین کرنا اور بحث و نزاع میں پڑنا' گویا وقت ضائع کرنے اور اپنی جدوجہد کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾﴾ ''اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کریں کہ میں یہ کام کل ضرور کر دوں گا۔''

اس آیت میں ایک بہت اہم واقعہ کا حوالہ ہے۔ جب اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیے تو آپ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو ان سوالات کے جوابات کل دے دوں گا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سہواً ''ان شاء اللہ'' نہیں فرمایا۔ اس کے بعد کئی روز تک وحی نہ آئی۔ یہ صورت حال آپ کے لیے انتہائی پریشان کن تھی۔ مخالفین خوشی میں تالیاں پیٹ رہے ہوں گے' آپ کو ناکامی کے طعنے دے رہے ہوں گے اور آپ کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو کیسی کیسی سخت آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے: ؏ ''جن کے رتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے!''

عام لوگ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں کیسی کیسی لایعنی باتیں کرتے رہتے ہیں لیکن اللہ کے ہاں ان کی پکڑ نہیں ہوتی' اس لیے کہ وہ اللہ کے ہاں اہم نہیں ہوتے' مگر یہاں ایک انتہائی مقرب ہستی سے سہواً ایک کلمہ ادا ہونے سے رہ گیا تو باوجود اس کے کہ معاملہ بے حد حساس تھا' وحی روک لی گئی۔ بالآخر کئی روز کے بعد جب اللہ کو منظور ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سوالات کے جوابات بھی لے کر آئے اور ساتھ یہ ہدایت بھی کہ کبھی کسی چیز کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ میں کل یہ کروں گا:

آیت ۲۴ ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ ''مگر یہ کہ اللہ چاہے!''

یعنی مستقبل کے بارے میں جب بھی کوئی بات کریں تو ''ان شاءَ اللہ'' ضرور کہیں کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں یوں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ خصوصی فضل ہے کہ انہیں اپنی معاشرتی زندگی میں روزمرہ کے

معمولات کے لیے ایسے کلمات سکھائے گئے جن میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آپ نے کوئی خوبصورت چیز دیکھی جس سے آپ کا دل خوش ہوا' آپ نے کہا: سبحان اللّٰہ! گویا آپ نے اقرار کیا کہ یہ اس چیز کا کمال نہیں اور نہ ہی یہ چیز بذاتِ خود لائق تعریف ہے بلکہ تعریف تو اللہ کی ہے جس نے یہ خوبصورت چیز بنائی۔ آپ کی کوئی تکلیف دور ہوئی æ منہ سے نکلا: الحمد للّٰہ! یعنی جو بھی مشکل آسان ہوئی اللہ کی مدد' اُس کی مہربانی اور اُس کے حکم سے ہوئی' لہٰذا شکر بھی اُسی کا ادا کیا جائے گا۔ آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے' اہل وعیال کو خوش وخرم پایا' آپ نے کہا: مَاشَاءَ اللّٰہ! کہ اس میں میرا یا کسی اور کا کوئی کمال نہیں' یہ سب اللہ کی مرضی اور مشیّت سے ہے۔ اسی طرح مستقبل میں کسی کام کے کرنے کے بارے میں اظہار کیا تو ساتھ اِن شاءَ اللّٰہ کہا۔ یعنی میرا ارادہ تو یوں ہے مگر صرف میرے ارادے سے کیا ہوتا ہے' حقیقت میں یہ کام تبھی ہوگا اور میں اسے تبھی کر پاؤں گا جب اللہ کو منظور ہوگا' کیونکہ اللہ کی مشیّت اور مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ گویا ان کلمات کے ذریعے قدم قدم پر اور بات بات میں ہمیں توحید کا سبق یاد دلایا جاتا ہے۔ اللہ کے علم' اُس کے حکم' اُس کے اختیار واقتدار' اُس کی قدرت' اُس کی مشیّت کے مطلق اور فائق ہونے کے اقرار کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر کلمات (اَلْحَمْدُ لِلّٰہ' اِنْ شَاءَ اللّٰہ' مَاشَاءَ اللّٰہ) اس سورت میں موجود ہیں۔

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ ''اور اپنے رب کو یاد کر لیا کیجیے جب آپ بھول جائیں''

اگر کسی وقت بھول جائیں تو یاد آنے پر دوبارہ اللہ کی طرف اپنا دھیان لگا لیجیے۔

﴿وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾﴾ ''اور کہیے: ہوسکتا ہے کہ میرا رب میری راہنمائی کر دے اس سے بہتر بھلائی کی طرف۔''

یعنی کسی بھی کام کے لیے کوشش کرتے ہوئے انسان کو ''تفویض الامر الی اللہ'' کی کیفیت میں رہنا چاہیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا' ورنہ ہوسکتا ہے میرا رب میرے لیے اس سے بھی بہتر کسی کام کے لیے اسباب پیدا فرما دے۔ گویا انسان اپنے تمام معاملات ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کیے رکھے:

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حسابِ کم وبیش را!

آیت ۲۵ ﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾﴾ ''اور وہ رہے اپنی غار میں تین سو برس اور اس کے اوپر نو برس۔''

یعنی غار میں ان کے سونے کی مدت شمسی کیلنڈر میں تین سو سال جبکہ قمری کیلنڈر کے مطابق تین سو نو سال بنتی ہے۔

آیت ۲۶ ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اللہ بہتر جانتا ہے اس میں جتنا (عرصہ) وہ رہے''

یعنی اس بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ غار میں کتنا عرصہ سوئے رہے۔ اس کا جواب بھی آپؐ ان کو یہی دیں کہ اس مدت کے بارے میں بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

﴿لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ﴾ ''اُسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا

غیب۔ کیا ہی خوب ہے وہ اس کو دیکھنے والا اور کیا ہی خوب ہے وہ سننے والا!''

﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ؗ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶﴾ ''اُس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں' اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے حکم میں کسی کو بھی۔''

اُس کے سوا ان کا کوئی ساتھی' کارساز' مددگار' حمایتی اور پشت پناہ نہیں ہے۔ لفظ ''ولی'' ان سب معانی کا احاطہ کرتا ہے۔

وہ اپنے اختیار اور اپنی حاکمیت کے حق میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ یہ توحیدِ حاکمیت ہے۔ اس بارے میں سورۂ یوسف (آیت ۴۰ و ۶۷) میں اس طرح ارشاد ہوا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ ''اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے''۔ جبکہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں یوں فرمایا گیا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ ''اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے بادشاہت میں۔''

آیات ۲۷ تا ۳۱

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ړ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝۲۷ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝۲۸ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ۝۲۹ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝۳۰ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝۳۱ ع ۹ / ۱۶

آیت ۲۷ ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ کے رب کی کتاب میں سے۔''

یعنی اس وقت آپؐ بہت مشکل صورتِ حال کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کیفیت میں آپؐ کو صبر و استقامت کی سخت ضرورت ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل: ۱۲۷) ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ کے سہارے پر ہی ہے''۔ یہ سہارا آپؐ کو اللہ کے ساتھ اپنا قلبی تعلق اور ذہنی رشتہ استوار کرنے سے میسّر ہو گا اور یہ تعلق مضبوط کرنے کا سب سے مؤثّر ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ تمسک بالقرآن کا یہ مضمون سورۃ العنکبوت میں (اکیسویں پارے کے آغاز میں) دوبارہ آئے گا۔ حق و باطل کی کشمکش میں جب

بھی کوئی مشکل وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ کو خصوصی طور پر تمسّک بالقرآن کی ہدایت کی گئی' اور آپؐ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ قرآن کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں' قرآن کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ صرف کریں۔ اسی طرح وہ مشکلات و شدائد کو برداشت کرنے اور اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾﴾ ''اُس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے' اور آپؐ نہیں پائیں گے اُس کے سوا کوئی جائے پناہ۔''

یقیناً یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس راستہ کے مسافروں نے سختیوں کو بہر حال برداشت کرنا ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے جو کسی کے لیے تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اس مہم میں واحد سہارا اللہ کی مدد اور نصرت ہے۔ چنانچہ اگر آپؐ کو کہیں پناہ ملے گی تو اللہ ہی کے دامن میں ملے گی' اُس در کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اسی مضمون کی ترجمانی اپنے اس شعر میں کی ہے: ؎

نہ کہیں جہاں میں اَماں ملی' جو اَماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرمِ خانہ خراب کو' تیرے عفوِ بندہ نواز میں!

آیت ۲۸ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ ''اور اپنے آپ کو روکے رکھیے اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح وشام''

یہ بلال حبشی' عبداللہ بن اُمّ مکتوم' عمار بن یاسر اور خباب ؓ جیسے لوگ اگرچہ مفلس اور نادار ہیں مگر اللہ کی نظر میں بہت اہم ہیں۔ آپؐ ان لوگوں کی رفاقت کو غنیمت سمجھئے اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کیجیے۔

﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ ''وہ اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور آپؐ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں' (جس سے لوگوں کو یہ گمان ہونے لگے کہ) آپؐ دُنیوی زندگی کی آرائش وزیبائش چاہتے ہیں!''

ان غلاموں اور بے آسرا لوگوں سے آپؐ کی توجہ ہٹ کر کہیں مکہ کے سرداروں اور امراء کی طرف نہ ہونے پائے' جس سے لوگوں کو یہ گمان ہو کہ آپؐ بھی دنیا کی زیب وزینت ہی کو اہمیت دیتے ہیں۔ لہٰذا ولید بن مغیرہ بظاہر کتنا ہی بااثر اور صاحب ثروت سہی' آپؐ عبداللہؓ بن اُمّ مکتوم کو نظر انداز کر کے اُسے ہرگز اہمیت نہ دیں۔ ترجمہ کے اعتبار سے یہ آیت مشکل آیات میں سے ہے۔ یہاں الفاظ کے عین مطابق ترجمہ ممکن نہیں۔ حضور ﷺ کی یہ شان ہرگز نہ تھی کہ آپ ﷺ کی نظریں غرباء سے ہٹ کر امراء کی طرف اٹھتیں۔ چنانچہ ان الفاظ سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ دراصل آپؐ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آپؐ دعوت وتبلیغ کی غرض سے بھی ان امراء کی طرف اس انداز میں التفات نہ فرمائیں جس سے کسی کو مغالطہ ہو کہ آپ ﷺ کی نگاہ میں دُنیوی مال واسباب کی بھی کچھ وقعت اور اہمیت ہے۔ سورۃ الحجر میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾﴾ ''آپؐ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس

مال و متاع کی طرف جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے اور آپؐ ان (امراء) کے بارے میں فکر مند نہ ہوں اور اہل ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں!"

کسی بھی داعیِ حق کے لیے یہ معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔ معاشرے کے اونچے طبقے کے لوگوں کا بہر حال اپنا ایک حلقہ اثر ہوتا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی اہل حق کی صف میں شامل ہوتا ہے تو وہ اکیلا بہت سے افراد کے برابر شمار ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے کئی دوسرے لوگ خود بخود کھنچے آتے ہیں اور پہلے سے موجود لوگوں کے لیے بھی ایسے شخص کی شمولیت تقویت اور اطمینان کا باعث ہوتی ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ عمرؓ بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے کسی ایک کو ضرور میری جھولی میں ڈال دے! ان دونوں میں سے کوئی ایک ایمان لے آئے۔ ظاہر ہے کہ ان جیسی بااثر شخصیات میں سے کسی کا ایمان لانا اسلام کے لیے باعثِ تقویت ہوگا اور اس کی رفاقت سے ان کمزور مسلمانوں کو سہارا ملے گا جن پر قافیہ حیات تنگ ہوا جا رہا ہے۔ اور پھر واقعتاً ایسا ہوا بھی کہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے کے بعد مکہ میں کمزور مسلمانوں پر قریش کے ظلم و تعدی میں کافی حد تک کمی آ گئی۔

بہر حال اس سلسلے میں معروضی حقائق کسی بھی داعی کو اس طرف راغب کرتے ہیں کہ معاشرے کے متمول طبقوں اور اربابِ اختیار و اقتدار تک پیغامِ حق ترجیحی بنیادوں پر پہنچایا جائے اور انہیں اپنی تحریک میں شامل کرنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ مگر دوسری طرف اس حکمت عملی سے تحریک کے نادار اور عام ارکان کو یہ تأثر ملنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ انہیں کم حیثیت سمجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے اور اس طرح اُن کی حوصلہ شکنی ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اس معاملے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب کوئی داعیِ حق اثر و رسوخ کے حامل افراد کی طرف ترجیحی انداز میں متوجہ ہوگا تو عوام میں اُس کی ذات اور اُس کی تحریک کے بارے میں یہ تأثر ابھرنے کا اندیشہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی امراء اور اربابِ اختیار سے مرعوب ہیں اور ان کے ہاں بھی دُنیوی ٹھاٹھ باٹھ ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ دولت مند اور اثر و رسوخ کے حامل افراد تک دین کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں مذکورہ بالا دو عوامل کے منفی اثرات سے بچنا بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ آپؐ اس سلسلے میں احتیاط کریں، کہیں لوگ یہ تأثر نہ لے لیں کہ محمد (ﷺ) کے ہاں بھی دولت مند لوگوں ہی کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝۲۸﴾ "اور مت کہنا مانیے ایسے شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو چکا ہے۔"

یہ بات متعدد بار بیان ہو چکی ہے کہ کفارِ مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مداہنت پر مصر تھے اور وہ آپؐ کے ساتھ کچھ دو اور کچھ لو کی بنیاد پر مذاکرات کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں سردارانِ قریش کی طرف سے آپؐ پر شدید دباؤ تھا۔ اس پس منظر میں یہاں پھر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل اور

محروم کر دیا ہے آپؐ ایسے لوگوں کی باتوں کی طرف دھیان بھی مت دیجیے!

آیت ۲۹ ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ﴾ ''اور آپؐ کہہ دیجیے کہ یہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے' تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔''

کفارِ مکہ کی طرف سے کوئی درمیانی راستہ نکالنے کی کوششوں کے جواب میں یہاں حضورﷺ کی زبانِ مبارک سے واضح اور دوٹوک انداز میں اعلان کرایا جا رہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے جو حق میرے پاس آیا ہے وہ میں نے تم لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں' اسے من وعن قبول کر لو یا اسے رد کر دو۔ لیکن یاد رکھو اس میں کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر تم سے کوئی سودے بازی ممکن نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ الدھر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③﴾ یعنی ہم نے انسان کے لیے ہدایت کا راستہ واضح کر دیا ہے اور اس کو اختیار دے دیا ہے کہ اب چاہے وہ شکر گزار بنے اور چاہے ناشکرا۔

﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ﴾ ''ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے' اُس کی قناتیں ان کا احاطہ کر لیں گی۔''

جہنم کی آگ قناتوں کی شکل میں ہو گی اور وہ اللہ کے منکرین اور مشرکین کو گھیرے میں لے لے گی۔

﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ﴾ ''اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو (کھولتے ہوئے) تیل کی تلچھٹ جیسا ہو گا' جو چہروں کو بھون ڈالے گا۔''

﴿بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ㉙﴾ ''بہت ہی بری چیز ہو گی پینے کی' اور وہ (جہنم) بہت ہی بری جگہ ہے آرام کی!''

''مُھْل'' کا ترجمہ تیل کی تلچھٹ کے علاوہ لاوا بھی کیا گیا ہے اور پگھلا ہوا تانبا بھی۔ سورۂ ابراہیمؑ کی آیت ۱۶ میں جہنمیوں کو پلائے جانے والے پانی کو ''مَآءٍ صَدِيْدٍ'' کہا گیا ہے جس کے معنی زخموں سے رسنے والی پیپ کے ہیں۔ بہرحال یہ سیال مادہ جو انہیں پانی کے طور پر دیا جائے گا اس قدر گرم ہو گا کہ ان کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ اب آئندہ آیات میں فوری تقابل کے لیے اہلِ جنت کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۳۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ㉚﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے تو ہم نہیں ضائع کریں گے اجر اُس شخص کا جس نے اچھا عمل کیا۔''

آیت ۳۱ ﴿اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''ان ہی لوگوں کے لیے ہیں رہنے کے ایسے باغات جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ ''انہیں پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن اور وہ پہنیں گے سبز رنگ کے کپڑے باریک ریشم کے اور موٹے ریشم کے''

یعنی ان کا اوپر کا لباس باریک ریشم کا ہوگا جبکہ نیچے کا لباس موٹے ریشم کا ہوگا۔

﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ؕ﴾ ''ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے تختوں پر۔''

﴿نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾﴾ ''کیا ہی اچھا بدلہ ہوگا (ان کے لیے) اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہوگی!''

آیات ۳۲ تا ۴۴

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ
وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا
نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾
وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ
السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ
وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ
اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا
بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ
وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ
تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ
عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع ۵ ۱۳ ۱۷

اس رکوع میں دو اشخاص کے باہمی مکالمے کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اور بہت سی دوسری دُنیوی نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔ وہ شخص اپنی خوشحالی میں اس قدر مگن ہوا کہ اس کی نگاہ اللہ سے ہٹ کر مادی وسائل پر ہی جم کر رہ گئی اور انہی اسباب و وسائل کو وہ اپنے توکّل اور بھروسے کا مرکز بنا بیٹھا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص تھا جو دُنیوی لحاظ سے خوشحال تو نہیں تھا مگر اُسے اللہ کی معرفت حاصل

تھی۔ اُس نے اُس دولت مند شخص کو نصیحت کی کہ اللہ نے تمہیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے مگر تم اُسے بالکل ہی بھولے ہوئے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ دولت مند شخص نے گھمنڈ میں آ کر اس کی نصیحت کا بہت تلخ جواب دیا اور کہا کہ مجھے تو یہ ساری نعمتیں اس لیے ملی ہیں کہ میں اللہ کا چہیتا ہوں جبکہ میرے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کے اس بندے نے اسے پھر سمجھایا کہ دیکھو اپنے دُنیوی مال و اسباب پر مت اِتراؤ' کیونکہ اللہ اگر چاہے تو تمہارے یہ سارے ٹھاٹھ باٹھ پل بھر میں ختم کر کے رکھ دے۔ وہ چاہے تو تمہاری ساری دولت اور مال و اسباب کو ضائع کر سکتا ہے۔ اس نے جواباً کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے اپنے مال و اسباب کی حفاظت کا خوب بندوبست کر رکھا ہے۔ الغرض ان تمام نصیحتوں کا اُس شخص پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ دُنیوی اَسباب کے نشے نے اس کو اس قدر اندھا کر رکھا تھا کہ اسے حقیقی مسبّب الاسباب کی قدرت کا کچھ اندازہ ہی نہ رہا۔ بالآخر اُس کے اس رویّے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے رویّے پر کف افسوس ملتا رہ گیا۔ اپنی بربادی کے بعد جب اس شخص کی آنکھیں کھلیں تو تب بہت دیر ہو چکی تھی۔

یہاں اس دولت مند شخص کا وہ فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے جو اپنی بربادی کے بعد پچھتاتے ہوئے اس کی زبان سے نکلا تھا کہ ''کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ شرک نہ کیا ہوتا!'' دیکھا جائے تو اس سارے واقعے میں کسی ظاہری شرک کا ارتکاب نظر نہیں آتا۔ کسی دیوی یا دیوتا کی پوجا پاٹ کا بھی کوئی حوالہ یہاں نہیں آیا' اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کا بھی ذکر نہیں ہوا' تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا اقدام تھا جس پر وہ شخص پچھتایا کہ کاش میں نے اپنے رب سے شرک نہ کیا ہوتا! اس پہلو سے اگر اس سارے واقعے کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں جس شرک کا ذکر ہوا ہے وہ ''مادہ پرستی'' کا شرک ہے۔ اس شخص نے اپنے مادی اسباب و وسائل کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ جو بھروسا اور توکّل اُسے حقیقی مسبّب الاسباب پر کرنا چاہیے تھا وہ بھروسا اور توکّل اُس نے اپنے مادی وسائل پر کر لیا تھا اور اس طرح ان مادی وسائل کو معبود کا درجہ دے دیا تھا۔ یہی رویّہ اور یہی سوچ مادہ پرستی ہے اور یہی موجودہ دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔

موجودہ دور ستارہ پرستی یا بت پرستی کا دور نہیں۔ آج کا انسان ستاروں کی اصل حقیقت جان لینے اور چاند پر قدم رکھ لینے کے بعد ان کی پوجا کیونکر کرے گا؟ چنانچہ آج کے دور میں اللہ کو چھوڑ کر انسان نے جو معبود بنائے ہیں ان میں مادہ پرستی اور وطن پرستی سب سے اہم ہیں۔ آج دولت کو معبود کا درجہ دے دیا گیا ہے اور مادی وسائل اور ذرائع کو مسبّب الاسباب سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ موجودہ دور کا بہت خطرناک شرک ہے اور اس سے محفوظ رہنے کے لیے اسے بہت باریک بینی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

آیت ۳۲ ﴿وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ بیان کیجیے ان کے لیے دو اَشخاص کی مثال''

﴿جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّحَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ﴾ ''اُن میں سے ایک کو ہم نے دیے تھے دو باغ انگوروں کے اور اُن دونوں کا گھیر دیا تھا ہم نے کھجوروں کے درختوں کے ساتھ''

انگوروں کی بیلوں کے گرداگرد کھجوروں کے درختوں کی باڑ تھی تاکہ نازک بیلیں آندھی' طوفان وغیرہ سے

محفوظ رہیں۔

﴿وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝۳۲﴾ ”اور ہم نے ان دونوں (باغوں) کے درمیان کھیتی کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔“

بنیادی طور پر وہ انگوروں کے باغات تھے۔ ان کے اطراف میں کھجوروں کے درخت تھے‘ جن کی دوہری افادیت تھی۔ ان درختوں سے کھجوریں بھی حاصل ہوتی تھیں اور وہ حفاظتی باڑ کا کام بھی دیتے تھے۔ درمیان میں کچھ زمین کاشت کاری کے لیے بھی تھی‘ جس سے اناج وغیرہ حاصل ہوتا تھا۔ گویا ہر لحاظ سے مثالی باغات تھے۔

آیت ۳۳ ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ ”دونوں باغات اپنا پھل خوب دیتے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرتے تھے“

وہ دونوں باغات ہر سال موسم کے مطابق خوب پھلتے تھے اور ان کی پیداوار میں کبھی کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ ان باغوں کا مالک شخص سالہا سال سے ان کی پیداوار سے مسلسل فائدہ اٹھاتے اٹھاتے انہیں دائمی سمجھ بیٹھا اور وہ بالکل ہی بھول گیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور اجازت ہی سے ممکن ہے۔

﴿وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝۳۳﴾ ”اور ہم نے جاری کر دی تھی ان کے درمیان ایک نہر۔“

ان دونوں باغوں کے بیچوں بیچ ایک نہر بہتی تھی۔ گویا ان کی آب پاشی کا نظام بھی مثالی تھا۔

آیت ۳۴ ﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ﴾ ”اور اُس کے لیے پھل بھی تھا۔“

اس کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ جب ان دونوں کا آپس میں مکالمہ ہو رہا تھا اُس وقت وہ دونوں باغات پھلوں سے خوب لدے ہوئے تھے‘ جبکہ دوسرا مفہوم جو میرے نزدیک راجح ہے‘ یہ ہے کہ اُس شخص کو اللہ نے اولاد بھی خوب دے رکھی تھی۔ اس لیے کہ انسان کے لیے اس کی اولاد کی وہی حیثیت ہے جو کسی درخت کے لیے اس کے پھل کی ہوتی ہے۔

﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴﴾ ”تو کہا اُس نے اپنے ساتھی سے —— اور وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے —— کہ میں تم سے بہت زیادہ ہوں مال میں اور بہت بڑھا ہوا ہوں نفری میں۔“

یہاں جس فخر سے اُس شخص نے اپنی نفری کا ذکر کیا ہے اس کے اس انداز سے تو ﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ﴾ کا یہی ترجمہ بہتر محسوس ہوتا ہے کہ اُس شخص کو اولاد خصوصاً بیٹوں سے بھی نوازا گیا تھا۔

آیت ۳۵ ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ﴾ ”اور وہ داخل ہوا اپنے باغ میں اس حال میں کہ وہ اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا۔“

﴿قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝۳۵﴾ ”اُس نے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو سکتا ہے۔“

یعنی میرا یہ باغ ہر لحاظ سے مثالی ہے۔ اسے میں نے با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہر قسم کے خطرات سے محفوظ بنا رکھا ہے۔ انگوروں کی نازک بیلوں کے گرداگرد کھجوروں کے بلند و بالا درخت سنتریوں کی طرح کھڑے ہر قسم کے طوفان اور بادِ صرصر کے تھپیڑوں سے اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ آب پاشی کے لیے نہر کا وافر پانی ہر وقت موجود ہے۔ لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ اسے کبھی کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

آیت ۳۶ ﴿وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ﴾ ''اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے''

یہ قیامت وغیرہ کی باتیں سب ڈھکوسلے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کوئی واقعہ حقیقت میں رونما ہونے والا ہے۔

﴿وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶﴾ ''اور اگر مجھے لوٹا ہی دیا گیا اپنے رب کی طرف تو میں لازماً پاؤں گا اس سے بھی بہتر پلٹنے کی جگہ۔''

قیامت و آخرت کا اول تو میں قائل ہی نہیں' لیکن قیامت اگر ہوئی بھی تو میں بہر حال وہاں اس سے بھی بہتر زندگی پاؤں گا۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص اللہ کا منکر نہیں تھا مگر دُنیوی مال و دولت اور مادی اسباب و ذرائع پر بھروسا کر کے شرک کا ارتکاب کر رہا تھا۔ یہ شخص یہاں پر جو فلسفہ بیان کر رہا ہے وہ اکثر مادّہ پرست لوگوں کے ہاں بہت مقبول ہے۔ یعنی اگر مجھے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے خوشحالی و فارغ البالی سے نواز رکھا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہے۔ اسی لیے اس نے مجھے خصوصی صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کی وجہ سے میں نے یہ اسباب و وسائل اکٹھے کیے ہیں۔ چنانچہ وہ آخرت میں بھی ضرور اپنی نعمتوں سے مجھے نوازے گا۔ اور جو لوگ یہاں دنیا میں جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں وہ آخرت میں بھی اسی طرح بے یار و مددگار ہوں گے۔

آیت ۳۷ ﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ﴾ ''اس کے ساتھی نے اس سے کہا اور وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا''

﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝۳۷﴾ ''کیا تُو نے کفر کیا اُس ہستی کا جس نے پیدا کیا تجھے مٹی سے' پھر گندے پانی کی بوند سے' پھر تجھے صحیح سلامت انسان بنا دیا؟''

یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ وہ شخص بظاہر اللہ کا منکر نہیں تھا مگر پھر بھی اسے اللہ سے کفر کا مرتکب بتایا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ اس سے پہلے وہ آخرت کا انکار کر چکا تھا اور آخرت کا انکار دراصل اللہ کا انکار ہے۔ گویا جو شخص آخرت کا منکر ہو اس کا ایمان باللہ کا دعویٰ بھی قابل قبول نہیں۔

آیت ۳۸ ﴿لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝۳۸﴾ ''لیکن (میں تو مانتا ہوں کہ) وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔''

آیت ۳۹ ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ﴾ ''اور جب تُو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تُو نے یوں کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ! (یعنی یہ سب اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔) اللہ کے بدون کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں۔''

تجھے جب باغ میں ہر طرف خوش کُن مناظر دیکھنے کو ملے اور پورا باغ پھلوں سے لدا ہوا نظر آیا تو تیری

زبان سے ''ماشاء اللہ'' کیوں نہ نکلا اور تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ میرا کمال نہیں بلکہ اللہ کی دین ہے جو اصل طاقت اور اختیار کا مالک ہے' اُس کی اجازت اور مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ ''ماشاء اللہ'' وہ کلمہ ہے جس میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہے' کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے' کسی اور کے چاہنے سے یا اسباب و وسائل کے ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

﴿اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾﴾ ''اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد میں کم ہوں۔''

آیت ۴۰ ﴿فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾ ''تو امید ہے کہ میرا رب تیرے باغ سے بہتر باغ مجھے دے دے''

مجھے یقین ہے کہ میرا رب اگر چاہے تو تمہارے ان باغوں سے بہتر نعمتوں سے مجھے نواز دے۔

﴿وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾﴾ ''اور وہ بھیج دے اس (تیرے باغ) پر کوئی آفت آسمان سے تو وہ صاف چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔''

یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے اس کفر و تکبر کے باعث اللہ تعالیٰ تمہارے باغوں پر کوئی ایسی آفت نازل کر دے کہ اس قطعہ زمین پر کسی درخت یا کسی بیل وغیرہ کا نام و نشان تک نہ رہے۔

آیت ۴۱ ﴿اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾﴾ ''یا اس کا پانی گہرائی میں اتر جائے' پھر تم اس (پانی) کو کسی طرح حاصل نہ کر سکو۔''

اللہ تمہارے باغ پر کوئی آسمانی آفت نہ بھی بھیجے تو یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے حکم سے اس کا زیر زمین پانی غیر معمولی گہرائی میں چلا جائے۔ اس کے نتیجے میں تمہارا بنایا ہوا نظام آب پاشی ختم ہو کر رہ جائے اور اس طرح پانی کے بغیر یہ باغ خود بخود ہی اجڑ جائے۔ یعنی حقیقی مسبّب الاسباب تو اللہ ہی ہے۔ اسی نے مختلف اسباب مہیّا کر رکھے ہیں جس سے یہ کاروبارِ دنیا چل رہا ہے۔ وہ جب چاہے کسی سبب کو سلب کر لے یا اس کی ہیئت کو بدل دے اور اس کی وجہ سے یہ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ یہ معاملہ تو گویا شیش محل کی طرح کا ہے کہ ایک ہی پتھر اس کو چکنا چور کر کے رکھ دے گا۔

آیت ۴۲ ﴿وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ﴾ ''اور اُس کا سارا ثمر سمیٹ لیا گیا''

اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں دی گئی تھیں وہ سب اس سے سلب کر لی گئیں۔ باغ بھی اجڑ گیا اور اولاد بھی چھن گئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اللہ کا خاص مقرب بندہ تھا۔ مال دار شخص نے اسے اس کی ناداری کا طعنہ دیا تھا: ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾﴾ کہ مال و دولت میں بھی مجھے تم پر فوقیت حاصل ہے اور نفری میں بھی میں تم سے بڑھ کر ہوں۔ اس طعنے سے اللہ کے اس نیک بندے کا دل دکھا ہو گا' جس کی سزا اسے فوری طور پر ملی اور اللہ نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ اس سلسلے میں ایک حدیث قدسی ہے: ((مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ))(۱) ''جو شخص میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرے تو میری طرف سے اُس

(۱) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب التواضع۔

کے خلاف اعلانِ جنگ ہے''۔ کسی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

؎ تا دلِ صاحب دلے نالد بہ درد ہیچ قومے را خدا رسوانہ کرد!

یعنی کسی صاحب دل ولی اللہ کے دل کو جب ٹھیس لگتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری قوم گرفت میں آجاتی ہے۔

﴿فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا﴾ ''تو وہ ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر جو کچھ اس نے اس میں خرچ کیا تھا''

یقیناً ان باغوں کی منصوبہ بندی کرنے‘ پودے لگانے اور ان کی نشو ونما کرنے میں اس نے زرِ کثیر خرچ کیا تھا‘ مسلسل محنت کی تھی اور اپنا قیمتی وقت اس میں کھپایا تھا۔ اس کا یہ تمام سرمایہ آن کی آن میں نیست و نابود ہو گیا اور وہ اس کی بربادی پر کفِ افسوس ملنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔

﴿وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ ''اور وہ (باغ) گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر''

انگوروں کی بیلیں جن چھتریوں پر چڑھائی گئی تھیں وہ سب کی سب اوندھی پڑی تھیں۔

﴿وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝﴾ ''اور وہ کہہ رہا تھا: ہائے میری شامت‘ کاش میں نے اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔''

اس مال دار شخص کے مکالمے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار کو بھلا کر ظاہری اسباب اور مادی وسائل پر توکّل کر لیا تھا‘ اور یہی وہ شرک تھا جس کا خود اس نے یہاں اعتراف کیا ہے۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا مکمل نقشہ اس رکوع میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ شرک کی جدید قسم ہے جس کو پہچاننے اور جس سے محتاط رہنے کی آج ہمیں اشد ضرورت ہے۔ (اس حوالے سے میری کتاب ''حقیقت و اقسامِ شرک'' کا مطالعہ مفید رہے گا‘ جس میں شرک اور اس کی اقسام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔)

آیت ۴۳ ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝﴾ ''اور نہ ہوئی اُس کے لیے کوئی جماعت جو اللہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کو آتی اور نہ وہ خود ہی انتقام لینے والا بن سکا۔''

اللہ کے مقابلے میں بھلا کون اس کی مدد کر سکتا تھا اور اس صورت حال میں وہ کس سے انتقام لے سکتا تھا؟

آیت ۴۴ ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ ''یہاں تو تمام اختیار اللہ ہی کا ہے جو الحق ہے۔''

ولایت کے معنی یہاں حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ ''والی'' کسی ملک یا علاقے کے مالک یا حکمران کو کہتے ہیں اور اسی سے یہ لفظ وَلایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) بنا ہے۔ اس لحاظ سے آیت کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ کُل کا کُل اقتدار و اختیار اللہ کے لیے ہے جو ''الحق'' ہے۔ اسی مادہ سے لفظ ''ولی'' بھی ہے جس کے معنی دوست اور پشت پناہ کے ہیں۔ اسی مادّے سے وِلایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) بنا ہے اور یہ دوستی اور محبت کے معنی دیتا ہے۔ درج ذیل آیات میں اسی ولایت کا ذکر ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

النُّوْرِ ﴾ (البقرة:۲۵۷) اور ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ (یونس)۔

﴿ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝۴۴﴾ ''وہی بہتر ہے انعام دینے میں اور وہی بہتر ہے عاقبت کے اعتبار سے۔''

انعام وہی بہتر ہے جو وہ بخشے اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے۔

آیات ۴۵ تا ۴۹

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝۴۶ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝۴۷ وَعُرِضُوْا عَلٰي رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝۴۸ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹ ع ۶ / ۱۸

آیت ۴۵ ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''اور بیان کیجیے ان کے لیے مثال دُنیا کی زندگی کی''

﴿ كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ ﴾ ''جیسے پانی کہ ہم نے اسے اتارا آسمان سے' پھر اس کے ساتھ مل جل کر نکل آیا زمین کا سبزہ''

﴿ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ ﴾ ''پھر وہ ہو گیا چورا چورا' اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔''

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

سبزے کے اُگنے' اس کے نشو ونما پانے اور پھر خشک ہو کر خس و خاشاک کی شکل اختیار کر لینے کے عمل کو انسانی زندگی کی مشابہت کی بنا پر یہاں بیان کیا گیا ہے۔ بارش کے برستے ہی زمین سے طرح طرح کے نباتات نکل آتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ جب یہ سبزہ اپنے جوبن پر ہوتا ہے تو بڑا خوش کن منظر پیش کرتا ہے۔ مگر پھر جلد ہی اس پر زردی چھانے لگتی ہے اور چند ہی دنوں میں لہلہاتا ہوا سبزہ خس و خاشاک کا ڈھیر بن جاتا ہے اور زمین پھر سے چٹیل میدان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ سبزے یا کسی فصل کے اُگنے' بڑھنے اور خشک ہونے کا یہ دورانیہ چند ہفتوں پر محیط ہو یا چند مہینوں پر' اس کی اصل حقیقت اور کیفیت بس یہی ہے۔

اس مثال کو مدّنظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو بالکل یہی کیفیت انسانی زندگی کی بھی ہے۔ جس طرح نباتاتی

زندگی کا آغاز آسمان سے بارش کے برسنے سے ہوتا ہے اسی طرح روح کے نزول سے انسانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ انسانی روح کا تعلق عالم امر سے ہے: ﴿قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵)۔ شکم مادر میں جسد خاکی کے اندر روح پھونکی گئی' بچہ پیدا ہوا' خوشیاں منائی گئیں' جوان اور طاقت ور ہوا' تمام صلاحیتوں کو عروج ملا' پھر ادھیڑ عمر کو پہنچا' جسم اور اس کی صلاحیتیں روز بروز زوال پذیر ہونے لگیں' بالوں میں سفیدی آ گئی' چہرے پر جھریاں پڑ گئیں' موت وارد ہوئی' قبر میں اتارا گیا اور مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا۔ اس cycle کا دورانیہ مختلف افراد کے ساتھ مختلف سہی مگر انسانی زندگی کے آغاز وانجام کی حقیقت بس یہی کچھ ہے۔ چنانچہ انسان کو یہ بات کسی وقت نہیں بھولنی چاہیے کہ دنیا کا عرصۂ حیات ایک وقفۂ امتحان ہے جسے ہر انسان اپنے اپنے انداز میں گزار رہا ہے۔

آیت ۴۶ ﴿اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا﴾ ''مال اور بیٹے دُنیوی زندگی کی زینت ہیں۔''

اس سورت میں دُنیوی زندگی کی زیب وزینت کا ذکر یہاں تیسری مرتبہ آیا ہے۔ اس سے پہلے ہم آیت ۷ میں پڑھ آئے ہیں کہ روئے زمین کی آرائش وزیبائش اور تمام رونقیں انسانوں کے امتحان کے لیے بنائی گئی ہیں: ﴿اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا لِنَبۡلُوَہُمۡ اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۷﴾۔ پھر آیت ۲۸ میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا﴾ کہ اے نبی (ﷺ) کہیں ان لوگوں کو یہ گمان نہ ہو کہ آپؐ کا مطلوب ومقصود بھی دُنیوی زندگی کی آرائش وزیبائش ہی ہے (معاذ اللہ!)۔ گویا یہ موضوع اس سورت کے مضامین کا عمود ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت ہر وقت ہمارے ذہن میں مستحضر رہنی چاہیے کہ یہ زندگی اور دُنیوی مال ومتاع سب عارضی ہیں۔ یہاں کے رشتے ناطے اور تمام تعلقات بھی اسی چار روزہ زندگی تک محدود ہیں۔ انسان کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام رشتے اور تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور اللہ کی عدالت میں ہر انسان کو تن تنہا پیش ہونا ہوگا: ﴿وَکُلُّہُمۡ اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا ۹۵﴾ (مریم) وہاں نہ باپ اولاد کی مدد کرے گا' نہ بیٹا والدین کو سہارا دے گا' اور نہ بیوی شوہر کا ساتھ دے گی۔ اس دن کے محاسبے کا سامنا ہر شخص کو اکیلے ہی کرنا ہوگا۔

﴿وَالۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیۡرٌ اَمَلًا ۴۶﴾ ''اور باقی رہنے والی نیکیاں بہت بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک' ثواب کے لحاظ سے بھی اور امید کے اعتبار سے بھی۔''

اس مختصر زندگی کی کمائی میں اگر کسی چیز کو بقا حاصل ہے تو وہ نیک اعمال ہیں۔ آخرت میں صرف وہی کام آئیں گے۔ چنانچہ دُنیوی مال واسباب سے امیدیں نہ لگاؤ' اولاد سے توقعات مت وابستہ کرو۔ یہ سب عارضی چیزیں ہیں جو تمہاری موت کے ساتھ ہی تمہارے لیے بے وقعت ہو جائیں گی۔ آخرت کا سہارا چاہیے تو نیک اعمال کا توشہ جمع کرو اور اسی پونجی سے اپنی امیدیں وابستہ کرو۔

آیت ۴۷ ﴿وَیَوۡمَ نُسَیِّرُ الۡجِبَالَ وَتَرَی الۡاَرۡضَ بَارِزَۃً ۙ﴾ ''اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو اور تم دیکھو گے زمین کو صاف چٹیل''

اب قیامت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ اُس دن پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے' زمین کے تمام نشیب وفراز ختم ہو جائیں گے اور پورا کرۂ ارض ایک صاف چٹیل میدان کی شکل اختیار کر لے گا۔

﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴿۴۷﴾﴾ ''اور ہم سب کو جمع کر لیں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک پیدا ہونے والے نوع انسانی کے تمام افراد کو اُس دن اکٹھا کر لیا جائے گا۔

آیت ۴۸ ﴿وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ﴾ ''اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کے سامنے صفیں باندھے ہوئے۔ (تب انہیں کہا جائے گا) آ گئے ہو نا ہمارے پاس' جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا!''

یہاں ''پہلی مرتبہ'' پیدا کرنے سے مراد عالم ارواح میں انسانی ارواح کی تخلیق ہے' جبکہ اس زمین پر جسم اور روح کے ملاپ سے کی جانے والی انسانی تخلیق دراصل تخلیق ثانی ہے۔ فرض کریں اس دنیا کی عمر پندرہ ہزار برس ہے' تو ان پندرہ ہزار برسوں میں وہ تمام انسان اس دنیا میں آ چکے ہیں جن کی ارواح اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھیں۔ ان تمام انسانوں کو قیامت کے دن پھر سے اکٹھا کر لیا جائے گا۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام انسان جیسے عالم ارواح میں بیک وقت ایک جگہ اکٹھے تھے' اسی طرح قیامت کے دن بھی میدانِ حشر میں سب کے سب بیک وقت موجود ہوں گے۔

﴿بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا﴿۴۸﴾﴾ ''بلکہ تم نے تو سمجھ رکھا تھا کہ ہم تمہارے لیے وعدے کا کوئی وقت مقرر ہی نہیں کریں گے۔''

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو قرآن کے الفاظ میں ﴿اَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ (وہ لوگ جنہیں ہماری ملاقات کی امید نہیں) کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایسے لوگ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں ان کا وعدۂ الست ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ﴾ (الاعراف: ۱۷۲) بھی یاد دلایا جائے گا' کہ تم لوگوں نے مجھے اپنا رب تسلیم کیا تھا' پھر تم دنیا کی زندگی میں اس حقیقت کو بالکل ہی بھول گئے کہ تم نے واپس ہمارے پاس بھی آنا ہے۔ تمہیں گمان تک نہیں تھا کہ ہم تمہارے لیے اپنے سامنے پیشی کا کوئی وقت مقرر کریں گے۔

آیت ۴۹ ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ ''اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ''

یہ پوری نوع انسانی کے ایک ایک فرد کی زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک عمل کی تفصیل پر مشتمل ریکارڈ ہو گا۔ گویا یہ ایک بہت بڑا کمپیوٹر سسٹم ہے جو کسی جگہ پر نصب کیا گیا ہے اور وہاں سے لا کر میدان حشر میں رکھ دیا جائے گا۔ آج سے سو برس پہلے تو ایسی تفصیلات کو تسلیم کرنے کے لیے صرف ایمان بالغیب کا ہی سہارا لینا پڑتا تھا مگر آج کے دور میں اس سب کچھ پر یقین کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ آج ہم انسان کے بنائے ہوئے کمپیوٹر کے کمالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اپنے معمولاتِ زندگی میں ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ آج جب ہم ایک بٹن جتنی جسامت کی chip میں مفصل معلومات پر مشتمل ریکارڈ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ ڈیٹا بیس (الکتاب) کے بارے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اس میں کس طرح ایک

ایک فرد کی ایک ایک حرکت کی ریکارڈنگ محفوظ ہوگی اور پلک جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگے گی کہ اس کا پرنٹ متعلقہ فرد کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔

﴿فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ﴾ ''چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو کچھ اس میں ہوگا''

مجرم لوگ اپنی کتابِ زندگی کے اندراجات سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ ''اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو' مگر اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔''

﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۴۹﴾ ''اور وہ پائیں گے جو عمل بھی انہوں نے کیا ہوگا اُسے موجود۔ اور آپ کا رب ظلم نہیں کرے گا کسی پر بھی۔''

آیات ۵۰ تا ۵۳

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۵۰ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۵۱ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۵۲ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۵۳ ع ۱۹

آیت ۵۰ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ سجدہ کرو آدمؑ کو' تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہ کیا)۔''

یہاں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کی مشابہت کے سلسلے میں یہ اہم بات نوٹ کیجیے کہ سورۃ الکہف کے ساتویں رکوع کی پہلی آیت کے الفاظ بعینہٖ وہی ہیں جو سورۂ بنی اسرائیل کے ساتویں رکوع کی پہلی آیت کے ہیں۔ حضرت آدمؑ اور ابلیس کا یہ قصہ قرآن میں سات مقامات پر بیان ہوا ہے۔ باقی چھ مقامات پر تو اس کا ذکر نہیں مگر یہاں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ابلیس جِنّات میں سے تھا:

﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ﴾ ''وہ جِنّات میں سے تھا' چنانچہ اُس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔''

یہاں پر ''فَ'' علت کو ظاہر کر رہا ہے کہ چونکہ وہ جنّات میں سے تھا اس لیے نافرمانی کا مرتکب ہوا۔ ورنہ فرشتے کبھی اپنے رب کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ (التحریم) ''وہ (فرشتے) اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے وہ جو بھی حکم انہیں دے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ﴾ ''تو کیا تم بناتے ہو اُسے اور اُس کی اولاد کو دوست میرے سوا' درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟''

اے اولادِ آدمؑ! ذرا سوچو' تم مجھے چھوڑ کر اس ابلیس کو اپنا ولی اور کارساز بناتے ہو جس نے یوں میری نافرمانی کی تھی۔ تمہارا خالق اور مالک میں ہوں' میں نے تمہیں اشرف المخلوقات کے مرتبے پر فائز کیا' میں نے فرشتوں کو تمہارے سامنے سرنگوں کیا' تمہیں خلافتِ ارضی سے نوازا' اور تم ہو کہ میرے مقابلے میں ابلیس اور اس کی صلبی ومعنوی اولاد سے دوستیاں گانٹھتے پھرتے ہو' جبکہ فی الواقع وہ تمہارے دشمن ہیں۔

﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝﴾ ''کیا ہی برا بدل ہے ان ظالموں کے لیے!''

اللہ کو چھوڑ کر اپنے دشمن شیطان اور اس کے چیلوں کی رفاقت اختیار کر کے ان ظالموں نے اپنے لیے کس قدر برا بدل اختیار کر رکھا ہے۔

آیت ۵۱ ﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠﴾ ''میں نے انہیں گواہ نہیں بنایا تھا آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا اور نہ ہی ان کی اپنی تخلیق کا''

﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝﴾ ''اور میں بہکانے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہ تھا۔''

یہ جو تم شیطان اور اس کے گروہ کو میرے برابر لا رہے ہو اور مجھے چھوڑ کر انہیں اپنا دوست بنا رہے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ زمین و آسمان کی تخلیق اور خود اپنی تخلیق کے موقع کے گواہ نہیں ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ ''اور جس دن وہ کہے گا کہ پکارو میرے ان شریکوں کو جن کا تمہیں زعم تھا''

﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝﴾ ''تو وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت (کی گھاٹی) حائل کر دیں گے۔''

یہ شریک ٹھہرائی جانے والی شخصیات چاہے انبیاء ہوں' اولیاء اللہ ہوں یا فرشتے' روزِ قیامت ان کے اور انہیں شریک ماننے والوں کے درمیان ہلاکت خیز خلیج حائل کر دی جائے گی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ان کی مدد کو نہیں آسکتے۔

آیت ۵۳ ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝﴾ ''اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے اور جان جائیں گے کہ وہ اس میں ڈالے جانے والے ہیں اور وہ نہیں پائیں گے اس سے بچنے کی کوئی جگہ۔''

آیات ۵۴ تا ۵۹

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ؕ وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ
جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰی وَیَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَہُمۡ
سُنَّۃُ الۡاَوَّلِیۡنَ اَوۡ یَاۡتِیَہُمُ الۡعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ
وَمُنۡذِرِیۡنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِہِ الۡحَقَّ وَاتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَمَاۤ
اُنۡذِرُوۡا ہُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡہَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ ؕ
اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اَکِنَّۃً اَنۡ یَّفۡقَہُوۡہُ وَفِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِنۡ تَدۡعُہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی
فَلَنۡ یَّہۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّکَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَۃِ ؕ لَوۡ یُؤَاخِذُہُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَہُمُ
الۡعَذَابَ ؕ بَلۡ لَّہُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ یَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖ مَوۡئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلۡکَ الۡقُرٰۤی اَہۡلَکۡنٰہُمۡ لَمَّا
ع ظَلَمُوۡا وَجَعَلۡنَا لِمَہۡلِکِہِمۡ مَّوۡعِدًا ﴿۵۹﴾

آیت ۵۴ ﴿وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ؕ﴾ ’’اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کر دی ہیں اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ہر قسم کی مثالیں۔‘‘

الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل میں بھی (آیت ۸۹) موجود ہے۔

﴿وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾﴾ ’’لیکن انسان تمام مخلوق سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔‘‘

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۹ کے پہلے حصے کے الفاظ جوں کے توں وہی ہیں جو اس آیت کے پہلے حصے کے ہیں‘ صرف لفظوں کی ترتیب میں معمولی سا فرق ہے۔ البتہ دونوں آیات کے آخری حصوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت کا آخری حصہ یوں ہے: ﴿فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾﴾ ’’مگر اکثر لوگ کفرانِ نعمت پر ہی اَڑے رہتے ہیں۔‘‘

آیت ۵۵ ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰی وَیَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّہُمۡ﴾ ’’اور نہیں روکا لوگوں کو (کسی چیز نے) جب ان کے پاس ہدایت آ گئی کہ وہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے مغفرت مانگیں‘‘

اس آیت کی مشابہت سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۹۴ کے ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے پہلے حصوں کے الفاظ ہو بہو ایک جیسے ہیں۔

﴿اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَہُمۡ سُنَّۃُ الۡاَوَّلِیۡنَ﴾ ’’مگر یہ کہ اُن سے پہلوں کا طریق برتا جائے‘‘

یہ لوگ جو ہدایت آ جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لا رہے اور اللہ کے حضور استغفار نہیں کر رہے ہیں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ان کے لیے بھی پہلی قوموں کا سا انجام لکھا جا چکا ہے۔

﴿اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا﴾ ''یا عذاب اُن کے سامنے آ موجود ہو۔''

آیت ۵۶ ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ ''اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے (بنا کر)''

یہ مضمون جو یہاں سب رسولوں کے متعلق جمع کے صیغے میں آیا ہے' سورۂ بنی اسرائیل میں حضور ﷺ کے لیے صیغۂ واحد میں یوں آیا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر مبشّر اور نذیر بنا کر۔''

﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ ''اور یہ کافر لوگ جھگڑتے ہیں جھوٹ کی طرف سے تاکہ بچلا دیں اس کے ساتھ حق کو''

یہ لوگ باطل کے ساتھ کھڑے ہو کر حق کو شکست دینے کے لیے مناظرے اور کٹ حجتیاں کر رہے ہیں۔

﴿وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا﴾ ''اور انہوں نے میری آیات کو اور (اس چیز کو) جس کے ساتھ انہیں خبردار کیا گیا تھا مذاق بنا لیا ہے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے نصیحت کی گئی ہو اُس کے رب کی آیات کے ذریعے' تو اس نے اعراض کیا اُن سے اور وہ بھول گیا کہ کیا آگے بھیجا ہے اس کے دونوں ہاتھوں نے۔''

بجائے ایمان لانے کے اور اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنے کے اس نے اللہ کی آیات سے روگردانی کی روش اپنائے رکھی۔ اس ضد اور ہٹ دھرمی میں وہ اپنے اعمال کے اس جھاڑ جھنکاڑ کو بھی بھول گیا جو اُس نے اپنی آخرت کے لیے تیار کر رکھا تھا۔

﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ ''یقیناً ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (ڈال دیا ہے)۔''

یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں اس طرح آ چکا ہے: ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾ ''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے لوگوں کے درمیان پردہ حائل کر دیتے ہیں۔''

﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾ ''اور اگرچہ آپ بلائیں انہیں ہدایت کی طرف تب بھی وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔''

کیونکہ حق واضح ہو جانے بعد ان کی مسلسل ہٹ دھرمی کے سبب ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں اور اس طرح وہ اللہ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی آخری دفعہ کی زد میں آ چکے ہیں جس کے تحت جان بوجھ کر حق سے اعراض کرنے والے کو ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۵۸ ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ﴾ ''اور آپؐ کا رب بہت بخشنے والا' بہت رحمت والا ہے۔ اگر وہ مواخذہ کرتا ان کا بسبب ان کے اعمال کے تو بہت جلدی بھیج دیتا ان پر عذاب۔''

یہ مضمون سورۃ النحل' آیت ۶۱ اور سورۂ فاطر' آیت ۴۵ میں بھی بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم اور برے اعمال کے سبب ان کا مؤاخذہ کرتا تو روئے زمین پر کوئی متنفس زندہ نہ بچتا۔

﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸﴾ ''بلکہ ان کے لیے وعدے کا ایک وقت معیّن ہے اور وہ ہرگز نہیں پائیں گے اس کے سوا بچنے کی کوئی جگہ۔''

جب کسی کے وعدے کی مقررہ گھڑی (اجل) آپہنچے گی تو اسے کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی اور اس کے لیے اس سے سرک کر اِدھر اُدھر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی: ﴿فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۱﴾ (النحل) ''پھر جب آ جاتا ہے اُن کا وقت معیّن تو نہ وہ پیچھے رہ سکتے ہیں ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

آیت ۵۹ ﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ ''اور یہ ہیں وہ بستیاں جن (کے باسیوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم اختیار کیا''

اَحقاف میں آباد قومِ عاد کے افراد ہوں یا علاقہ حجر کے باشندے' اصحاب الایکہ ہوں یا عامورہ اور سدوم کے باسی' سب اسی قانونِ الٰہی کے مطابق ہلاکت سے دوچار ہوئے۔

﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹﴾ ''اور ہم نے مقرر کر دیا تھا ان کی ہلاکت کے لیے وعدے کا ایک وقت۔''

وعدے کے اس طے شدہ وقت سے پہلے کسی قوم یا بستی پر کبھی کوئی عذاب نہیں آیا۔

آیات ۶۰ تا ۸۲

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝۶۰ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝۶۱ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَاۗءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝۶۲ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ڰ عَجَبًا ۝۶۳ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ڰ فَارْتَدَّا عَلٰٓي اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝۶۴ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝۶۵ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓي

اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا
لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ
اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا ع
فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمْ
اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ
عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ
جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ
شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ
قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ
فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ
بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ
فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَاۗءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ
اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا
مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ
كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ڰ
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ ع

ان دو رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سفر کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے اور قدیم اسرائیلی روایات میں بھی' جن میں سے بہت سی روایات قرآن کے بیان سے مطابقت بھی رکھتی ہیں۔ بہرحال ان روایات سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپؑ فلاں جگہ جائیں' وہاں پر آپؑ کو ہمارا ایک صاحبِ علم بندہ ملے گا' آپؑ کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہ کر اس کے علم سے استفادہ کریں۔ ممکن ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ابتدائی زمانہ ہو اور اس طریقے سے آپؑ کی تربیت مقصود ہو' جس طرح بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے لیے ایک فرشتہ تین سال تک مسلسل آپؐ کے ساتھ رہا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندے کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں قطعی معلومات دستیاب نہیں۔ اس ضمن میں ایک رائے تو یہ ہے کہ وہ ایک فرشتہ تھے' جبکہ ایک دوسری رائے کے مطابق وہ انسان ہی تھے

جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت لمبی عمر دے رکھی ہے۔ یعنی جیسے جِنّوں میں سے ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا کر رکھی ہے ایسے ہی اُس نے انسانوں میں سے اپنے ایک نیک اور برگزیدہ بندے کو بھی بہت طویل عمر سے نوازا ہے اور ان کا نام حضرت خضر ہے۔ (واللہ اعلم!)

روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی وقت یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید مجھے روئے زمین کے تمام انسانوں سے بڑھ کر علم عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ آپؑ کو ہدایت فرمائی کہ آپ فلاں جگہ ہمارے ایک بندۂ خاص سے ملاقات کریں اور کچھ عرصہ اُس کے ساتھ رہ کر اُس سے علم وحکمت سیکھیں۔ اس حکم کی تعمیل میں آپؑ اپنے نوجوان ساتھی حضرت یوشع بن نون کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہوگئے۔

آیت ۶۰ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝۶۰﴾ ”اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنے نوجوان (ساتھی) سے کہا کہ میں (چلنا) نہیں چھوڑوں گا‘ یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں یا میں برسوں چلتا ہی رہوں گا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو بتایا گیا تھا کہ وہ شخص مجمع البحرین (دو دریاؤں کے سنگم) پر ملے گا۔ مجمع البحرین کے اس مقام کے بارے میں بھی مفسرین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ بحیرۂ احمر (Red Sea) کے شمالی کونے سے نکلنے والی دو کھاڑیوں (خلیج سویز اور خلیج عقبہ) کے مقامِ اتّصال کو مجمع البحرین کہا گیا ہے‘ جبکہ ایک دوسری رائے کے مطابق (اور یہ رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے) یہ مقام دریائے نیل پر واقع ہے۔ دریائے نیل دو دریاؤں یعنی النیل الازرق اور النیل الابیض سے مل کر بنا ہے۔ یہ دونوں دریا سوڈان کی طرف سے مصر میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک دریا کے پانی کا رنگ نیلا ہے جبکہ دوسرے کا سفید ہے (پاکستان میں بھی اٹک کے مقام پر دریائے سندھ کے صاف پانی اور دریائے کابل کے گدلے پانی کا ملاپ ایسا ہی منظر پیش کرتا ہے)۔ چنانچہ اس رائے کے مطابق جس مقام پر یہ دونوں دریا مل کر ایک دریا (مصر کے دریائے نیل) کی شکل اختیار کرتے ہیں اس مقام کو مجمع البحرین کہا گیا ہے اور یہ مقام خرطوم کی سرحد کے آس پاس ہے۔

آیت ۶۱ ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا﴾ ”پھر جب وہ دونوں پہنچ گئے دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر“

﴿نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝۶۱﴾ ”تو وہ اپنی مچھلی کو بھول گئے اور اس (مچھلی) نے اپنا راستہ بنالیا تھا دریا میں سرنگ کی طرح۔“

یہ بھنی ہوئی مچھلی تھی جس کو وہ کھانے کی غرض سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس مچھلی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی بنایا گیا تھا اور انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ جس مقام پر یہ مچھلی زندہ ہوکر دریا میں چلی جائے گی اسی جگہ مطلوبہ شخصیت سے ان کی ملاقات ہوگی۔ چنانچہ مجمع البحرین کے قریب پہنچ کر وہ مچھلی زندہ ہوکر ان کے توشہ دان سے باہر آئی اور اُس نے سرنگ سی بنا کر دریا میں اپنی راہ لی۔ اس منظر کو حضرت یوشع بن نون نے دیکھا

بھی مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

آیت ۶۲ ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴾ ’’پھر جب وہ دونوں (وہاں سے) آگے نکل گئے تو موسیٰؑ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب ہمارا ناشتہ لے آؤ‘ اپنے اس سفر سے تو ہمیں بہت تکان ہوگئی ہے۔‘‘

یہاں مفسرین نے ایک بہت اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ آپؑ کو تھکاوٹ اس وجہ سے محسوس ہوئی کہ آپؑ مطلوبہ مقام سے آگے نکل گئے تھے۔ ورنہ اس مقام تک پہنچنے میں آپؑ کو کسی قسم کی تھکاوٹ کا احساس نہیں ہوا تھا۔

آیت ۶۳ ﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ﴾ ’’اُس (نوجوان) نے کہا: دیکھئے‘ جب ہم ٹھہرے تھے چٹان کے پاس تو میں بھول گیا مچھلی کو (نگاہ میں رکھنا)‘‘

﴿وَمَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴾ ’’اور نہیں مجھے بھلائے رکھا مگر شیطان نے کہ میں (آپؑ سے) اس کا ذکر کروں‘ اور اُس نے تو بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح سے۔‘‘

یعنی اس جگہ وہ مچھلی زندہ ہو کر عجیب طریقے سے دریا میں چلی گئی تھی۔

آیت ۶۴ ﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ ﴾ ’’موسیٰؑ نے کہا: یہی تو تھا جس کی ہمیں تلاش تھی!‘‘

یہی تو ہمیں نشانی بتائی گئی تھی کہ جس جگہ مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے گی اس جگہ پر اللہ کے اس بندے سے ہماری ملاقات ہوگی۔ چنانچہ چلو اب واپس اسی جگہ پر پہنچیں۔

﴿فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ ’’پس وہ دونوں واپس لوٹے اپنے نقوشِ پا کو دیکھتے ہوئے۔‘‘

واپس اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے وہ عین اسی جگہ پر آ گئے جہاں چٹان کے پاس مچھلی زندہ ہو کر دریا میں کود گئی تھی۔

آیت ۶۵ ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ ’’تو پایا انہوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو جسے ہم نے رحمت عطا کی تھی اپنی طرف سے اور اسے سکھایا تھا ایک علم خاص اپنے پاس سے۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے‘ اپنے خاص خزانہ فیض سے اسے خصوصی علم عطا کر رکھا تھا۔ ’’علمِ لدنّی‘‘ کی اصطلاح یہیں سے اخذ کی گئی ہے۔ لَدُن کے معنی قریب یا نزدیک کے ہیں۔ چنانچہ علمِ لدنّی سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے کسی کو عطا کر دے۔ یعنی ایک علم تو وہ ہے جو انسان اپنے حواسِ خمسہ کے ذریعے سے باقاعدہ محنت و مشقت کے عمل سے گزر کر حاصل کرتا ہے‘ جیسے مدارسِ عربیہ میں صرف و نحو‘ تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ علوم حاصل کیے جاتے ہیں‘ یا سکول و کالج میں متداول عمرانی و سائنسی علوم سیکھے جاتے ہیں‘ لیکن علم کی ایک قسم وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ براہِ راست کسی انسان کے دل میں ڈال دیتا ہے اور اُس کو اُس کی

تحصیل کے لیے کوئی مشقت وغیرہ بھی نہیں اٹھانی پڑتی۔

آیت ۶۶ ﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ ''موسٰیؑ نے اُس سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ آپ مجھے سکھائیں اُس میں سے جو بھلائی آپ کو سکھائی گئی ہے؟''

مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے آپ کو خاص حکمت اور دانائی عطا کر رکھی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہوں اور آپ مجھے بھی اس علم خاص میں سے کچھ سکھا دیں۔

آیت ۶۷ ﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ''اُس نے کہا: میرے ساتھ (رہ کر) آپؑ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔''

آیت ۶۸ ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ ''اور آپؑ کیسے صبر کریں گے اُس چیز پر جس کی آپ کو پوری پوری خبر نہیں!''

میرے ساتھ رہ کر آپ کو میرے کام بڑے عجیب لگیں گے اور آپ صبر نہیں کر پائیں گے' کیونکہ اُن کاموں کی حقیقی غرض و غایت کے بارے میں آپ کو پوری طرح آگاہی حاصل نہیں ہو گی۔ جو باتیں آپ کے دائرۂ علم سے باہر ہوں گی ان پر آپ کیسے صبر کر پائیں گے!

آیت ۶۹ ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ ''موسٰیؑ نے کہا: آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے' اور میں خلاف ورزی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔''

یہاں پر ایک اہم نکتہ لائقِ توجّہ ہے کہ جب صبر کرنے کی بات ہوئی تو اس کے ساتھ حضرت موسٰیؑ نے ان شاء اللہ کہا' لیکن نافرمانی نہ کرنے کے وعدے کے ساتھ 'ان شاء اللہ' نہیں کہا۔ چنانچہ بعد میں ہم دیکھیں گے کہ اسی وعدے کی خلاف ورزی آپؑ سے ہوئی جس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا گیا تھا۔ اس حوالے سے اسی سورت کا وہ حکم بھی ذہن میں رکھیے جس میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ ''اور کسی چیز کے بارے میں یہ کبھی نہ کہا کریں کہ میں کل یہ کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ چاہے' اور اپنے رب کو یاد کر لیا کیجیے جب آپؐ بھول جائیں اور کہیے کہ ممکن ہے میرا رب میری راہنمائی کر دے اس سے زیادہ بھلائی کی راہ کی طرف۔''

آیت ۷۰ ﴿قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔــلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ ''اُس نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ چلنا چاہتے ہیں تو کسی چیز کے بارے میں مجھ سے خود نہ پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی آپ کو اس کے بارے میں بتا دوں۔''

بس آپ میرے ساتھ ساتھ رہیں اور میں جو کچھ کروں یا میرے ساتھ جو کچھ ہو آپ خاموشی سے اس کا

مشاہدہ کرتے رہیں، مگر کسی چیز کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کریں۔ میں جب مناسب سمجھوں گا اُن تمام چیزوں کی حقیقت اور تفصیل آپ کو بتادوں گا جو آپ کے مشاہدے میں آئی ہوں گی۔

آیت ۷۱ ﴿فَانۡطَلَقَا ٙ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا ؕ﴾ ''پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ جب وہ دونوں سوار ہوئے ایک کشتی میں' تو اُس نے اس (کشتی) میں شگاف ڈال دیا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سوال نہ کرنے والی شرط تسلیم کر لی اور یوں وہ دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب وہ دریا پار کرنے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں (اُن کو صاحبِ موسیٰؑ کہیں یا حضرت خضر کہیں) نے بیٹھتے ہی کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو آپؑ کہاں خاموش رہنے والے تھے' فوراً ان کو ٹوک دیا۔

﴿قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: کیا آپ نے اسے پھاڑ ڈالا ہے تاکہ غرق کر دیں اس کے تمام سواروں کو؟ یہ تو آپ نے بہت ہی غلط کام کیا ہے۔''

آیت ۷۲ ﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾﴾ ''اس نے کہا: میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟''

اس قصہ میں مذکور تین واقعات کے حوالے سے ایک اہم بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ کے جن احکام کے مطابق اس کائنات کا نظام چل رہا ہے' ان کی حیثیت تشریعی (شریعت سے متعلق) نہیں بلکہ تکوینی (کائنات کے انتظامی امور سے متعلق) ہے۔ ان احکام کی تنفیذ کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ اس مقصد کے لیے اولیاء اللہ کی ارواح کو بھی ملائکہ کے طبقہ اسفل میں شامل کر دیا جاتا ہے اور وہ بھی فرشتوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ میں حصہ لیتے ہیں۔ بہرحال ان تکوینی احکام کی تعمیل کے نتیجے میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں ہم ان کے صرف ظاہری پہلوؤں کو ہی دیکھ سکتے ہیں۔ کسی واقعہ کے پیچھے اللہ کی مشیت کیا ہے؟ اس کا ادراک ہم نہیں کر سکتے۔ ضروری نہیں کہ کوئی واقعہ یا کوئی چیز بظاہر جیسے دکھائی دے اس کی حقیقت بھی ویسی ہی ہو۔ ممکن ہے ہم کسی چیز کو اپنے لیے برا سمجھ رہے ہوں مگر اس کے اندر ہمارے لیے خیر ہو اور جس چیز کو اچھا سمجھ رہے ہوں' وہ حقیقت میں اچھی نہ ہو۔ سورۃ البقرۃ میں ہم یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡـًٔا وَّہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡـًٔا وَّہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾﴾ ''ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو' اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کو تفویض الامر کا رویہ اپنانا چاہیے کہ اے اللہ! میرا معاملہ تیرے سپرد ہے' میرے لیے جو تو پسند کرے گا میں اسی پر راضی رہوں گا' کیونکہ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے: ﴿بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ ؕ﴾ (آل عمران ۲۶)۔

آیت ۷۳ ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَلَا تُرۡہِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا ﴿۷۳﴾﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: آپ میرا مؤاخذہ نہ کیجیے میرے بھول جانے پر اور نہ ہی میرے معاملے میں زیادہ سختی کیجیے۔''

میں بھول گیا تھا کہ آپ سے میں نے سوال نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے' لہٰذا آپ میری اس بھول کی وجہ سے میرا مؤاخذہ نہ کریں اور درگزر سے کام لیں۔

آیت ۷۴ ﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓی اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ﴾ ''پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ ان کی ملاقات ہوئی ایک لڑکے سے تو اُس (خضر) نے اس کو قتل کر دیا''

﴿قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: کیا آپ نے قتل کر دیا ایک معصوم جان کو بغیر کسی جان کے (بدلے کے)؟''

اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا' کسی کا خون نہیں بہایا تھا' پھر بھی آپ نے اسے قتل کر دیا۔

﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ۝۷۴﴾ ''یہ تو آپ نے بہت ہی نامعقول حرکت کی ہے۔''

آیت ۷۵ ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۷۵﴾ ''اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟''

آیت ۷۶ ﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: اگر میں آپ سے سوال کروں کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔''

ایک دفعہ پھر آپ میری اس بھول کو نظر انداز کر دیں' لیکن اگر تیسری مرتبہ ایسا ہوا تب بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیں۔

﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝۷۶﴾ ''آپ پہنچ چکے ہیں میری طرف سے حدِ عذر کو۔''

یعنی آپ کی طرف سے مجھ پر حجت قائم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس کے بعد آپ مجھے ساتھ نہ رکھنے کے بارے میں عذر کر سکتے ہیں۔

آیت ۷۷ ﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓی اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا﴾ ''پھر وہ دونوں چل پڑے' یہاں تک کہ جب پہنچے ایک بستی کے لوگوں کے پاس تو انہوں نے کھانا مانگا بستی والوں سے''

کہ ہم مسافر ہیں' بھوکے ہیں' ہمیں کھانا چاہیے۔

﴿فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا﴾ ''تو انہوں نے انکار کر دیا ان دونوں کی مہمان نوازی سے''

اس بستی کے باشندے کچھ ایسے کٹھور دل تھے کہ پوری بستی میں سے کسی ایک شخص نے بھی انہیں کھانا کھلانے کی حامی نہ بھری۔

﴿فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ﴾ ''تو ان دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی تو اُس (خضر) نے اسے سیدھا کر دیا۔''

﴿قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝۷۷﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے۔''

یہ ایسے ناہنجار لوگ ہیں کہ انہوں نے ہمیں کھانا تک کھلانے سے انکار کر دیا تھا اور آپ نے بغیر کسی معاوضے کے ان کی دیوار مرمت کر دی ہے۔ بہتر ہوتا اگر آپ اس کام کی کچھ اجرت طلب کرتے اور اس کے عوض ہم کھانا ہی کھا لیتے۔

آیت ۷۸ ﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴾ ''اُس (خضر) نے کہا: بس اب یہ جدائی (کا وقت) ہے میرے اور آپ کے درمیان' اب میں آپ کو بتائے دیتا ہوں اصل حقیقت ان چیزوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔''

آیت ۷۹ ﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ ''جہاں تک اُس کشتی کا معاملہ ہے تو وہ غریب لوگوں کی (ملکیت) تھی جو محنت کرتے تھے دریا میں''

وہ بہت غریب اور نادار لوگ تھے' صرف وہ کشتی ہی ان کے معاش کا سہارا تھی۔ اس کے ذریعے وہ لوگوں کو دریا کے آر پار لے جاتے اور اس مزدوری سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔

﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴾ ''تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں' اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو پکڑ رہا تھا ہر کشتی کو زبردستی۔''

بادشاہ ہر اُس کشتی کو اپنے قبضے میں لے لیتا تھا جو صحیح وسالم ہوتی تھی۔ ان نادار لوگوں کی کشتی بھی اگر بے عیب ہوتی تو بادشاہ ان سے زبردستی چھین لیتا۔ چنانچہ میں نے اس کا ایک تختہ توڑ کر اسے عیب دار کر دیا۔ اب جب بادشاہ اس عیب دار کشتی کو دیکھے گا تو اسے چھوڑ دے گا اور اس طرح ان کی روزی کا واحد سہارا ان سے نہیں چھنے گا۔ پوری کشتی چھن جانے کے مقابلے میں ایک تختے کا ٹوٹ جانا تو معمولی بات ہے۔ اس تختے کی وہ لوگ آسانی سے مرمت کر لیں گے اور یوں وہ کشتی ان کی روزی کا ذریعہ بنی رہے گی۔ لہٰذا وہ تختہ ان لوگوں کی بھلائی کے لیے توڑا گیا تھا نہ کہ کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے۔

آیت ۸۰ ﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴾ ''رہا وہ لڑکا! تو اس کے والدین دونوں مؤمن تھے' تو ہمیں خدشہ ہوا کہ وہ سرکشی اور ناشکری سے ان پر تعدی کرے گا۔''

حضرت خضر کو اپنے خاص علم کی بنا پر معلوم ہوا ہو گا کہ اس بچے کے genes اچھے نہیں ہیں اور بڑا ہو کر اپنے والدین کے لیے سوہانِ روح ثابت ہو گا اور سرکشی اور ناشکری کی روش اختیار کر کے ان کو عاجز کر دے گا۔

آیت ۸۱ ﴿فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴾ ''پس ہم نے چاہا کہ ان دونوں کو بدلے میں دے ان کا رب اس سے بہتر (اولاد) پاکیزگی میں اور قریب تر شفقت میں۔''

بچے کے والدین چونکہ نیک اور صالح لوگ تھے اس لیے ان کے رب نے چاہا کہ اس بچے کی جگہ انہیں ایک ایسا فرزند عطا فرمائے جو پاکیزہ نفسی و پرہیزگاری میں اس سے بہتر اور مروّت و دردمندی میں اس سے بڑھ کر ہو۔ چنانچہ وقتی طور پر تو بچے کے فوت ہونے سے والدین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو گا لیکن حقیقت میں یہ سب

کچھ ان کی بہتری کے لیے ہی کیا گیا تھا۔

آیت ۸۲ ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ﴾ ''اور رہی وہ دیوار! تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی' اور اس کے نیچے خزانہ تھا ان دونوں کے لیے' اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔''

باپ نے جب دیکھا ہوگا کہ میرا آخری وقت قریب آ لگا ہے اور میرے بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں تو اس نے اپنی ساری پونجی اکٹھی کر کے دیوار کی بنیاد میں دفن کر دی ہوگی' اس امید پر کہ جب وہ بڑے ہوں گے تو نکال لیں گے۔ لیکن اگر وہ دیوار وقت سے پہلے ہی گر جاتی تو اس بستی کے ناہنجار لوگ جو کسی مسافر کو کھانا کھلانے کے بھی روادار نہیں' ان یتیموں کا دفینہ لوٹ کر لے جاتے۔

﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ﴾ ''لہٰذا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور نکال لیں اپنا خزانہ''

باپ چونکہ نیک آدمی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیوار کی مرمت کا اہتمام کر کے اس کے کمسن یتیم بچوں کی بھلائی کا سامان کیا گیا۔

﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ﴾ ''(یہ سب امور) آپ کے رب کی رحمت سے (طے ہوئے) تھے' اور میں نے اپنی رائے سے انہیں سرانجام نہیں دیا۔''

یعنی یہ تمام امور اللہ کی رحمت کا مظہر تھے۔ یہ اللہ ہی کے فیصلے تھے اور اسی کے حکم سے ان کی تنفیذ و تعمیل کی گئی۔ میں نے اپنی مرضی سے ان میں سے کچھ بھی نہیں کیا۔ ان امور کے سلسلے میں اللہ کے احکام کی تنفیذ کرنے والے اللہ کے وہ بندے حضرت خضر تھے' کوئی اور ولی اللہ تھے یا کوئی فرشتہ تھے' اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اس سارے واقعہ میں اصل بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ایسے تمام بندے کارکنانِ قضا و قدر کی فوج کے سپاہی ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے جن احکام کی تنفیذ کر رہے ہیں ان کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ تکوینی امور سے ہے۔ دنیا میں جو واقعات و حادثات رونما ہوتے ہیں ہم صرف ان کے ظاہری پہلو کو دیکھ کر ہی ان پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں یا دل گرفتہ ہوتے ہیں۔ بہرحال ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے اس میں خیر اور بھلائی ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے تمام معاملات میں ''تفویض الامر'' کا رویہ اپناتے ہوئے راضی برضائے ربّ رہنا چاہیے کہ: ؏ ''ہرچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است!''

﴿ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۸۲﴾ ''یہ ہے اصل حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔''

آیات ۸۳ تا ۱۰۱

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۸۳ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ
تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا
نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾
ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ
دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ
السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ
يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا
وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾
اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ
قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ
هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا
بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ
لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع ۱۹ / ۲

اس رکوع میں ذوالقرنین کے بارے میں یہودِ مدینہ کے سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک اکثر مفسرین ذوالقرنین سے ناواقف تھے۔ چنانچہ تیرہ سو سال تک عام طور پر سکندرِ اعظم ہی کو ذوالقرنین سمجھا جاتا رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں ذوالقرنین کی فتوحات کا ذکر جس انداز میں ہوا ہے یہ انداز سکندرِ اعظم کی فتوحات سے ملتا جلتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذوالقرنین کی سیرت کا وہ نقشہ جو قرآن نے پیش کیا ہے اس کی سکندرِ اعظم کی سیرت کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔

بہرحال جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ذوالقرنین قدیم ایران کے بادشاہ کیخورس یا سائرس کا لقب تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ایران کے علاقے میں دو الگ الگ خودمختار مملکتیں قائم تھیں۔ ایک کا نام پارس تھا جس سے ''فارس'' کا لفظ بنا ہے اور دوسرے کا نام ''مادا'' تھا۔ کیخورس یا سائرس نے ان دونوں مملکتوں کو ملا کر ایک ملک بنا دیا اور یوں سلطنت ایران کے سنہرے دور کا آغاز ہوا۔ دو مملکتوں کے فرمانروا ہونے کی علامت کے طور پر اس نے اپنے تاج میں دو سینگ لگا رکھے تھے اور اس طرح اس کا لقب ذوالقرنین (دو سینگوں والا) پڑ گیا۔

آیت ۸۳ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾﴾ ''اور یہ لوگ آپ

سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپؐ کہیے کہ ابھی میں آپ لوگوں کو اس کا حال بتاتا ہوں۔''

ذوالقرنین کے بارے میں جدید تحقیق کو اہل علم کے حلقے میں متعارف کرانے کا سہرا مولانا ابوالکلام آزادؒ کے سر ہے۔انہوں نے اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ قدیم ایران کا بادشاہ کیخورس یا سائرس ہی ذوالقرنین تھا۔مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تحقیق کی بنیاد ان معلومات پر ہے جو شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کے دور میں ایک کھدائی کے دوران دستیاب ہوئی تھیں۔اس کھدائی کے دوران اس عظیم فاتح بادشاہ کا ایک مجسمہ بھی دریافت ہوا تھا اور مقبرہ بھی۔اس کھدائی سے ملنے والی معلومات کی بنیاد پر رضا شاہ پہلوی نے اُس کی ڈھائی ہزار سالہ برسی منانے کا خصوصی اہتمام کیا تھا۔دریافت شدہ مجسمے کے سر پر جو تاج تھا اس میں دو سینگ بھی موجود تھے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ایران کا یہی بادشاہ (کیخورس یا سائرس) تھا جو تاریخ میں ذوالقرنین کے لقب سے مشہور ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں نے خصوصی طور پر یہ سوال کیوں پوچھا تھا اور ذوالقرنین کی شخصیت میں ان کی اس دلچسپی کا سبب کیا تھا؟ اس سوال کا جواب ہمیں بنی اسرائیل کی تاریخ سے ملتا ہے۔جب ۵۸۷ قبل مسیح کے لگ بھگ عراق کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کر کے یروشلم کو تباہ کیا تو اس شہر کی اکثریت کو تہ تیغ کر دیا گیا اور زندہ بچ جانے والوں کو وہ اپنی فوج کے ساتھ بابل (Babilonia) لے گیا' جہاں یہ لوگ ڈیڑھ سو سال تک اسیری کی حالت میں رہے۔

جب ایران کے بادشاہ کیخورس یا سائرس (آئندہ سطور میں انہیں ''ذوالقرنین'' ہی لکھا جائے گا) نے ایران کو متحد کرنے کے بعد اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا تو سب سے پہلے عراق کو فتح کیا۔مشرقِ وسطیٰ کے موجودہ نقشے کو ذہن میں رکھا جائے تو فلسطین' اسرائیل' شرق اردن' مغربی کنارہ اور لبنان کے ممالک پر مشتمل پورے علاقے کو اُس زمانے میں شامِ عرب یا شام اور اس سے مشرق میں واقع علاقے کو عراقِ عرب یا عراق کہا جاتا تھا' جبکہ عراق کے مزید مشرق میں ایران واقع تھا۔عراق پر قبضہ کرنے کے بعد ذوالقرنین نے بابل میں اسیر یہودیوں کو آزاد کر دیا اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ اپنے ملک واپس جا کر اپنا تباہ شدہ شہر یروشلم دوبارہ آباد کر لیں۔چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام کی قیادت میں یہودیوں کا قافلہ بابل سے واپس یروشلم آیا۔انہوں نے اپنے اس شہر کو پھر سے آباد کیا اور ہیکل سلیمانی کو بھی از سر نو تعمیر کیا۔اس پس منظر میں یہودی ذوالقرنین کو اپنا محسن سمجھتے ہیں اور اسی سبب سے ان کے بارے میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پوچھا تھا۔

ذوالقرنین کی فتوحات کے سلسلے میں تین مہمات کا ذکر تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ان مہمات میں ایران سے مغرب میں بحیرۂ روم (Mediterranian) تک پورے علاقے کی تسخیر' مشرق میں بلوچستان اور مکران تک لشکر کشی اور شمال میں بحیرۂ خزر (Caspian Sea) اور بحیرۂ اسود (Black Sea) کے درمیانی پہاڑی علاقے کی فتوحات شامل ہیں۔ذوالقرنین کا یہ سلسلہ فتوحات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی فتوحات کے سلسلے سے مشابہ ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی جزیرہ نمائے عرب سے مختلف سمتوں میں تین لشکروں نے پیش قدمی کی تھی' ایک لشکر شام اور پھر مصر گیا تھا' دوسرے لشکر نے عراق کے بعد ایران کو فتح کیا تھا' جبکہ تیسرا لشکر شمال میں

کوہ قاف (Caucasus) تک جا پہنچا تھا۔

قدیم روایات میں ذوالقرنین کے بارے میں کچھ ایسی معلومات بھی ملتی ہیں کہ ابتدائی عمر میں وہ ایک چھوٹی سی مملکت کے شہزادے تھے۔ ان کے اپنے ملک میں کچھ ایسے حالات ہوئے کہ کچھ لوگ ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور کچھ عرصہ صحرا میں روپوش رہے۔ اسی عرصے کے دوران ان تک کسی نبی کی تعلیمات پہنچیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زرتشت ہی اللہ کے نبی ہوں اور انہی کی تعلیمات سے انہوں نے استفادہ کیا ہو۔ بہرحال قرآن نے ذوالقرنین کا جو کردار پیش کیا ہے وہ ایک نیک اور صالح بندۂ مومن کا کردار ہے اور اس کردار کی خصوصیات تاریخی اعتبار سے اس زمانے کے کسی اور فاتح حکمران پر منطبق نہیں ہوتیں۔

آیت ۸۴ ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾﴾ ”ہم نے اسے زمین میں تمکّن عطا کیا تھا اور اُسے ہر طرح کے اسباب و وسائل مہیّا کیے تھے۔“

آیت ۸۵ ﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾﴾ ”تو اُس نے ایک (مہم کا) سروسامان کیا۔“

آیت ۸۶ ﴿حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچا“

یہ ذوالقرنین کی مغربی علاقوں پر لشکر کشی کا ذکر ہے جب وہ پیش قدمی کرتے ہوئے بحیرۂ روم (Mediterranian Sea) کے ساحل تک جا پہنچے۔ چونکہ اُس زمانے میں ان لوگوں کو پوری دنیا کا نقشہ معلوم نہیں تھا اس لیے وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم اس سمت میں دنیا یا زمین کی آخری سرحدوں تک پہنچ گئے ہیں اور اس سے آگے بس سمندر ہی سمندر ہے۔ وہاں ساحل پر کھڑے ہو کر انہیں سورج بظاہر سمندر میں غروب ہوتا ہوا نظر آیا اور اس طرح وہ اس جگہ کو مَغْرِبَ الشَّمْسِ (سورج کے غروب ہونے کی جگہ) سمجھے۔

﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ ”اُس نے اسے غروب ہوتے ہوئے پایا ایک گدلے چشمے میں“

اس سے Aegean Sea مراد ہے جس کا پانی بہت گدلا ہے۔

﴿وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا﴾ ”اور اُس نے پایا وہاں ایک قوم کو۔“

یعنی اس علاقے کو جب انہوں نے فتح کر لیا تو وہاں بسنے والی قوم ان کی رعایا بن گئی۔

﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾﴾ ”ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! تم چاہو تو انہیں سزا دو اور چاہو تو ان (کے بارے) میں حسن سلوک کا معاملہ کرو۔“

یعنی آپ نے اس علاقے کو بزورِ بازو فتح کیا ہے‘ اب یہاں کے باشندے آپ کے رحم و کرم پر ہیں‘ آپ کو ان پر مکمل اختیار ہے۔ آپ چاہیں تو ان پر سختی کریں اور آپ چاہیں تو ان کے درمیان حسن سلوک کی روایت قائم کریں۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ذوالقرنین کو مخاطب کر کے فرمائی‘ لیکن ضروری نہیں کہ حقیقت میں ایسا ہی ہوا ہو۔ اگر تو وہ نبی تھے (واللہ اعلم) تو یہ ممکن بھی ہے‘

ورنہ اس سے مراد القاء یا الہام بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے سورۃ النحل (آیت ۶۸) میں شہد کی مکھی کی طرف وحی کیے جانے کا ذکر ہے۔

آیت ۸۷ ﴿قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝﴾ ''اُس نے کہا: جس نے ظلم کیا ہم اسے سزا دیں گے' پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف اور وہ اسے بہت سخت عذاب دے گا۔''

یہاں ظلم سے مراد کفر اور شرک بھی ہوسکتا ہے۔

آیت ۸۸ ﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝﴾ ''اور جو کوئی ایمان لایا اور اُس نے نیک اعمال کیے تو اُس کے لیے ہے اچھی جزا' اور اُس سے ہم بات کریں گے اپنے معاملے میں نرمی سے۔''

یعنی اس مفتوحہ علاقہ میں اپنی رعایا کے اہل ایمان نیک لوگوں سے ہم تمام معاملات میں نرمی سے کام لیں گے اور خراج وغیرہ کی وصولی کے سلسلے میں ان پر سختی نہیں کریں گے۔

آیت ۸۹ ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝﴾ ''پھر اُس نے ایک (اور مہم کا) سروسامان کیا۔''

مغربی مہم سے فارغ ہونے کے بعد ذوالقرنین نے مشرقی علاقوں کی طرف پیش قدمی کا منصوبہ بنایا۔

آیت ۹۰ ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ﴾ ''یہاں تک کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچ گیا''

اس مہم کے سلسلے میں تاریخی طور پر مکران کے علاقے تک ذوالقرنین کی پیش قدمی ثابت ہے۔ (واللہ اعلم!) ممکن ہے ساحل مکران پر کھڑے ہو کر بھی انہوں نے محسوس کیا ہو کہ وہ اس سمت میں بھی زمین کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں۔

﴿وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝﴾ ''اُس نے اس کو طلوع ہوتے پایا ایک ایسی قوم پر جس کے لیے ہم نے اس (سورج) کے مقابل کوئی اوٹ نہیں رکھی تھی۔''

اس زمانے میں یہ علاقہ Gedrosia کہلاتا تھا۔ یہاں ایسے وحشی قبائل آباد تھے جو زمین پر صرف دیواریں کھڑی کر کے اپنے گھر بناتے تھے اور اس زمانے تک ان کے تمدن میں گھروں پر چھتیں ڈالنے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

آیت ۹۱ ﴿كَذٰلِكَ ۭ﴾ ''(پھر) ایسا ہی ہوا۔''

پھر یہاں بھی ویسا ہی معاملہ ہوا جیسا کہ پہلی مہم کے سلسلے میں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مکمل فتح عطا فرمائی اور علاقے میں آباد قبائل کے معاملات میں نرمی یا سختی کرنے کا پورا اختیار دیا۔ یہاں بھی ذوالقرنین نے ظالم اور شریر لوگوں کے ساتھ سختی جبکہ نیک اور شریف لوگوں کے ساتھ نرمی کا رویّہ اختیار کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔

﴿وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝﴾ ''اور ہم پوری طرح باخبر تھے اُس کے احوال سے۔''

جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اور جن حالات سے اس کو سابقہ پیش آیا ہم اس سے پوری طرح باخبر تھے۔

آیت ۹۲ ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴾ ''پھر اُس نے ایک (اور مہم کا) سر و سامان کیا۔''

آیت ۹۳ ﴿حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا''

''سد'' دیوار کو کہتے ہیں۔ دو دیواروں سے مراد یہاں دو پہاڑی سلسلے ہیں۔ داہنی طرف مشرق میں بحیرۂ کیسپین تھا اور دوسری طرف بحیرۂ اسود۔ ان دونوں سمندروں کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ دو پہاڑی سلسلے متوازی چلتے ہیں۔ اور ان پہاڑی سلسلوں کی درمیانی گزرگاہ سے شمالی علاقوں کے وحشی قبائل (یاجوج ماجوج) اس علاقے پر حملہ آور ہوتے تھے۔

﴿وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴾ ''اُس نے پایا اُن دونوں سے ورے ایک قوم (کے افراد) کو جو کوئی بات سمجھ نہیں سکتے تھے۔''

گویا یہ بھی ایک غیر متمدن قوم تھی۔ اس قوم کے افراد ذوالقرنین اور ان کے ساتھیوں کی زبان سے قطعاً نا آشنا تھے اور حملہ آور لشکر کے لوگ بھی اس مفتوحہ قوم کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ مگر پھر بھی انہوں نے کسی نہ کسی طرح سے ذوالقرنین کے سامنے اپنا مدعا بیان کر ہی دیا:

آیت ۹۴ ﴿قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ ''انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں بہت فساد مچانے والے لوگ ہیں''

﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ﴾ ''تو کیا ہم آپ کو کچھ خراج ادا کریں کہ اس کے عوض آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟''

یعنی آپ ان پہاڑوں کے درمیان واقع اس واحد قدرتی گزرگاہ کو بند کر دیں تا کہ یاجوج و ماجوج ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ یہ وہی تصور یا اصول تھا جس کے تحت آج کل دریاؤں پر ڈیم تعمیر کیے جاتے ہیں۔ یعنی دو متوازی پہاڑی سلسلوں کے درمیان اگر دریا کی گزرگاہ ہے تو کسی کو مناسب مقام پر مضبوط دیوار بنا کر پانی کا راستہ روک دیا جائے تا کہ دریا ایک بہت بڑی جھیل کی شکل اختیار کر لے۔

یہ یاجوج ماجوج کون ہیں؟ ان کے بارے میں جاننے کے لیے نسل انسانی کی قدیم تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔ قدیم روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے بعد نسل انسانی آپؑ کے تین بیٹوں سام' حام اور یافث سے چلی تھی۔ ان میں سے سامی نسل تو بہت معروف ہے۔ قومِ عاد' قوم ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سامی نسل میں سے تھے۔ حضرت یافث کی اولاد کے لوگ وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے شمال کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے ان کی نسل بڑھتے بڑھتے شمالی ایشیا اور یورپ کے علاقوں میں پھیل گئی۔ چنانچہ مشرق میں چین اور ہند چینی کی yellow races' مغرب میں روس اور سکنڈے نیوین ممالک کی اقوام' مغربی یورپ کے Anglo Saxons' مشرقی یورپ میں خصوصی طور پر شمالی علاقوں اور صحرائے گوبی کے علاقوں کی تمام آبادی حضرت یافث کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ تورات میں حضرت یافث کے بہت سے بیٹوں کے نام ملتے ہیں۔ ان

میں Mosc, Tobal, Gog & Magog وغیرہ قابل ذکر ہیں (ممکن ہے روس کا شہر ماسکو حضرت یافث کے بیٹے ماسک نے آباد کیا ہو)۔ اسی طرح Baltic Sea اور Baltic States کا نام غالباً Tobal کے نام پر ہے۔ بہرحال یورپ کی اینگلو سیکسن اقوام اور تمام Nordic Races یاجوج ماجوج ہی کی نسل سے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ غیر متمدن اور وحشی لوگ تھے جن کا پیشہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری تھا۔ وہ اپنے ملحقہ علاقوں پر حملہ آور ہوتے، قتل و غارت کا بازار گرم کرتے اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے۔ ان کی اس غارت گری کی جھلک موجودہ دنیا نے بھی دیکھی جب Anglo Saxons نے ایک سیلاب کی طرح یورپ سے نکل کر دیکھتے ہی دیکھتے پورے ایشیا اور افریقہ کو نو آبادیاتی نظام کے شکنجے میں جکڑ لیا۔ بعد ازاں مختلف عوامل کی بنا پر انہیں ان علاقوں سے بظاہر پسپا تو ہونا پڑا مگر حقیقت میں دنیا کے بہت سے ممالک پر بالواسطہ اب بھی ان کا قبضہ ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے ادارے ان کی اسی بالواسطہ حکمرانی کو مضبوط کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔

قربِ قیامت میں ان قوموں کی ایک اور یلغار ہونے والی ہے۔ اس کی تفصیلات احادیث اور روایات میں اس طرح آئی ہیں کہ قیامت سے قبل دنیا ایک بہت ہولناک جنگ کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ اس جنگ کو احادیث میں "الملحمة العظمٰی" جبکہ بائبل میں Armageddon کا نام دیا گیا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کا علاقہ اس جنگ کا مرکزی میدان بنے گا۔ اس جنگ میں ایک طرف عیسائی دنیا اور تمام یورپی اقوام ہوں گی اور دوسری طرف مسلمان ہوں گے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایک عظیم لیڈر امام مہدی کی صورت میں عطا کرے گا۔ امام مہدی عرب میں پیدا ہوں گے اور وہ مجدد ہوں گے۔ پھر کسی مرحلے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ خراسان کے علاقے سے مسلمان افواج ان کی مدد کو جائیں گی۔ پھر اس جنگ کا خاتمہ اس طرح ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر دیں گے، یہودیوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور تمام عیسائی مسلمان ہو جائیں گے۔ یوں اسلام کو عروج ملے گا اور دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ (اللہ تعالیٰ مسلمانانِ پاکستان کو توفیق دے کہ اس سے پہلے وہ یہاں نظام خلافت قائم کر لیں اور ہمسایہ علاقہ خراسان سے جو فوجیں امام مہدی کی مدد کے لیے روانہ ہوں ان میں ہمارے لوگ بھی شامل ہوں۔)

جب ہولناک جنگ اپنے انجام کو پہنچ جائے گی تو اس کے بعد یاجوج ماجوج کی بہت بڑی یلغار ہوگی۔ میرے خیال میں یہ لوگ چین اور ہند چینی وغیرہ علاقوں کی طرف سے حملہ آور ہوں گے۔ یہ لوگ Armageddon میں حصہ نہیں لیں گے بلکہ اس کے بعد اس علاقے پر یلغار کر کے تباہی مچائیں گے۔ سورۃ الانبیاء کی آیات ۹۶، ۹۷ اور ۹۸ میں اُن کی اس یلغار کا ذکر قربِ قیامت کے واقعات کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

آیت ۹۵ ﴿قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ﴾ "اُس نے کہا: جو کچھ مجھے دے رکھا ہے اس میں میرے رب نے وہ بہت بہتر ہے"

کہ مجھے تمہارے خراج وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے بہتر مال تو میرے رب نے مجھے پہلے ہی عطا کر رکھا ہے۔ بہرحال تمہارے اس مسئلے کو میں حل کیے دیتا ہوں۔ اس جملے سے ذوالقرنین کے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔

﴿فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ ”البتہ تم لوگ میری مدد کرو قوت (محنت) کے ذریعے سے‘ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گا۔“

دیوار بنانے کے لیے جو مادی اسباب و وسائل درکار ہیں وہ میں مہیا کر لوں گا۔ آپ لوگ اس سلسلے میں محنت و مشقت اور افرادی قوت (man power) کے ذریعے میرا ہاتھ بٹاؤ۔

آیت ۹۶ ﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ ”لاؤ میرے پاس تختے لوہے کے۔“

﴿حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ ”یہاں تک کہ جب اُس نے برابر کر دیا دونوں اونچائیوں کے درمیان (کی جگہ) کو“

جب لوہے کے تختوں کو جوڑ کر انہوں نے دونوں پہاڑوں کے درمیانی درّے میں دیوار کھڑی کر دی تو:

﴿قَالَ انْفُخُوْا﴾ ”اُس نے کہا: اب آگ دہکاؤ!“

اس نے بڑے پیمانے پر آگ جلا کر ان تختوں کو گرم کرنے کا حکم دیا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا﴾ ”یہاں تک کہ جب بنا دیا اس نے اس کو آگ (کی مانند)“

جب لوہے کے وہ تختے گرم ہو کر سرخ ہو گئے تو:

﴿قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ ”اُس نے کہا: لاؤ میرے پاس میں ڈال دوں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔“

اور یوں ذوالقرنین نے لوہے کے تختوں اور پگھلے ہوئے تانبے کے ذریعے سے ایک انتہائی مضبوط دیوار بنا دی۔ اس دیوار کے آثار بحیرۂ کیسپین کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ داریال اور دربند کے درمیان اب بھی موجود ہیں۔ یہ دیوار پچاس میل لمبی‘ انتیس فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی تھی۔ آج سے سینکڑوں سال پہلے لوہے اور تانبے کی اتنی بڑی (مصر کے اسوان ڈیم سے بھی بڑی جسے اَلسَدّ الاعلٰی کہا جاتا ہے) دیوار تعمیر کرنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔

آیت ۹۷ ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ ”اب نہ تو وہ (یاجوج ماجوج) اس کے اوپر چڑھ سکیں گے‘ اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکیں گے۔“

آیت ۹۸ ﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ”اس نے کہا کہ یہ رحمت ہے میرے رب کی“

اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دینے کے بعد بھی ذوالقرنین کوئی کلمہ فخر زبان پر نہیں لائے‘ بلکہ یہی کہا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں‘ یہ سب اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہوا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ ”اور جب آ جائے گا وعدہ میرے رب کا تو وہ کر دے گا اس کو ریزہ ریزہ۔“

چنانچہ امتدادِ زمانہ کے سبب یہ دیوار اب ختم ہو چکی ہے‘ صرف اس کے آثار موجود ہیں‘ جن سے اس کے

مقام اور سائز وغیرہ کا پتا چلتا ہے۔

﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾﴾ ”اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔“

آیت ۹۹ ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِي بَعْضٍ﴾ ”اور ہم چھوڑ دیں گے ان کو اس دن وہ ایک دوسرے میں گتھم گتھا ہو جائیں گے“

یہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والے جنگی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ قربِ قیامت کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ یاجوج وماجوج کا ظہور بھی ہے۔ احادیث میں ان کے بارے میں ایسی خبریں ہیں کہ وہ دریاؤں اور سمندروں کا پانی پی جائیں گے اور ہر چیز کو ہڑپ کر جائیں گے۔ عین ممکن ہے وہ آدم خور بھی ہوں اور ضرورت پڑنے پر انسانوں کو بھی کھا جائیں۔ جیسے آج ہم چینی قوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ سانپ' چھوکٹا' بلّی' ہر چیز کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ کثرتِ آبادی کے لحاظ سے بھی یاجوج وماجوج کی بیشتر علامات کا تطابق چینی قوم پر ہوتا نظر آتا ہے۔

یاجوج وماجوج کی یلغار کا نقشہ سورۃ الانبیاء میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾﴾ ”اور وہ ہر پہاڑ کی ڈھلوان سے اترتے ہوئے نظر آئیں گے“۔ ۱۹۶۲ء میں چین بھارت جنگ کے دوران اخباروں نے چینی افواج کے حملوں کی تفصیلات بتاتے ہوئے بھی کچھ ایسی ہی تصویر کشی کی تھی: "Waves after waves of Chinese soldiers were coming down the slopes." بہرحال جس طرح یاجوج وماجوج آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے اپنے ملحقہ علاقوں کی مہذب آبادیوں کو تاخت وتاراج کرتے تھے' اسی طرح قیامت سے پہلے ایک دفعہ پھر وہ دنیا میں تباہی مچائیں گے اور ان کا ظہور اپنی نوعیت کا ایک بہت اہم واقعہ ہوگا۔

﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾﴾ ”اور صور میں پھونکا جائے گا' پس ہم ان سب کو جمع کر لیں گے۔“

آیت ۱۰۰ ﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾﴾ ”اور اُس روز ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لے آئیں گے۔“

کہ دیکھ لو اپنی آنکھوں سے' اسے ہم نے تمہارے انجام کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

آیت ۱۰۱ ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾﴾ ”وہ لوگ جن کی نگاہیں پردے میں تھیں میرے ذکر سے' اور وہ سن بھی نہیں سکتے تھے۔“

وہ لوگ جو اندھے اور بہرے ہو کر دنیا سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے' حقیقی مسبب الاسباب کو بالکل فراموش کر چکے تھے' صرف دُنیوی اسباب ووسائل پر بھروسا کرتے تھے اور دنیا میں ان کی ساری تگ ودو مادی منفعت کے حصول کے لیے تھی۔ یہی مضمون اگلے (آخری) رکوع میں بہت تیکھے انداز میں آ رہا ہے۔

آیات ۱۰۲ تا ۱۱۰

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ؁ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ؁ۭ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ؁ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ
فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ؁ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا
وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ؁ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ؁ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ؁ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ
رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ؁ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا
صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ؁ۧ ع

اس آخری رکوع میں بہت واضح الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں کون لوگ حقیقی گمراہی اور کفر و دجل میں مبتلا ہیں۔ اگرچہ قربِ قیامت کے زمانے میں ایک شخصِ معیّن ’’دجّالِ اکبر‘‘ کا فتنہ اور اس کا ظہور اپنی جگہ ایک حقیقت ہے (یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں) مگر عمومی طور پر دجّالیت کا فتنہ یہی ہے کہ انسان حصولِ دنیا میں مشغول ہو کر اس حد تک غافل ہو جائے کہ اُسے نہ تو اپنے دارِ آخرت کی کوئی فکر رہے اور نہ ہی اپنے خالق و مالک کی مرضی و منشا کا کچھ ہوش رہے۔ وہ اس ’’عروسِ ہزار داماد‘‘ کی زلفِ گرہ گیر کا ایسا اسیر ہو کہ اس کی ظاہری دل فریبیوں اور چمک دمک ہی میں کھو کر رہ جائے۔

آیت ۱۰۲ ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ﴾ ’’کیا کافروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ میرے ہی بندوں کو میرے مقابلے میں اپنے حمایتی بنا لیں گے؟‘‘

یہ لوگ جن انبیاء و رسل‘ ملائکہ اور صلحاء کو میرے شریک ٹھہراتے ہیں اور اپنا کارساز سمجھتے ہیں وہ سب میرے بندے ہیں۔ کیا ان کا خیال ہے کہ میرے یہ بندے میرے مقابلے میں ان کی مدد اور حمایت کریں گے؟ خواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ ‘ میرے یہ بندے میرے مقابلے میں ان کے حامی و مددگار اور حاجت روا ثابت ہوں گے؟

﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ؁﴾ ’’یقیناً ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو ایسے کافروں کی مہمانی کے لیے۔‘‘

آیت ۱۰۳ ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ؁﴾ ’’آپ کہیے: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟‘‘

یہ ہے وہ مضمون جسے ابتدا میں اس سورت کا عمود قرار دیا گیا تھا' یعنی دنیا اور اس کی زیب و زینت! اس مضمون کے سائبان کا ایک کھونٹا سورت کے آغاز میں نصب ہے جبکہ دوسرا کھونٹا یہاں ان آیات کی صورت میں۔ ابتدائی آیات میں واضح طور پر بتایا گیا تھا کہ دنیا کی زیب و زینت اور رونقوں پر مشتمل یہ خوبصورت محفل سجائی ہی انسانوں کی آزمائش کے لیے گئی ہے۔ اس کے ذریعے سے انسانوں کے رویّوں کی پرکھ پڑتال کرنا اور ان کی جِدّو جُہد کی غرض و غایت کا تعیّن کرنا مقصود ہے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾۔ اب یہاں آیت زیر نظر میں اُن لوگوں کی نشاندہی کی جارہی ہے جو اپنے اعمال' اپنی محنت و مشقت' بھاگ دوڑ اور سعی و جہد میں سب سے زیادہ گھاٹا کھانے والے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس آزمائش میں ناکام ہو کر دنیا کی زیب و زینت ہی میں کھو گئے ہیں۔

جہاں تک محنت اور مشقت کا تعلق ہے وہ تو ہر شخص کرتا ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ ' فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا))(۱) ''ہر انسان جب صبح کرتا ہے تو خود کو بیچنا شروع کرتا ہے' پھر یا تو وہ اسے آزاد کرا لیتا ہے یا (گناہوں سے) ہلاک کر دیتا ہے''۔ چنانچہ ہر کوئی اپنے آپ کو بیچتا ہے۔ کوئی اپنی طاقت اور قوت بیچتا ہے' کوئی اپنی ذہانت اور صلاحیت بیچتا ہے اور کوئی اپنا وقت اور ہنر بیچتا ہے۔ گویا یہ دنیا محنت' عمل اور کوشش کی دوڑ کا میدان ہے اور ہر انسان اپنے مفاد کے لیے بقدرِ ہمت اس دوڑ میں شامل ہے۔ مگر بدقسمتی سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی پوری کوشش اور محنت کے باوجود گھاٹے میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے خود کو بیچنے کے اس عمل میں کچھ بھی نفع نہیں بلکہ نقصان ہی نقصان ہے' خسارا ہی خسارا ہے۔ تو اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے یہ کون لوگ ہیں؟

آیت ۱۰۴ ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''وہ لوگ جن کی سعی و جُہد دنیا ہی کی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی''

ایسے لوگ جنہیں آخرت مطلوب ہی نہیں' ان کی ساری تگ و دو اور سوچ بچار دنیا کمانے کے لیے ہے۔ آخرت کے لیے انہوں نے نہ تو کبھی کوئی منصوبہ بندی کی اور نہ ہی کوئی محنت۔ بس برائے نام اور موروثی مسلمانی کا بھرم رکھنے کے لیے کبھی کوئی نیک کام کر لیا' کبھی نماز بھی پڑھ لی اور کبھی روزہ بھی رکھ لیا۔ مگر اللہ کو اصل میں اُن سے مقصود و مطلوب کیا ہے؟ اس بارے میں انہوں نے کبھی سنجیدگی سے سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ ایسے لوگوں کو ان کی محنت کا صلہ حسبِ مشیتِ الٰہی دنیا ہی میں مل جاتا ہے' جبکہ آخرت میں ان کے لیے سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کا ذروۂ سنام سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیات ہیں: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾﴾ ''جو کوئی طلب گار بنتا ہے جلدی والی (دنیا) کا تو ہم اس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں جو کچھ ہم چاہتے ہیں' جس کے لیے چاہتے ہیں' پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس

(۱) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب فضل الوضوء۔ وسنن الترمذی' ابواب الدعوات۔

کے لیے جہنم‘ وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ‘ دھتکارا ہوا۔ اور جو کوئی آخرت کا طلبگار رہا اور کوشش کرے اس کے لیے اس کی سی کوشش اور وہ مؤمن بھی ہو‘ تو وہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی‘‘۔ چنانچہ نجاتِ اخروی کا امیدوار بننے کے لیے ہر بندۂ مسلمان کو واضح طور پر اپنا راستہ متعین کرنا ہوگا کہ وہ طالب دنیا ہے یا طالب آخرت؟ جہاں تک دُنیا میں رہتے ہوئے ضروریاتِ زندگی کا تعلق ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک و بد سب کی پوری ہو رہی ہیں: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰﴾ (بنی اسرائیل) ’’ہم سب کو مدد پہنچائے جا رہے ہیں‘ ان کو بھی اور ان کو بھی‘ آپؐ کے رب کی عطا سے‘ اور آپؐ کے رب کی عطا رُکی ہوئی نہیں ہے‘‘۔ لہٰذا انسان کو اپنی ضروریات زندگی کے حصول کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنا چاہیے۔ اُس نے انسان کو دنیا میں زندہ رکھنا ہے تو وہ اس کے کھانے پینے کا بندوبست بھی کرے گا: ﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ﴾ (الطلاق:۳) ’’وہ اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا‘‘۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کو چاہیے کہ فکرِ دنیا سے بے نیاز ہو کر آخرت کو اپنا مطلوب و مقصود بنائے‘ اور ان لوگوں کے راستے پر نہ چلے جنہوں نے سراسر گھاٹے کا سودا کیا ہے‘ جن کی ساری محنت اور تگ و دو دنیا کی زندگی ہی میں گم ہو کر رہ گئی ہے:

﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۴﴾ ’’اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔‘‘

ایسے لوگ اپنے کاروبار کی ترقی‘ جائیدادوں میں اضافے اور دیگر مادی کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ ان کی محنتیں روز بروز نتیجہ خیز اور کوششیں بار آور ہو رہی ہیں۔

آیت ۱۰۵ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ﴾ ’’یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات اور اُس کی ملاقات کا‘‘

ایسے لوگ بے شک اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کو اور قرآن کو مانتے ہیں‘ لیکن اگر حقیقتاً وہ آخرت کو بھلا کر دن رات دنیا سمیٹنے ہی میں مصروف ہیں تو اپنے عمل سے گویا وہ اللہ کی آیات اور آخرت میں اس سے ہونے والی ملاقات کا انکار کر رہے ہیں۔ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ﴾ (العنکبوت:٦٤) ’’یقیناً آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے‘‘۔ لیکن طالبانِ دنیا کا عمل اللہ کی اس بات کی تصدیق کرنے کے بجائے اس کو جھٹلاتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی آیات کو اور اس کے سامنے روزِ محشر کی حاضری کو عملی طور پر جھٹلا دیا ہے۔

﴿فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝۱۰۵﴾ ’’تو برباد ہو گئے ان کے اعمال اور ہم قائم نہیں کریں گے ان کے لیے قیامت کے دن کوئی وزن۔‘‘

قیامت کے دن ایسے لوگوں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ اگر انہوں نے اپنے دل کی تسلی اور ضمیر کی خوشی کے لیے بھلائی کے کچھ کام کیے بھی ہوں گے تو ایسی نیکیاں جو ایمان اور یقین سے خالی ہوں گی ان کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ چنانچہ ان کی ایسی تمام نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی اور میزان میں ان کا

وزن کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس بھیانک انجام کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ دنیا کی آرائش وزیبائش میں گم ہو کر انسان کو نہ اللہ کا خیال رہتا ہے اور نہ آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ دنیا کی زیب و زینت کے حوالے سے یہ مضمون اس سورت میں بار بار دہرایا گیا ہے (ملاحظہ ہو: آیت ۷، ۲۷ اور ۴۶)۔

آیت ۱۰۶ ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾ ''ان کا بدلہ جہنم ہے بسبب اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوںؑ کا مذاق اڑایا۔''

اللہ کی آیات اور رسولوں کے فرمودات کے مطابق تو اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دُنیوی زندگی کی کچھ اہمیت نہیں، مگر ان طالبانِ دنیا نے سمجھ رکھا تھا کہ اصل کامیابی اسی دُنیوی زندگی کی ہی کامیابی ہے۔ چنانچہ اسی کامیابی کے حصول کے لیے انہوں نے محنت اور کوشش کی اور اسی زندگی کو سنوارنے کے لیے وہ خود کو ہلکان کرتے رہے۔ آخرت کو لائق اعتناء سمجھا اور نہ ہی اس کے لیے انہوں نے کوئی سنجیدہ تگ و دو کی۔ آخرت کا خیال کبھی آیا بھی تو یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لی کہ ہم نے فلاں فلاں بھلائی کے کام بھی تو کیے ہیں اور پھر ہم حضور ﷺ کے امتی بھی تو ہیں۔ آپؐ ہماری شفاعت فرمائیں گے اور ہم کامیاب و کامران ہو کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ یہ عقیدہ یہودیوں کے عقیدے سے ملتا جلتا ہے۔ وہ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اس کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔

ان آیات کے حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی توجہ طلب ہے کہ یہاں کفار سے مراد اصطلاحی کفار نہیں، بلکہ ایسے لوگ ہیں جو قانونی طور پر تو مسلمان ہی ہیں، مگر اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کو پس پشت ڈال کر سرتا پا دنیا کے طالب بنے بیٹھے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مذکورہ مفہوم میں جو شخص بھی آخرت کے مقابلے میں دنیا کا طالب ہے وہی ان آیات کا مصداق ہے، بظاہر چاہے وہ مسلمان ہو، مسلمانوں کا لیڈر ہو، مذہبی پیشوا ہو یا کوئی بہت بڑا عالم ہو۔ اسی مضمون کو کسی بزرگ نے ''جو دم غافل سو دم کافر'' کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ آخرت کی نجات کے سلسلے میں یہ بات طے کرنا انتہائی ضروری ہے کہ بنیادی طور پر انسان طالب دنیا ہے یا طالب آخرت!

آخری رکوع کی ان آیات کا سورت کی ابتدائی آیات کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور دجالی فتنے سے حفاظت کے لیے ان کی خصوصی اہمیت ہے، چنانچہ حدیث میں ان کو فتنہ دجال سے حفاظت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ابتدائی دس آیات اور ان آخری آیات کو حفظ کر لیا جائے اور کثرت سے ان کی تلاوت کی جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو جمعہ کے روز پوری سورۃ الکہف کی تلاوت کو بھی معمول بنا یا جائے۔

آیت ۱۰۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ''(اس کے برعکس) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے۔''

جن لوگوں نے ایمان کے تقاضے بھر پور طور پر پورے کیے اور وہ نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے ٹھنڈی چھاؤں والے باغات ہوں گے۔ آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ باغات کیسے ہوں گے اور کہاں ہوں گے۔ اس کائنات کی وسعت بے حد و حساب ہے اور جنت کی وسعت بھی ہمارے احاطۂ خیال میں نہیں سما سکتی۔

اس کائنات میں اَن گنت کہکشائیں ہیں اور نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کہاں کہاں جنتیں بنا رکھی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نچلے درجے والا جنتی اوپر والے جنتی کو ایسے دیکھے گا جیسے آج ہم زمین سے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کی ابتدائی مہمان نوازی (نُزُل) یہیں اسی زمین پر ہوگی۔ یعنی "قصّۂ زمین برسرِ زمین" ہی طے کیا جائے گا۔

آیت ۱۰۸ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝۱۰۸﴾ "وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے' وہاں سے وہ جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے۔"

یعنی جنت ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں رہتے رہتے کسی کا جی اُکتا جائے۔ دنیا میں انسان ہر وقت تغیر و تبدیلی کا خواہاں ہے۔ تبدیلی کی اسی خواہش کے تحت بری سے بری جگہ پر بھی کچھ دیر کے لیے انسان کا دل بہل جاتا ہے جبکہ اچھی سے اچھی جگہ پر بھی مستقل طور پر رہنا پڑے تو بہت جلد اسے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ ہم کشمیر اور سوئزرلینڈ کو "فردوس بر روئے زمیں" گمان کرتے ہیں' لیکن وہاں کے رہنے والے وہاں کی زمینی و آسمانی آفات سے تنگ ہیں۔ اہل جنت مستقل طور پر ایک ہی جگہ رہنے کے باعث اکتائیں گے نہیں اور وہاں سے جگہ بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔

اب اس سورت کی آخری دو آیات آرہی ہیں جو گویا توحید کے دو بہت بڑے خزانے ہیں۔

آیت ۱۰۹ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝۱۰۹﴾ "(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اگر سمندر روشنائی بن جائے میرے رب (کے کلمات کو لکھنے) کے لیے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ اسی کی طرح اور (سمندر) بھی ہم (اس کی) مدد کے لیے لے آئیں۔"

یہاں پر سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے پہلے کی آیت کو دوبارہ ذہن میں لائیں: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ﴾ "آپ کہہ دیجیے کہ تم پکارو اللہ (کہہ کر) یا پکارو رحمٰن (کہہ کر)' جس (نام) سے بھی تم پکارو' اسی کے ہیں تمام نام اچھے"۔ سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر ہے' جبکہ یہاں آیت زیر نظر میں اللہ تعالیٰ کے کلمات کا ذکر ہے۔ اللہ کے کلمات سے مراد اس کی مختلف النّوع مخلوقات ہیں' اور اُس کی ہر مخلوق اُس کے ایک کلمہ "کُن" کا ظہور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوقات کا احاطہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ سورۂ لقمان میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۲۷﴾ "اور اگر زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی ہو' اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ یقیناً اللہ غالب' حکمت والا ہے۔"

آیت ۱۱۰ ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾ "(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں' مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک

ہی معبود ہے۔‘‘

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾﴾ ’’پس جو کوئی بھی اُمید رکھتا ہو اپنے رب سے ملاقات کی تو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔‘‘

یعنی عبادت خالص اللہ کی ہو۔ یہ تو حیدِ عملی ہے۔ اس بارے میں سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳ میں یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ ’’اور فیصلہ کر دیا ہے آپؐ کے رب نے کہ تم لوگ نہیں عبادت کرو گے کسی کی سوائے اُس کے‘‘۔ سورۃ الکہف کی اس آخری آیت اور سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا بھی آپس میں معنوی ربط و تعلق ہے۔ موازنہ کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ملاحظہ کیجیے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾﴾ ’’اور کہہ دیجیے کہ کُل حمد اور کُل شکر اللہ کے لیے ہے جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں، اور نہ ہی اس کا کوئی دوست ہے کمزوری کی وجہ سے اور اُس کی تکبیر کرو جیسے کہ تکبیر کرنے کا حق ہے‘‘۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا بلند مقام اور اُس کی شان بیان کر کے شرک کی نفی کی گئی ہے۔ دراصل اللہ کے ساتھ شرک کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اللہ کو مرتبہ الوہیت سے نیچے اتار کر مخلوقات کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا ہے یا پھر مخلوقات کی صف میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر بٹھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں اللہ کی کبریائی کا اعلان کرنے کا حکم دے کر شرک کی پہلی صورت کا ابطال کیا گیا ہے جبکہ سورۃ الکہف کی آخری آیت میں شرک کی دوسری صورت یعنی مخلوقات میں سے کسی کو اللہ کے برابر کرنے کی نفی کی گئی ہے۔

دیکھا جائے تو اللہ کی مخلوق میں سے اس کے شریک بنانے کی روایت ہر زمانے میں رہی ہے۔ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا درجہ دے دیا اور اہل عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ ہمارے ہاں بھی بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) خدا بنا دیا: ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر اُتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیؐ ہو کر!

اور کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کی ذات سے ملا دیا:

ہر چند علیؓ کی ذات نہیں ہے خدا کی ذات لیکن نہیں ہے ذاتِ خدا سے جدا علیؓ

اور مرزا غالبؔ تو اس سلسلے میں یہاں تک کہہ گئے:

غالبؔ ندیمِ دوست سے آتی ہے بُوئے دوست مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بوترابؓ میں

یعنی جب میں ابو تراب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی بندگی کرتا ہوں تو درحقیقت اللہ ہی کی بندگی کر رہا ہوتا ہوں۔ اسی طرح آغا خانیوں کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ’’دشم اوتار‘‘ قرار دیا گیا۔ ہندوؤں کے ہاں نو (۹) اوتار تسلیم کیے جاتے تھے، انہوں نے حضرت علیؓ کو ’’دسواں اوتار‘‘ مان لیا۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک!!

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم، ونفعنی وایّاکم بالآیات والذّکر الحکیم ○○